

سنہ ۱۸۶۷ء

تحریر کا نام
جان سوریل

CHECKED 1900

مضمون آرادی پر تنقید و بحث
از

دیوان شاعرانہ



نیشنل لائبریری، کولکٹا، ہندوستان
مستف کی اجازت کے بغیر کوئی نسخہ

۸۶ ۸۷

بخدمت عالیجناب

آزیزیل حاریرین پیرن صاحب

سی۔ آئی۔ ای۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔

ڈی۔ پی۔ ڈی۔ اے۔

عالیجاہ۔

آپنے اپنے دوران خدمت میں ان اصولوں کو جو اس کتاب میں
مندرجہ ہیں حتی المقدور کو زراطر رکھا۔ آپ ہی کے ذریعہ سے
پنجاب کی رعایا کو کل سلف گورنمنٹ کے فوائد سے جن کا ذکر
اس کتاب کے آخری حصہ میں مستفیض ہوئی۔ اس لئے
میں اس کتاب کو نہایت ادب سے آپ کی خدمت میں نذر
کر رہا ہوں۔ اور شرف قبولیت چاہتا ہوں *
بنیم نرائند رائٹ

۱۵۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء عیسوی

لاہور

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳	۱۰	کے	کیسی	۲۲۱	۱۲	خلل	خلل
۱۴	۲	یہہ	یہہ	۲۲۲	۲	کرنا	کرنا
۱۵	۱۳	فروہات	فروہات	۲۲۵	۱۱	شے کا	شے کی
۱۶	۳	غرضکہ	غرضیکہ	۱۳	۱۳	پیش	پیش
"	۱۲	کس قدر	کس قدر	۱۵	۱۵	استعمال کیا گیا	استعمال کیا گیا
۲۹	۳	رجبان	رجبان	۲۲۶	۵	ان پر	ان پر
۳۲	۸	تس	تین	"	۱۱	جن نے	جن کے
۳۳	۱۰	قابل	قابل	۲۲۹	۱	جو باعث	جو باعث
۳۸	۲	بجھے	بجھنے	۲۳۲	۱۰	اتقار	اتقار
۵۲	۱۲	سوں	سون	"	۱۴	حالمین	حالمین
۵۸	۱۶	جشنی	جتنی	۲۳۳	۱۲	مقرر کرنا	مقرر کرنا
۶۳	۱۵	اور	اور	۲۳۴	۱۶	قیود کا خیال	قیود کا خیال
۸۵	۱۲	گوشہ	خوشہ	۲۴۲	۷	بہور	بہور
۹۹	۳	ساہنے	ساہنے	"	۷	مزا حق نام ہونچا	مزا حق نام ہونچا
۱۱۲	۱۱	مخالقین	مخالضین	۲۵۲	۱	ایذار	ایذار
۱۲۳	۱۶	عرصکہ	غرضیکہ	"	۶	حاض	حاض
۱۳۱	۱	آہستہ	آہستہ آہستہ	۲۶۳	۱۱	تجربہ کار	تجربہ کار
۱۴۲	۱۶	مادہ	زیادہ	"	۱۱	نام	نام
۱۸۵	۱۶	ناگزیر	ناگزیر	"	۱۳	انہیں جیسے	انہیں جیسے
۱۸۸	۲	بے پردہ	بے پردہ				
۲۰۰	۲	قص	قص				

جتنے نتائج فاعل فعل سے متجاوز ہو کر کسی شخص تک پہنچیں۔ ذاتی افعال میں
 جبکہ نتیجہ فاعل کو خود ہی بہگتا پڑے کیسے طرہ کا دخل گورنمنٹ یا سوسائٹی کا روا
 نہیں۔ چونکہ ان افعال کی جو شخصی آزادی کے حد میں ہوں۔ اور جو اس حد
 متجاوز ہوں تمیز بہت مشکل ہے۔ اس نے مصنف نے آخر میں شبیلات بیان
 کی ہیں تاکہ ان دونوں قسم کے افعال کی حد و ہن نشین ہو جائے +
 ایسی کتابوں کے ترجموں سے ہماری زبان میں ایک بہت عمدہ لٹریچر پیدا ہو سکتا
 اور اگرچہ ہم ایک عرصہ دراز تک انگریزی زبان کی برابری نہ کر سکیں۔ بلکہ انگریزی کے
 روز افزون ترقی کی وجہ سے شاید وہ زمانہ کبھی نہ آئے کہ جب ہمارا لٹریچر
 انگریزی لٹریچر کے برابر ہو تو بھی جتنی ترقی ہماری زبان میں ہوا اتنی ہی اچھی ہے
 یہ ضروری نہیں کہ جب تک ہمارا لٹریچر انگریزی لٹریچر کے ہم پلہ نہ ہو ہمیں اس
 کو فائدہ نہیں پہنچو گا۔ اعلیٰ درجہ کا لٹریچر پیدا کرنا اور اپنی زبان کو موجودہ حالت میں
 کے درمیان ایک وسط حالت بھی جو موجودہ حالت سے بدتر ہے۔ اس ضمن میں
 کچھ خیالات ایک موقع پر سیدھے تفصیل کے ساتھ بیان ہیں جنکو اعادہ کرنا کی کچھ ضرورت نہیں
 ان چند الفاظ کو ختم کرنے سے پہلے میں ناظرین کی خدمت میں یہ گزارش کرنا
 چاہتا ہوں۔ کہ اگرچہ میں نے اس ترجمہ میں جتنی المقدور اس امر کی کوشش کی ہے
 بلکہ ہے کہ نئے الفاظ موضوع نہ کئے جائیں۔ تاہم بعض خیالات اس قسم کے
 تھے جنکو ادا کرنے کے لئے مروجہ الفاظ کام نہیں دے سکتے تھے۔ جہاں تک

مجھے ہر سکا مین نے ہر ایک پیچیدہ خیال کو عام الفاظ اور مروجہ محاوروں میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی تصرفات سے قطعی پرہیز نہ کر سکا مین نے یہ دیکھا کہ ایسے خیالات کے بیان کرنے میں جو ہم کبھی عام محاوروں میں ظاہر نہیں کرتے۔ بلکہ جن سے ہمارا لٹریچر بالکل خالی ہے۔ نئے تصرفات سے بالکل پرہیز رکھنا ناممکن ہے۔

ایسی کتابوں کے ترجموں کا کہ جن میں صنفوں کی کوشش اس امر پر موقوف ہوتی ہے کہ صحیح خیالات پیش کئے جاویں۔ اور انکو صحت کے ساتھ ادا کیا جاوے موجودہ اردو لٹریچر کے مستند کتابوں سے مقابلہ کرنا بیجا ہے۔ ہمارے لٹریچر میں صرف اس قسم کے مضامین ہیں کہ جن میں سوائے شاعرانہ لطافت اور رنگینی عبارت کے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ دقیق خیالات اور پیچیدہ دلائل کا ادا کرنا رنگینی الفاظ کے ساتھ کبھی نہیں بھیج سکتا۔ ایسی کتابوں کا جن میں عمدہ اور مستقیم خیالات ہوں ان کتابوں سے کہ جن میں مصنف رنگینی الفاظ سے پڑھنے والی کی طبیعت پر اثر پیدا کرنا چاہتا ہے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ نئے خیالات کے ادا کرنے کے لئے نئے الفاظ کا اختراع ضروری ہے۔ سلسلہ دلیل کو قائم رکھنے کی غرض سے ایک ہی فقرہ میں ایک ہی لفظ کا بار بار واقع ہونا۔ اور پیچیدہ خیالات کے ظاہر کرنے میں فقرہ نکال ملبا ہو جانا ناگزیر ہے۔ نئے مضامین کے ادا کرنے میں مروجہ طرز تحریر کی پوری پابندی

نہیں ہو سکتی۔ اگر ناظرین باتوں کا لحاظ رکھ کر اس کتاب کو پڑھیں گے تو مجھے امید ہے کہ ایسے نقص کم نظر آئیں گے جو حقیقت میں قابل اعتراض ہوں بہر حال مجھے یقین ہے کہ لائق استادوں کی اصلاح سے اس کتاب کی طبع دوم میں وہ نقص بھی رفع ہو جائیں گے *

ترجمہ کا اصل کتاب سے مقابلہ کرنا بہت محنت کا کام ہے۔ علاوہ بریں مترجم کو خود اپنے نقص کم معلوم ہوتے ہیں۔ میرا کرم عنایت سرمایہ پنڈت ایشور پشا صاحب نے مجھے اس کام میں مدد دی۔ اور مسودہ کا اصل کتاب سے مقابلہ کیا۔ اور بہت سے موقوفہ قابل ترمیم تھے بتلائے۔ میں انکی عنایت کا ارجہ ممنون ہوں۔ میں اپنے اُن دوستوں اور مہربانوں کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً اس ترجمہ کو عام فہم اور سلیس بنانے میں مدد دی *

سبب نراندرا ناتھ

لاہور۔ ۱۵۔ اکتوبر ۱۸۷۷ء



فہرست مضامین

صفحہ

۱ — ۳۲

فصل اول - مقدمہ

۳۲ — ۱۲۱

فصل دوم - آزادی رائے و اظہار رائے -

۱۲۱ — ۱۴۰

فصل سوم - شخصیت کا قیام بھونسانی کا اعلیٰ ذریعہ

فصل چہارم - سوسائٹی کو من حیث الجماعت انفرادی

۱۴۰ — ۱۵۱

پر کس حد تک اختیارات حاصل ہیں

۱۵۱ — ۲۵۱

فصل پنجم - تمثیلات



فہرست

مقدمہ

اس کتاب میں ہم مسئلہ جبر و اختیار پر کچھ خیالات ظاہر نہیں کرینگے۔ یعنی یہہ امر خارج از بحث ہوگا کہ آیا کسی فعل کا کرنا یا نہ کرنا ہمارے اختیار میں ہے یا ہم اپنی ابتدائی تعلیم۔ صحبت کی تاثیر اور خواص طبعی سے مجبور ہیں۔ ہماری غرض سوشل آزادی کو معرض بحث بنانے کی ہے اور ہم یہہ دکھائیں گے کہ سوسائٹی کو کین باتوں میں ایک شخص واحد

۴۔ فٹ نوٹ۔ انگلستان کے فلاسفوں کی مسئلہ جبر و اختیار پر مختلف اہم ہیں۔ ایک گروہ یہہ کہتا ہے کہ جس طرح عالم جہلم میں ہر ایک انفرادی ایک خاص علت ہوتی ہے اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو وجہ ہمیشہ ظاہر ہوتا ہے (یعنی افعال انسانی میں ہر ایک فعل کو کوئی نہ کوئی باعث ہوتا ہے) اور اس بحث کے گہورے بعد وہ فعل ہمیشہ سبب ہوتا ہے۔ دیکھیے جی۔ کے گہر میں پیدا ہوتا ہے اور جسے ہمیشہ چاروں ہی کی صحبت ہی ہے۔ اسکی عادت بد اسکی ابتدائی حالات کا نتیجہ ہے۔ دیکھیے اپنی عادت محض اپنے علاوہ سبب نہیں مل سکتا۔ جہنگل میں تم کو چوٹ کا اثر اسہتر ہو چکا ہے۔ ابتدائی حالات کو اثر کو خلاف ہو۔ (مثلاً حق سزا وغیرہ) تب تک وہ اپنے فعل سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہہ مسئلہ جبر کے حامیوں کی ہے۔ اسکے برعکس مسئلہ اختیار کو ماننے والے کہتے ہیں کہ افعال انسانی واقعات جہانی کے مطابق نہیں۔ افعال انسانی میں عادت کا اثر تو ارادہ کے لیے سوجھ بکھچو ہے۔

انگریزی فلاسفوں کا مسئلہ جبر مسئلہ تقیہ سے بالکل مختلف ہے۔ ۵۔ مترجم

کے افعال پر کس قسم کی مداخلت کرنی چاہئے۔ اور وہ مداخلت کس حد تک جائز ہو؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر بالتفصیل کبھی بحث نہیں ہوئی۔ مگر اسکا اثر اُن تمام باتوں پر ہے جو آجکل زیر بحث ہیں۔ اور غالب ہے کہ کسی زمانہ میں اسپرہنت خوض ہو۔ اور آئندہ کے واسطے یہ قابل غور اور ضروری مسئلہ قرار پائے۔ یہ کچھ نیا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ اسپر متقدمین کی بھی مختلف رائیں رہی ہیں۔ اور اس امر کو مد نظر رکھ کر کہ آجکل بعض گروہ انسانی کس درجہ تہذیب پر فائز ہیں۔ اس مسئلہ کے اصولوں پر ایک نئے ڈھنگ سے بحث کرنی چاہئے۔

دنیا کی تواریخ کا جو حصہ مدت سے ہمارے مطالعہ سے گزرتا رہا، اُس میں اُن تنازعات کا اکثر ذکر ہے جو آزادی اور تحکم کے قائم رکھنے کے لئے ہوتے رہے۔ انگلستان و یونان و روم کی تواریخ کے بہت سوا اوراق تو خصوصاً اسی جھگڑے کے بیان سے پُر ہیں۔ مگر پُرانے زمانہ میں حصول آزادی کا تنازعہ گورنمنٹ اور رعایا یا حاکم و محکوم کے مابین تھا۔ آزادی کے معنی یہ تھے کہ حاکمون کے ظلم سے مامون و محفوظ رہیں۔ حاکمون کی حالت ایسی سمجھی جاتی تھی کہ اُن میں اور رعایا میں تحالف کا ہونا لازم و لابد تھا۔ عنان حکومت یا تو کسی شخص واحد کے اختیار میں ہوتی تھی اور یا ایک گروہ یا فریق کے قبضہ اقتدار میں۔ اور انکو یہ

فرمانروائی میراث یافتہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی تھی۔ انکا حکومت کرنا رعایا کی مرضی پر منحصر نہ تھا اور اگرچہ رعایا انکے اختیارات کے ظالمانہ بڑاؤ سے بچنے کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف تدابیر عمل میں لاتی رہتی تھی مگر کسی کو ان کی فرمانروائی سے مخالفت کرنے کی نہ توجہات ہی تھی اور نہ خواہش۔ انکی حکومت کو وہ جیسا ضروری سمجھتے تھے ویسا ہی خطرناک بھی خیال کرتے تھے۔ یعنی جتنا ڈراماں بات کا تھا کہ اُس حکومت کے ذریعہ سے اپنے ظلم نہ کیا جائے۔ اتنا ہی فائدہ یہ بھی متصور تھا کہ یہ حکومت بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے واسطے ضروری ہو۔ خلافت کے ضعیف حصہ کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ امر ضروری تھا کہ انکا محافظ زور اور حصہ سے جس کا مغلوب رکھنا اُس کا فرض تھا زیادہ طاقتور ہوتا۔ مگر چونکہ یہ بھی ڈر تھا کہ وہ محافظ ہی دستِ متحدہ راز نہ کرے۔ اسلئے رعایا کو اُس سے بچنے کی بھی کوشش کرنی پڑتی تھی۔ ملک کے ہمدرد و نیکو بھی غایت مقصد تھا کہ وہ اپنے فرمان رواؤں کو اختیار کی ایک حد مقرر کر ان میں اور اسے ہی آزادی کہتے تھے۔ اس مقصد کے حاصل کے دو طریقہ تھے۔ پہلا تو یہ کہ چند حقوق رعایا کے بادشاہ سے تسلیم کر لئے جاتے تھے اور انکو پولیٹیکل حقوق کہتے تھے جن پر دست انداری آئین فرمانروائی کے خلاف سمجھا جاتا تھا اور اگر ایسا ہوتا تو اُس کے صلہ میں بغاوت کرنا داخلِ عیب نہ تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند قانونی تہیہ

مقرر کرانی جاتی تھیں + جنکے بموجب بعض امور سلطنت میں رعایا کا انتصار ضروری تھا۔ ایک گروہ جس کا ساختہ پر داخترعایا ہر امر میں منظور کرتی تھی مقرر کیا جاتا تھا جس سے وہ ان امور میں مشورہ لیتی تھی +

پہلے طریقہ کے منظور کرنے کے لئے تو فرمان روا یا ان ممالک یورپ مجبور کئے جاتے تھے۔ لیکن دوسرے طریقہ کے عمل میں لانے کے لئے ان پر جبر نہ تھا۔ اور آزادی پسندوں کا یہی مدعا ہے خاص تھا۔ کہ اس مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل کریں اور جس جگہ لوگوں نے اس مدعا کے حاصل کرنے میں کچھ کامیابی کی پروا نہ کی اس کامیابی کو کمال پر پہنچائیں + جب تک کہ بنی نوع انسان ایک دشمن سے بچنے کے لئے لڑنے کا کام دوسرے دشمن سے لیتے رہے یعنی انہوں نے ایک حاکم کی اطاعت باوجود اس کے ظلم و تعدی کے اس شرط پر منظور کی کہ وہ انکو بیرونی دشمنوں کی دست اندازی کیسے محفوظ رکھے۔ تب تک انکو خیالات آزادی کچھ بہت دور نہیں گئے +

اسناد اور زمانہ سے انسانی ترقی کا وہ وقت آیا کہ فرمان رواوں کا ایسا طاقتور ہونا جس سے کہ انکی ذاتی اغراض اور رعایا کی بہبودی میں تخالف پیدا ہونے کا حصول سمجھا جانے لگا + لوگ سمجھنے لگے کہ عہدہ داروں کا رعایا کی طرف سے چنا جانا اور مقرر ہونا بہت بہتر ہے۔ تاکہ جب وہ چاہیں انکو معزول کر سکیں اس سے انکو کامل اطمینان اس بات کا ہو سکتا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو

پاسگی جو اُن کے حق میں مضر ہو + اس زمانہ میں بادشاہ کے اختیارات کو محدود کرنے کا خیال لوگوں نے کسی متدجھوڑ دیا۔ اور آہستہ آہستہ اکثر ملکوں کی رعایا میں یہی خواہش پھیلنے لگی کہ حاکمون کو میعاد مقررہ کے واسطے اپنی مرضی سے چننا چاہئے + جب لوگ حاکمون کو محکوموں کی مرضی سے ایک خاص عرصہ کے واسطے چننے کی تجویز کے پھیلانے میں بہت کوشش کرنے لگو تو بعض لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ ہم سے پہلے اختیارات کا محدود کرنا حد مناسب سے بڑھ کر مفید سمجھا جاتا تھا + اختیارات کو محدود کرنا تو اُن ظالموں کا علاج تھا جنکی اغراض یہودی خلافت سے نفیض تھیں۔ اب تو اس بات کی خواہش ہو کہ حاکم محکوموں ہی سے چنے جائیں تاکہ انکی مرضی اور انکے مقاصد قوم کی مرضی اور قوم کے مقاصد سے متحد ہوں۔ اس بات کی کچھ ضرورت نہیں کہ قوم ہی سے قوم کو بچانے کی کوشش کی جائے۔ قوم اپنے اوپر ظلم نہیں کریگی + اگر حکام اپنے اعمال کے قوم کے آگے جوابدہ ہوں اور انکا معزول کرنا بھی قوم کے اختیار میں ہو تو خواہ کتنے ہی وسیع اختیارات اُن کو تفویض کئے جائیں کچھ اندیشہ نہیں۔ کیونکہ اُن کا عمل میں لازماً رعایا کی مرضی ہی پر منحصر ہوگی + ایسی حالت میں حاکمون کا طاقتور ہونا گویا قوم ہی کا طاقتور ہونا ہوگا۔ اور فرق صرف اتنا ہی ہوگا کہ اگر حاکم نہ ہوں تو قوم کی طاقت چھوڑ چھوڑے حصوں میں بٹ جائے اور اُس کو عمل میں لانا یا اُس سے فائدہ اٹھانا بہت مشکل ہو +

تھوڑا ہی عرصہ گزر کہ یہ خیالات یورپ کے آزادی پسند لوگوں میں پائے جاتے تھے اور سوائے انگلنڈ کے اب تک بھی تمام یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو گورنمنٹ کو اختیارات محدود کرنا چاہتے ہیں اور اگر بعض گورنمنٹوں کی نسبت وہ اختیارات کا محدود کرنا ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں تو انکی یہ رائے ہے کہ ایسی گورنمنٹیں ہونی ہی نہیں چاہئیں۔ انگلستان میں ہی یہ خیالات اس وقت تک پائے جاتے اگر وہ باتیں ہیں سے کہ یہ خیالات پیدا ہوئے تھے جاری رہتیں +

پولیشکل معاملات کے متعلق جو مسائل ہیں انکے حل وقوع اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ لوگ ان پر سنجو بی عمل نہ کرنے لگیں۔ فلسفہ کے مسائل کی صحت و غلطی بھی تب ہی معلوم ہوتی ہے جب وہ مسائل عام میں مروج ہو جائیں + اسی طرح جو لوگ کاروبار دنیاوی میں دخیل ہیں اور جنگی رائے ان معاملات میں مانی جاتی ہے۔ انہیں کے عیب و صواب لوگوں پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ برعکس اسکے جن کوئی کسی معاملہ میں پوچھتا ہی نہ ہو ان کی برائیاں اور خوبیاں معلوم نہیں کیونکہ یہ خیال کہ رعایا کو سلطنت جمہوری کی حالت میں گورنمنٹ کے اختیارات کے محدود کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ تب تک ہی بدیہی سمجھا جاتا تھا۔ جب تک کہ جمہوری سلطنت کا وجود محض خیالی تھا اور اس سلطنت کے

حالات پرانی تواریخوں میں ہی پڑا کرتے تھے۔ یہ خیال فرانس کے
 دو ولیوں سے بھی نہیں بدلا۔ جس کا بہت بڑا حصہ چند ظالموں کے
 ظلم کا نتیجہ تھا اور جس کا باعث بہر حال اُن انسانی ٹیوشنوں کا نہیں
 تھا جن کی بنیاد رعایا نے قائم کی تھی۔ بلکہ جس کا سبب بادشاہوں اور امرا
 کے ظلم سے بغاوت کرنا تھا۔ مگر کچھ عرصہ میں جمہوری سلطنت دنیا کو ایک
 بہت بڑے حصہ میں پھیل گئی۔ اور یہ جمہوری سلطنت وائے گردہ کی قوموں
 میں اُن قوموں کے بڑے طاقتور حصے ہو گئے۔ جیسا کہ معمول ہے بڑی
 بڑی باتوں پر ہمیشہ نکتہ چینی ہوتی ہے اور ایسی باتیں داناؤن کی طرح آسانی
 کے لئے تختہ مشق ہوتی ہیں۔ یہ طرز سلطنت بھی جس میں عہد داروں
 کو رعایا کی مرضی سے چنا جاتا ہے اور اُن کو رعایا کے آگے جواب دہ ہونا
 پڑتا ہے۔ داناؤن کے آگے ایک بحث طلب مسئلہ ہو گیا۔ لوگ اب
 سمجھنے لگے کہ سلف گورنمنٹ اور قوم کا خود ہی اپنے آپ پر فرمان ہونا
 ایسے الفاظ ہیں جن سے اس معاملہ کی ٹھیک ٹھیک حالت پیش نظر
 نہیں آتی۔ حاکم و محکوم کے دو جداگانہ فریق تھے ایک نئی
 حاکم تھا اور دوسرا محکوم۔ اور رعایا کی حکومت اپنے آپ پر اس کے
 یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر ایک شخص اپنے آپ پر خود ہی حکومت کرتا ہے۔
 بلکہ اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک خاص مندرجہ ذاتی حصہ قوم کے

ہر ایک متفرد پر فرمان روا ہے + رعایا کی مرضی یا رعایا کی رائے اس کے معنی عموماً یہ سمجھنے چاہئیں کہ رعایا کے حصہ کثیر کی رائے یا ایسے حصہ کی رائے جو پولیٹیکل معاملات میں دخل دینے کے قابل ہو یا جسکی رائے اس کے طاقتور ہونیکے سبب کثرت رائے سمجھی جائے + اس صورت میں اگر رعایا اپنے کسی خاص حصہ پر ظلم کرنا چاہے تو وہ کر سکتی ہو اور جس قدر احتیاط کسی اور قسم کے ظلم سے کرنی پڑتی ہے اسی قدر احتیاط اس کے ظلم و تعدی سے کرنی چاہئے + حاکمون کے اختیارات کا محدود کرنا خواہ وہ اپنے اعمال کے لئے رعایا کے آگے یعنی رعایا کے حصہ کثیر کے آگے جوابدہ بھی ہوں - ضروری ہو + یہ خیالات جیسے کہ پولیٹیکل فلاسفروں کے ذہن میں آئے ویسے ہی ان لوگوں کے دلوں میں بھی گزرے - جنکی ذاتی اغراض کو ریت جمہوری کے قیام سے بہت کچھ صدمہ پہنچتا ہو + اور اب بھی پولیٹیکل سباجو میں ایک بحث طلب امر یہ ہو کہ اس حصہ قوم کے ظلم سے جسکی رائے قوم کے بقیہ حصے پر غالب ہو کیونکر سچا چاہئے +

پہلے یہ ہی سمجھا جاتا تھا کہ کسی قوم کے حصہ کثیر کا ظلم صرف پولیٹیکل عہدہ داروں کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہو - مگر دانا فوراً سمجھ گئے کہ اگر سبائی ظالم ہونے پر آئے (یعنی سوسائٹی بحیثیت مجموعی ہر ایک متفرد پر) تو اس کے وسائل ظلم صرف ان ہی اعمال تک محدود نہیں ہیں جو پولیٹیکل عہدہ داروں

کے ہاتھ سے گزریں + علامہ انکے سوسائٹی کے اور احکام بھی مین جن کی تعمیل وہ خود (یعنی بلا واسطہ حکام) کر سکتی ہے اور کراتی ہے۔ اور اگر اُس کے وہ احکام بجائے صحیح اور درست ہونے کے غلط ہوں یا ایسے ہی غلط مین ہوں جن مین سوسائٹی کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے تو یہ سوشل منسٹرم ان پولیٹیکل ظلموں سے زیادہ تر خوفناک ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ ان احکام کی عدم تعمیل کی کچھ بہت سخت سزائیں نہیں دی جاتیں۔ مگر چونکہ ان سے بچنے کی صورتیں بھی بہت محال ہوتی ہیں اسلئے انکے واجب التعمیل ہونے کا خیال دل مین بہت ہی اثر پیدا کرتا ہے + عہدہ داران ملک اور انتظامی افسرین کے ظلم سے بچنا ہی کافی نہیں بلکہ سوسائٹی کے ظلم سے محفوظ رہنا بھی ویسا ہی ضروری ہے۔ اور وہ ظلم سوسائٹی کا یہ ہے کہ سوسائٹی اپنی رایوں کی پیروی کرانے کی غرض سے ان لوگوں کے لئے جو اُس سے متفق نہ ہوں علاوہ قانونی سزائوں کے بہت سی سزائیں معتمد کرے اور ہر ایک شخص کو اپنا ہم خیال بننے پر مجبور کرنے کے لئے طرح طرح کے وسائل عمل مین لائے۔ اور شخصی آزادی کے درخت کی تروتازگی کی ہی صرف مانع نہ ہو بلکہ حتی الامکان اسکی بیج گیری ہی مین ہر نوع کی مزاحمت پیدا کرے + شخصی آزادی مین

فٹ نوٹ * شخصی آزادی کو معنی مین آزادی جسے شخصیت قائم رہے۔ اور شخصیت ان حالات و خطن کی مراد ہے جو ایک شخص مین بہت سے افراد کو نزلے ہوں۔ اور جو ان کو ہر حکم کسی خاص فعل کی طرف یا کسی شخصیت کو قائم رکھنے سے روکے۔ ایک شخص کی اپنی خاطر صاف کی ترقی دینے اور میلان طبی کو پورا کرنے کی حاجت دیکھنا۔ مختصر

سوسائٹی کی رائے کی بجائے مداخلت کی ایک حد ہے۔ اُس حد کو دریافت کرنا اور زور آور دن کی دست اندازیوں سے اُسے محفوظ رکھنا انسانی ترقی کو لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا پولیٹیکل ظلم سے بچنا ہے۔

اگرچہ عام طور پر اس بات سے کوئی انکار نہیں کرتا کہ شخصی آزادی میں سوسائٹی کی مداخلت کی ایک خاص حد معین ہے۔ لیکن یہ امر کہ وہ حد کونسی ہے (یعنی شخصی آزادی اور سوسائٹی کے اختیارات کو ایک مناسب اعتدال پر کس طرح سے کیا جائے) تنویز بحث طلب ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں

کہ اگر لوگوں کے جذبات نفسانی کو روکنے کے لئے کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس زندگی بہت تلخ ہو جائے۔ اس لئے لابد ہے کہ چند قواعد مستعمل ہوں جن کی پابندی بذریعہ قانون ہم پر لازمی کی جائے اور جن قواعد ان کی پابندی کے لئے قانون کے ذریعہ سے مجبور کرنا مفید نہ ہو ان کے لئے رائے جمہور ایک وسیلہ قرار دیا جائے۔ لیکن وہ کونسے قواعد ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب نہایت ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے اگر ان چند باتوں کا خیال نہ کیا جائے جس میں کہ آسانی سے قواعد مستعمل کئے گئے ہیں، جس کے حل کرنے میں بڑی ہی دقت پیش آتی ہے۔ ایک نسل

نوٹ: رائے جمہور یعنی سوسائٹی کے حقہ کثیر کی رائے۔ عوام کی رائے۔ پبلک اوپینین۔ سوسائٹی میں بدنام ہونا۔ یا برادری سے نکالا جانا۔ یہ ایسی سزائیں ہیں جو رائے جمہور کے ذریعہ سے دی جاتی ہیں۔ متحرک

کے لوگوں کا دوسری نسل کے لوگوں سے اتفاق نہیں۔ ایک ملک کے باشندوں کی رائے کا دوسرے ملک کے باشندوں کی رائے سے اختلاف ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ سب ایک دوسرے کی رائے پر متخیر ہوتے ہیں اور ہر زمانہ اور ملک کے لوگوں کو اپنی رایوں کی صحت کا ایسا کامل یقین ہوتا ہے کہ گویا اس مسئلہ میں تمام نوع انسان کا اتفاق ہے + جو قوانین ان کے یہاں مقرر ہیں ان کا بجا ہونا ان کو غایت درجہ کا بدیہی معلوم ہوتا ہے + یہ دہو کا جو تمام عالم کو ہے رسم و رواج کے ساحرہ اثر کی ایک مثال ہے۔ جس کو لوگ مقتضیات طبعی سے دوم درجہ پر قرار دیتے ہیں۔ مگر جس کا اثر مقتضیات طبع کے برابر ہی سمجھا جاتا ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ اس میں اور مقتضیات طبع میں تمیز کرنا بہت مشکل ہے + بہت بڑی وجہ اس بات کی۔ کہ ان قواعد کے نقص جن کی پابندی رسم و رواج کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے چاہتے ہیں اور بھی کم معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ہے کہ بجا و بجا رسوم کی تمیز میں دلیل سے کام لینا نامناسب یا غیر ضروری سمجھا جاتا ہے + بعض اشخاص جو نام کو تو فلاسفر کہلاتے ہیں لوگوں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ایسی باتوں میں دلیل کو عمل میں لانا غیر ضروری ہے۔ اور ان کا دل ہی رسوم کے واجب و نا واجب ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے + جس اصول پر یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کی بنا رکھیں وہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص

اپنی خواہش دل کے موافق اور ان لوگوں کی پسند کے مطابق جن سے کہ
اُسکا تعلق ہو عمل کرے + مگر کوئی شخص اس امر کا اقرار نہ کرے کہ جس فعل
وہ بغیر کسی دلیل کے سوچے صرف اپنے دل کی خواہش پوری کرنے کے لئے
آمادہ ہوتا ہے وہ ضرور ہی دلائل کے سوچنے پر بھی ایک بجا فعل معلوم ہو بلکہ
جس فعل کے بجا یا بجا ہونے کا فیصلہ کوئی شخص بغیر دلائل کے عمل میں لانے
کی صرف خواہش دلی ہی کو معیار قرار دیکر کرتا ہے۔ وہ فعل صرف اُسکو
اپنے فہم کے موافق بجا یا بجا قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور جس وقت کہ اس فعل
کے دلائل کے مطابق بجا یا بجا ہونے کا یقین ہو۔ اُسی قدر ان افعال کی
صحت کا یقین بھی ہو سکتا ہے جو صرف دوسروں کو خوش کرنے اور ضامنہ
کھنے کے لئے کئے جاتے ہیں + عام آدمی کسی فعل کے بجا ہونے کی یہی کافی
دلیل سمجھتے ہیں کہ اُنکا اور بہت سے لوگوں کا دل ان افعال کے بجا ہونے کی
شہادت دیتا ہے (بغیر اسکے کہ وہ دلائل عمل میں لائیں) اور یہ دلیل
نہ صرف کافی ہی سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ بہت سے شخص تو اپنے اخلاق کی
بنابھی اسی اصول پر قائم کرتے ہیں۔ اور اُنکے مذاق بھی اسی اصول کو
مذطرہ کھنے سے بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مذہبی مسائل کو سمجھنے میں بھی
انہیں اصولوں سے مدد لی جاتی ہے + کسی بات میں ہیں جن کے بموجب لوگ
دوسروں کو خاص طریقہ افعال پر مجبور کرنا چاہتے ہیں یعنی سوسائٹی

جن اصولوں کے مطابق لوگوں کو عمل کرنے پر مجبور کرنا چاہتی ہے۔ وہ مختلف ہیں۔ اور انکے باعث بھی بہت سے ہیں + چنانچہ افعال کو محمود و مذموم قرار دینے میں انہیں باعث کا اثر پڑتا ہے + بعض اوقات قومی تعصبات کے سبب بعض افعال جو واقع میں بجا ہیں لوگ بجا بلکہ واجب قرار دیتے ہیں + اکثر ایسے خیالات کے باعث سے جنکی بنا صرف وہم و خیال ہی ہے اور جو کسی خاص قوم میں رائج ہیں۔ وہ افعال جو واقع میں مذموم ہیں محمود اور جو حقیقت میں محمود ہیں مذموم سمجھے جاتے ہیں + ایک طاقتور حصہ قوم کی ذاتی اغراض کمزور حصہ کو ملحوظ خاطر رکھنی پڑتی ہیں۔ اور اس سبب وہ ایسے افعال کو جو اس طاقتور حصہ کے مفید ہوں (اور باتوں کے لحاظ سے خواہ وہ کیسے ہی ہوں) محمود سمجھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور امتداد زمانہ سے رسم و رواج کا ساحر ان اثرات افعال کے نیک ہونے کو اور بھی انکے دلوں پر منقش کر دیتا ہے + سپاہیوں کے باشندوں اور قوم ہیلوٹ* میں جس قسم کو سلوک کو اخلاق حسنہ کا ایک بہت بڑا جزو سمجھا جاتا تھا۔ اور جس قسم کی اعلیٰ بادشاہ اور رعایا میں بعض ممالک میں ضروری خیال کھیجاتی ہے جس قدر جان نثاری عورتوں کو مردوں کے لئے کرنی فرض سمجھی جاتی ہے۔ یہ سب اس بات کی بڑی جید مثالیں ہیں کہ جہاں نوع انسان کا ایک طاقتور حصہ

فٹ نوٹ * یہ غلاموں کی ایک قوم کا نام ہے + مترجم

کسی کمزور فریق پر مدت تک قابض رہا ہے وہاں کمزور کو کس کس قسم کی افعال اپنے ضعیف ہونے کے باعث کرنے پڑے ہیں * اور اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ اُس طاقتور حصہ کے لوگوں میں بھی اُنکے حکم اور خود غرضی کی وجہ سے عجیب انقلاب واقع ہو گیا ہے۔ اُنکے اخلاقی عادات و جذبات پر سکا بہت اثر ہوا ہے جس کا ظہور اُنکے باہمی سلوک میں صاف نظر آتا ہے * اگر کسی جماعت کا رعب جو اُسے گزشتہ زمانہ میں حاصل تھا جاتا رہا۔ یا اگر کسی حصہ قوم کے طاقتور ہونے سے اُس قوم کے اکثر لوگ ناخوش رہیں۔ تو افعال کے نیک و بد قرار دینے میں اس ناراضگی کا بہت کچھ اثر ہوا * جن باتوں کو لوگ حاکمان وقت کی نظر میں یا اپنے دیوتاؤں کی رائے میں پسندیدہ یا مکروہ خیال کرتے تھے انکا اثر بھی لوگوں کی ممنوعات و فرائض پر جن کی پابندی قانونی سزاؤں کے ذریعہ سی یا راسے جہور کو وسیلہ سہ کرائی جاتی تھی بہت کچھ ہوتا تھا۔ اس انتہا وجہ کی اطاعت کی بنا اگرچہ خود غرضی پر تھی (یعنی اس واسطے کہ حاکمان وقت یا اُنکے دیوتاؤں سے خوش رہیں) مگر بعد میں لوگ صدقِ دل سے افعال محمودہ کو شایق اور افعال مذمومہ سے متفرق تھے۔ ممنوعات سے لوگوں کو گراہت دہی یہاں تک تھی کہ زمانہ سلف میں مخالفین مذہب اور جادو گردوں کو زندہ جلا دیتے تھے * جو امور سوسائٹی کے مضربِ مفید ہیں انکا بھی ممنوعات و فرائض پر بہت کچھ اثر ہو۔ مگر حسدِ بلی یہی

کہ جو افعال محمود و مذموم قرار پاتے تھے انکی نسبت لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ
انکا کرنا نہ کرنا اسلئے فرض ہو کہ یہ سوسائٹی کے لئے مفید یا مفید نہیں بلکہ
بے سوچ سمجھے لوگ ان مفید یا نقصان مند باتوں کو خاص بواعث سے پسند
یا ناپسند کرتے تھے۔ اور اگرچہ اسی طرح بے سوچ سمجھے بعض باتوں کو خاص وجوہات سے
پسند کرنا اور بعض سے نفرت کرنا سوسائٹی کے لئے مفید نہیں لیکن لوگوں کا
یہ خیال تھا کہ انسانی مقاصد کے حصول کا یہی بہترین طریقہ ہے *

پس بہت بڑا اصول جسکے لحاظ سے وہ تمام قوانین جنکی پابندی
قانونی سزاؤں یا رائے جمہور کے مخالف ہو کرائی جاتی ہو بنے ہوئے ہیں۔
یہ ہے کہ سوسائٹی یا کوئی طاقتور حصہ سوسائٹی کا جن باتوں کو پسند کرے
اُن پر عمل کرنا اور جن باتوں کو ناپسند کرے اُن پر عمل کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے
جو اشخاص عام لوگوں کی نسبت کچھ بڑھ کر خوض فکر کرنے والے گذرے
ہیں انہوں نے ان تمام معاملات کے اصول پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔
اگرچہ فروعیات کو وہ بہت کچھ مخالف رہے۔ انہوں نے اپنی توجہ اس بات
کی تحقیقات پر ہی صرف کی کہ کونسی باتیں سوسائٹی کو پسند کرنی چاہئیں
اور کونسی ناپسند۔ مگر اس بات پر کسی نے اعتراض نہ کیا کہ آیا جن باتوں کو
سوسائٹی پسند یا ناپسند کرے اُن پر عمل کرنے یا اُن سے مجتنب رکھنے کے
واسطے ہر ایک شخص کو خواہ بذریعہ قانون خواہ بذریعہ رائے جمہور مجبور کیا جاسکے

سچے نہیں + جن امور میں اُنکا اور سوسائٹی کے رائے میں اختلاف تھا
 ان میں سوسائٹی کی رائے کو بدلنے کی کوشش کی۔ مگر عام مخالفین کے
 لئے آزادی حاصل کرنے کی بالکل سعی نہ کی + مذہبی معاملات میں البتہ
 کسی شخص نے سوسائٹی کے ان اختیارات پر نظر اصول اپنی رائے ظاہر
 کی ہو اور اُس کو خوش اسلوبی کو تسلیم کیا ہو + یہ ایک ایسی بات ہے جس
 سے ہم بہت سبق لے سکتے ہیں۔ خصوصاً یہ کہ مدرکہ اخلاقی (کانشنس)
 ایک ایسی طاقت نہیں ہے جو ہم کو ہمیشہ صحیح رائے دے اور وہ بات پر عمل
 کرنے کی ہدایت کرے۔ کیونکہ ایسے شخصوں کا تعصب جو مذہبی قیود کو نہایت
 پابند ہیں اور انکی دلی نفرت دوسرے مذہب والوں کی نسبت اکثر انکو
 اخلاقی اصولوں کی ہدایت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو لوگ یونیورسٹی کے چارج کی اہلیت
 سے ابتداء میں منحرف ہوئے اُنکو خود اپنے پیر و ان مذہب کا مخالف رہنے
 اتنا ہی ناگوار تھا جتنا یونیورسٹی کے چارج والوں کو جب فریقین میں تنازعہ کا
 جوش نہ ہوا۔ اور طرفین میں سے کسی کو بھی فتح نصیب نہ ہوئی۔ تو سب
 اسکے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مسائل کی صحت کا قائل کرتا دونوں
 اسی پر شاکر رہے کہ ہم میں خود ہی ان مسائل کی نسبت اتفاق بنا ہوا
 جاری ہو رہی ان مسائل کی صحت کا شبہ نہ کرنے لگیں + مگر پیر و ان میں
 سو ہی مختلف رائے والوں نے جب دیکھا کہ یہ ممکن نہیں کہ ہمارے مخالفین

سب کے سب ہمارے موافقین بن جائیں اور نیز یہ کہ ہمارے مخالفین بہت
ہیں اور کبھی ہماری رائے والے کثرت نہ پائیں گے تو انہوں نے اختلاف رائے
کی اجازت حاصل کرنے پر زور دیا۔ غرضیکہ لوگوں نے صرف مذہبی معاملات
میں ہی سوسائٹی کے برخلاف رائے ظاہر کرنے کے حقوق کے اصولوں پر نظر کی نگاہ
اور سوسائٹی کے اُن اختیارات پر جن کے ذریعہ سیدہ مخالفین کی رائے کو جبراً
بدلنے کا فتویٰ دیکھتی ہے۔ بہت کچھ اعتراض کیا ہے۔ جو لوگ آجکل کی
مذہبی آزادی کا سبب تھے۔ انہوں نے مدرکہ اخلاقی (کاشنس) کی آزادی
کو ایک مسلم حق انسانی قرار دیا ہے اور وہ بالکل نہیں مانتے کہ کوئی شخص اپنے
مذہبی عقاید کا دوسروں کے آگے جوابدہ ہو سکتا ہے۔ مگر جن مسائل کو لوگ دل
مانتے ہیں اور جنکو وہ ضروری سمجھتے ہیں اُن مسائل کے مخالفین سے کراہت ایک
طبعی امر ہے اور اسی سبب سے (اُن مقامات کو مستثنیٰ سمجھ کر جہاں لوگ مذہبی
معاملات کی پرواہ نہیں کرتے یا مخالفین مذہب کے اعتراضات کا جواب دینا
اور مذہبی تنازعوں سے امن و چین میں خلل ڈالنا ناپسند کرتے ہیں۔ اور
ساتھ ہی اسکے مذہبی آزادی کو بھی کیس قدر واجب سمجھتے ہیں) مذہبی آزادی یورپی
طرح کسی جگہ بھی عمل میں نہیں آتی۔ اُن ممالک میں بھی جہاں مخالفین مذہب کو
بہت کچھ آزادی حاصل ہے۔ مذہبی اعتقادات پر صدق دل سے قائم رہنے والے
اِس آزادی کو چند شرائط کے ساتھ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ کوئی تو چرچ کو قوانین میں

مخالفت گوارا کرتا ہو۔ مگر مذہبی مسائل میں مخالفت کو پسند نہیں کرتا۔ اور کوئی یہ امر گوارا کرتا ہو کہ ہر ایک شخص خواہ کچھ ہی ہو مگر پیسٹ یا یونیٹڈ این نہ ہو۔ اور کسی کی یہ رائے ہو کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی الہامی مذہب کا پیرو ہونا چاہیے۔ اور بعض یہاں تک ہربانی کرتے ہیں کہ جزویات پر کسی کی خواہ کچھ ہی رائے ہو۔ مگر ہر ایک کو واجب الوجود کی ہستی کا قائل ہونا چاہیے۔ اور اس بات کو ضرور ماننا چاہیے کہ اس زندگی کے بعد کوئی روحانی زندگی بھی ہو۔ مگر جس جگہ حصہ کشی کسی قوم کا کسی رائے کی صحت پر حق الیقین رکھتا ہو اور اپنی رائے پر بڑے جوش کو ساتھ قائم ہے وہاں وہ حصہ اپنے اختیارات کو برائے نام ہی کم کرتا ہے۔

انگلستان میں بعض خاص تواریخی حالات کو سبب سے لے جمہور کے اختیارات بمقابلہ قانونی اختیارات کے دیگر ممالک یورپ کی بہ نسبت زیادہ ترویج ہوئے ہیں۔ اور اگر واضعاً قانون کوئی ایسا قانون بنائیں یا عہدہ داران ملک کوئی ایسا فعل کریں جن سے لوگوں کی شخصی آزادی میں خلل واقع ہو۔ تو یہ بہت ناگوار ہوتا ہو۔ اس وجہ سے نہیں کہ شخصی آزادی کا بہت کچھ لحاظ ہو۔ بلکہ اس سبب سے کہ لوگ ابھی تک گورنمنٹ کی اغراض کو پبلک کو فوائد سے متناقص سمجھتے ہیں۔ قوم کو حصہ کشی کا ابھی تک یہ خیال نہیں ہے کہ گورنمنٹ کا

فٹ نوٹ * مذہب رومن کیتھولک کے پیروں کو پیسٹ کہتے ہیں + مترجم

فٹ نوٹ + ایک فرقہ عیسائیوں کا جو سلسلہ تثلیث کو نہیں مانتا۔ اور خدا کی توحید کا قائل ہے۔ مترجم

طاقتور ہونا گویا انہیں کا طاقتور ہونا ہے۔ اور گورنمنٹ کی رائے گویا انہیں کی رائے ہے۔ جب انکا یہ خیال ہوگا تب شخصی آزادی گورنمنٹ کے ہاتھوں سے ویسا ہی زوال پائیگی جیسا کہ اب رائے جہور کے ہاتھوں سے پاتی ہے۔ اب تک لوگوں کی طبیعتیں ایسی ہیں کہ اگر قانون لوگوں کے شخصی معاملات میں ایسی دست اندازی کرے جو پہلے کبھی انہیں ہوئی۔ تو وہ اس بات کو نہ سوچیں گے کہ آیا قانون کی مداخلت ان معاملات میں واجب ہے یا نا واجب بلکہ خواہ مخواہ برنگھینے ہو جائینگے۔ چنانچہ اسی خاصہ طبیعت کی وجہ سے جسکو فی الجملہ ہم مفید ہی قرار دیکھتے ہیں لوگوں نے جتنے موقوفوں پر سجادہ اخلت کی مخالفت کی اتنی ہی موقوفوں پر سجادہ اخلت سے ہی ناراضگی ظاہر کی ہے۔ اصل میں کوئی عام اصول مسلم ایسا نہیں ہے جسکے ذریعہ سے گورنمنٹ کی مداخلت کو بجا یا سجا ہونے کے لحاظ سے واجب و نا واجب قرار دیا جائے۔ لوگ اپنے دل کی خواہشوں کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ جب دیکھتے ہیں کہ کوئی مفید تجویز عمل میں لانی ہے یا کسی نقص کو رفع کرنا ہے تو گورنمنٹ ہی سے اسکا ذمہ اٹھانے کو ملتی ہوتے ہیں۔ اور بعض اشخاص جب دیکھتے ہیں کہ کوئی نقص سوسائٹی میں پھیل رہا ہے تو اس نقص کا قایم رہنا گوارا کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ اگر اس نقص کے رفع کرنے میں گورنمنٹ کی مداخلت سجا یا سچ تو ہم برخلاف اپنی عادت اور طبائع کے گورنمنٹ کی مداخلت کو برداشت کریں۔ اور جو رنج اپنی پرانی

عادات کے خلاف عمل کرنے سے ہو اُس کو سہین + غرض کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو اُس میں لوگ اپنے اپنے دل کی خواہشوں کے مطابق گورنمنٹ کی مداخلت کو بجایا بھی سمجھتے ہیں۔ یا اس امر کا خیال کر لیتے ہیں کہ جس بات میں گورنمنٹ مداخلت کرنا چاہتی ہے وہ ہمارے مطالب و اغراض سے کہہ مقدّر علاقہ رکھتی ہے۔ یا اس امر کا لحاظ رکھتے ہیں کہ گورنمنٹ اُس بات کا فیصلہ ہماری رائے کو مطابق یا ہماری خواہشوں کے بموجب کرے گی یا نہیں لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ آیا وہ معاملہ ایسا ہی یا نہیں۔ جس میں گورنمنٹ کو مداخلت کرنی چاہئے + معلوم ہوتا ہے کہ ایک اصول مقررہ کے نہ ہو نیکی کا جسے موقوف پر گورنمنٹ سے ایسے معاملات میں مداخلت کرنے کی آرزو کیجاتی ہے جن میں اس کو ہرگز دخل نہیں دینا چاہئے۔ اُتنے ہی موقوف پر گورنمنٹ کا ایسی باتوں میں دخل دینا جن میں اُسے دخل دینا چاہئے بُرا سمجھا جاتا ہے +

اس کتاب میں ہم ایک بدیہی اصول قرار دیا چاہتے ہیں جس پر اُن تمام اختیارات کی بنیاد جو سوسائٹی کو افراد پر من خیت الجماعت حاصل ہونی چاہئیں رکھینگے۔ وہ اختیارات خواہ کسی فعل پر مجبور کر نیکی ہوں اور خواہ کسی فعل سے باز رکھنے کو۔ اور اُن کے عمل میں لانے کا ذریعہ خواہ قانونی سزا میں دیکھا جائے خواہ رائے جمہور کا مخالف + وہ اصول یہ ہے کہ بنی نوع انسان

من حیث انما یستلزم من حیث انما یستلزم کسی کی آواز فی فعل پر صرف اپنی مثال
 آواز فی فعل کو قائم رکھنے کے لئے دست اندازی کر سکتا ہے + یعنی جب کوئی شخص
 ہماری آواز فی فعل پس جس سے غل ہو یا چاہتا ہو تو ہم اسکی زیادتی فعل کو
 اسی حد تک روک سکتے ہیں تاہم تک کہ اس آواز پر ہماری آواز کی نقصان
 ہوتا ہو + ہم کسی مہذب و سائنسی کے ممبر کو کسی فعل کے کرنے یا کسی کام سے روکنا
 پر خلاف اس کی مرضی کے صرف اسی حالت میں مجبور کر سکتے ہیں جب ہمارا
 یہ عاہدہ ہو کہ اسے دوسروں کو ضرر پہنچانے سے باز رکھیں + اسکی بھلائی کیلئے
 ہم اسکو مجبور کر سکتے ہیں + اگر کسی کو فعل یا ترک فعل پر اس دلیل سے
 مجبور کریں کہ اس میں اسکا اپنا فائدہ ہو گا یا ایسا کہ اسے لوگ اسے دانا سمجھیں گے
 تو یہ قرین انصاف نہیں + یہ باتیں خاص اسکی ذاتی بہبودی سے علاوہ کھتی
 ہیں - ان پر عمل کر نیکی کے لئے ہم صرف اسے قہراً ہی کر سکتے ہیں - یا دلائل کو رو
 سے اسے نواید ثابت کر سکتے ہیں - مگر یہ واجب نہیں کہ اسے مجبور کریں + یا
 اگر وہ خلاف ہمارے کہنے کے عمل کرے تو اسے کسی طرح کا ضرر پہنچا میں + بلکہ
 اسے مجبور صرف اسی حالت میں کرنا چاہئے جس حالت میں دوسرے کو نقصان
 پہنچنے کا ڈر ہو + سوسائٹی کے آگے ایک شخص صرف اسی فعل کا جوابدہ ہو گا
 ہو جسکا اثر اس کے سوا دوسروں پر بھی پڑتا ہو + جو باتیں صرف اسی کے متعلق
 ہیں ان میں سوسائٹی کچھ پیش نہیں کر سکتی اور ان میں وہ مطلق العنان ہو

اپنے جسم و عقل پر ایک شخص کو کامل خستہ یا رہو۔

شاید اس امر کے بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ اس مسئلہ کا اطلاق نوع انسان پر صرف اُسی حالت میں درست ہے۔ جب انکو قوائے عقلی جسمانی پوری پورے بشگفتہ ہو جائیں + بچوں کا یا اُن لوگوں کا ذکر نہیں جو بالوغت مروجہ کے روبرو بالغ نہیں کہلا سکتے + جو لوگ ایسی حالت میں ہوں کہ دوسروں کی نگرانی اُن پر ضروری ہو۔ انہیں خود اپنے افعال کے نقصانات سے بچنا و سیاہی ضروری ہو جیسا کہ دوسروں کے ضروری + علیٰ ہذا القیاس ہم اُن غیر مذہب قوموں کا بھی ذکر نہیں کرتے جنکو بحالت مجموعی گویا نابالغ سمجھنا چاہئے + حالت ابتدائی میں اتنی مشکلات انسانی ترقی کی مانع ہونے ہیں کہ اُن مشکلات پر غالب آؤ کیلئے کوئی خاص تدبیر تیار نہیں کی جاسکتی + مختلف موقعوں پر مختلف تدابیر عمل میں لانی پڑتی ہیں۔ اور چونکہ اُن موقعوں کی پیش بینی نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اگر حاکم کے اختیارات محدود ہوں تو وہ ہر ایک تدبیر عمل میں نہ لاسکے + پس فرمانِ روا کی طبیعت میں رعایا کی ترقی کا جوش بہا ہوا اُسے اختیار ہونا چاہئے کہ وہ جس تجویز کو ایسے مدعا کے حصول کے لئے ضروری سمجھے۔ جس کا حاصل ہونا کسی اور طرح ممکن نہ ہو۔ اُسے وہ عمل میں لائے + وحشیوں کو ملک میں تو حکومت شخصی کا ہونا بہت اچھا ہے۔ بشرطیکہ رعایا کی ترقی حاکم کا اصل مقصد ہو اور جو تدابیر وہ عمل میں لائے وہ بھی ایسی ہوں جو اُس کے مقصد کو حاصل کرنے کا

عمدہ زیریہ ہون + جب تک کہ نفع انسان اس قابل نہ ہوں کہ بحث و مشابہ
سے یا خیالات کے آزاد نہ طور پر ظاہر ہونے سے ترقی کر سکیں تب تک
آزادی کے کچھ معنی ہی نہیں + اس وقت تک انکو یہی چاہئے کہ اگر خوشامی
سے کوئی بادشاہ اکبر یا شاہ کلین سامراجتے تو اسکی اطاعت آنکھیں بند کر کے
کئے جائیں + مگر جب انسانی ترقی یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ اپنی آئندہ
ترقی کی مختلف تجاویز کو سمجھ سکیں - اور اپنے عمل کر نیکے قابل ہوں - یا اس
لایقی ہوں کہ صرف ہدایت سے ہی اپنے نیک و بد کو سمجھ جائیں - تو اس حالت میں
لوگوں کو ان باتوں کے لئے جو انکی ذاتی بہبودی کے لئے مفید ہیں - صاف
طور پر مجبور کر دیا یا اس طرح سے مجبور کرنا کہ بحالت عدم تعمیل انکو سزا دی جائے
و جب نہیں + اور ایسا کرنا صرف دوسروں کی حفاظت کی غرض سے ہی مناسب
یہ بیان کرنا واجب ہو کہ میں اپنے دلائل کو محض خیالی حقوق کا فائدہ
نہیں دینا چاہتا - میری دلیل کا مدار صرف اسی امر پر نہیں کہ کسی شخص کو
دوسرے کی آزادی میں خلل انداز ہونے کا حق حاصل نہیں بلکہ میں یہ ثابت کرنا
چاہتا ہوں کہ اس دخل اندازی سے مقاصد انسانی کو صد عظیم پہنچتا ہو + تمام افعال کی

فٹ نوٹ * یہ بادشاہ ۱۷۷۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۸۷ء میں مر گیا اس نے بہت سے
ملکوں کو فتح کیا اور ۱۷۷۷ء میں روم کے پوپ سے آگسٹس کا خطاب پایا - اسکی سلطنت بحیرہ
شمالی سے میکسیکو تک اور ملک چین کو لیکر دانوریا اور ترک جو برتیا میں واقع ہر پھیلی تھی
اسنے بہت سے عمدہ قوانین بنائے اور علوم و فنون کو بہت ترقی دی + مترجم

پنہا انسانى مقاصد كے حصول يا سود مندى پر پھونى چاہئے۔ مگر قبل ازان كہ تم
 كسى كام كو ان مقاصد كو لحاظ سے مفيد يا مضر قرار دين ہو كو خيال كر لينا چاہئے
 كہ چونكہ انسان ايك ترقى كر نيو الا حيوان ہوا انسانى مقاصد بہت وسيع ميں آتے
 انسانى مقاصد ميں اسكا ترقى كرنا ہي ايك بہت بڑا مقصد ہوا۔ ان مقاصد
 كے لحاظ سے سيرى رائے ميں كسى فرد بشر كى شخصى آزادى كو صرف ان افعال
 كے كرنے سے روكنا چاہئے جس كا علاقہ دوسروں سے ہو۔ يعنى جو نتائج
 ايسے نتائج كو ہوں جنكا اثر دوسرے كى آزادى پر ہو۔ اگر كوئى شخص دوسرے
 كو كسى قسم كا ضرر پہنچائو تو ظاہر ہے كہ وہ قانونى سزا كا مورد بنے گا۔ اور
 جن حالات ميں قانونى سزا كا ذريعہ عمل ميں نہ آسكے۔ سوسائٹى كا اس سے
 نفرت كرنا اسكے لئے كافى سزا ہوگى۔ انكے علاوہ اور بہت كام دوسروں كے
 فائدہ كے ميں جيكے كرنے پر سوسائٹى ہر ايك شخص كو مجبور كر سكتى ہي۔ مثلاً عدالت
 ميں گواہى دينا يا ايسے كاموں ميں مدد دينا جو عام لوگوں كے بچاؤ كے واسطے
 كئے جاتے ميں۔ يا جنكا كرنا سوسائٹى كے لئے جسكے وہ زير سايہ رتہا ہوا نہايت مفيد
 ہو۔ يا ايسے كام جنكا كرنا اسى كى كمال مہربانى اور رحم پر منحصر ہو۔ مثلاً كسى شخص
 كى جان بچا دينا يا كسى غريب اور درماندہ كو كسى ظالم كے ضرر سے بچانا۔ يہ
 ايسى بات ميں ہيں كہ جب انكا كرنا ہر ايك شخص كا فرض ہي تو انكے نہ كرنكے واسطے
 ہر ايك شخص سوسائٹى كا جوابدہ ہو سكتا ہے۔ ايك شخص دوسرے كو فعل او

ترک فعل و وزن کے ذریعہ سے ضرر پہنچا سکتا ہے۔ اور دونوں صورتوں میں وہ سوسائٹی کے آگے ضرر رسانی کا جواب دہ ہوگا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ حالت موخرۃ الذکر میں سوسائٹی کو سوچ سمجھکے جبر عمل میں لانا چاہئے کیونکہ اگر کوئی شخص دوسروں کو نقصان پہنچائے تو اس کا جواب دہ ہونا ایک قاعدہ مسلم ہے۔ لیکن اگر کوئی صرف دوسروں کو نقصان یا ضرر پہنچانے کی کوشش نہ کرے تو اس سے پریشانی کرنی اس قاعدہ کلیہ کو مقابلہ میں بمنزلہ مستثنیٰ کے ہوگا۔ تاہم بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ان استثنیات میں ہی شمار کی جاتی ہیں۔ اور جن میں سوسائٹی کی طرف سے جبر عمل میں لانا نہایت مناسب خیال کیا جاسکتا ہوگا۔ معمولی برتاؤ میں اگر ہمارے کسی فعل کا اثر ذرہ بھی کسی دوسرے شخص پر پڑتا ہو تو ہم عدالت میں اس کے آگے اوڑھنا نہ چاہتے۔ بحالت ضرورت سوسائٹی کو آگے ہی جواب دہ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سوسائٹی دونوں کی محافظ ہوگی۔ ایسی وجوہات بھی ہو سکتی ہیں جنکے باعث سوسائٹی کو جواب دہ ہونے سے معذور رکھیں مگر وہ وجوہات خاص خاص حالات میں ہی پیدا ہوتی ہیں اور انکے بموجب کسی فعل کی سوسائٹی کی طرف سے پریشانی نہ ہونی مصلحت وقت خیال کی جاتی ہوگی۔ یا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس خاص فعل کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ ہر ایک شخص کے عقل و فکر پر چھوڑ دینا بہ نسبت اس کے کہ ہر ایک کو سوسائٹی کی طرف سے مجبور کیا جائے۔ یا یہ دلیل ہو سکتی ہوگی کہ اگر

سوسائٹی اپنا دخل دینے کی کوشش کرے اور مجبور کرنا چاہے تو بعض ایسے اثبات یا
پیدا ہونے والے نقصانوں سے جتنا انفراد مقصود ہے۔ زیادہ ہونے پر جب ان
وجوہات سے ہم کسی شخص کو جوابدہ ہونے کے لئے مجبور نہ کر سکیں۔ تو اسی شخص کی
عقل و فکر و قوتِ تمیز پر سب کچھ چھوڑنا چاہئے۔ اور اُس شخص کو لازم ہے کہ جس حالت
میں اُس پر کسی قسم کا جبر نہیں اور وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں تو دوسروں کو مطالبہ
اور اغراض کا اور بھی زیادہ لحاظ رکھے۔ مگر ایسے فعل بھی ہیں جن کا اثر سوسائٹی کے
مطالبہ اغراض پر اگر کچھ ہوتا ہے تو بالواسطہ ہوتا ہے۔ ان میں وہ سب کام شامل
ہیں جو ہر چند فاعل فعل سے ہی متعلق ہوں اور جن کو کرنیوالا کو ذاتی ہیڈوسی یا ذاتی
مطالبہ کے لحاظ سے ہی کرتا ہے مگر ان کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ اگرچہ اس اثر
سے بچانے کے اختیار میں ہے۔ ہر ایک کام جس کے نتائج خواہ کتنے ہی کسی شخص کی
ذاتِ واحد سے علاقہ رکھتے ہوں سوسائٹی پر بھی کچھ نہ کچھ اثر پیدا کرتا ہے۔ او
اس لئے یہہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سوسائٹی کو ہر ایک فعل کے روکنے کا اختیار ہے۔
اس کا جواب بعد میں دیا جائیگا۔ پس انسانی آزادی کی حد مناسب یہی ہے۔
کہ دوسروں کی آزادی میں خلل نہ آئے اور اس میں تین باتیں شامل ہیں +
اول آزادی کے لئے آزادی اس بات کی کہ ہر ایک شخص کو کسی علمی یا مذہبی
عقلی یا اخلاقی مسئلہ یا کسی روزمرہ کے کارآمد مسئلہ پر ہر طرح کی رائے رکھنے کا
اختیار ہے۔ + اظہارِ رائے کی آزادی اگرچہ کسی اور اصول کے متعلق ہے۔ کیونکہ

خیالات کا ظاہر کرنا ایک ایسا فعل ہے جس کے نتائج دوسرن تک بھی پہنچتے
 ہیں۔ مگر چونکہ یہ بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسے آزادی خیالات کی۔ اور
 جن جومات سے آزادی رائی کا ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انہیں دلائل
 سے آزادی اظہار رائے کا مقید ہونا بھی پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اسلئے اُن
 دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں سمجھ سکتے۔ **دویم** آزادی اس بات
 کی کہ ہر ایک شخص جس شغل میں چاہے اپنی عمر بسر کرے۔ اور حصول مشیت کے
 واسطے یا کسی اور غرض کے لئے جو نسا پیشہ چاہے اختیار کرے۔ اور اپنا چال چلن
 اور وضع جس طرح کی چاہے رکھ جو نسا شغل اپنی طبیعت کو موافق سمجھے اُس میں اپنی
 اوقات گذاری۔ شرط صرف یہ ہے کہ دوسرے کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے۔
 چاہے لوگ اُس کو بیوقوف خیال کریں یا اُس کے اعمال کو بدتہ اردین + سیوم
 اس شخص کی آزادی سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جن کاموں کی فرد افراد ہر ایک
 کو آزادی حاصل ہے اُن کاموں کے لئے ہر ایک گروہ حالت مجموعی میں بھی آزادی
 رکھتا ہے۔ یعنی اس بات کی کچھ روک ٹوک نہ ہونی چاہئے کہ جس فعل کے کر نیے
 دوسرے کو ایذا نہ پہنچے اُس کے انجام دہی کیلئے چند اشخاص باہم اتفاق کر لیں۔ اس
 امر کا لحاظ ضروری ہے کہ جو لوگ شامل ہوں وہ بالغ ہوں یا جبر و فریب کے ساتھ شامل
 نہ کئے جائیں +

جس سوسائٹی میں اس طرح کی آزادی کا کچھ بھی لحاظ نہیں رکھا جاتا وہ آزادی

ہنہیں ہر اور جس سوسائٹی میں اس طرح کی آزادی بلا قید و شرط نہ پائی جائے وہ سائٹی
 کبھی پوری آزاد نہیں کہلا سکتی + آزادی اسکو کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص اپنی پہلی
 کیلئے جو چاہے سو کرے بشرطیکہ دوسروں کا کچھ نقصان نہ کرے یا دوسروں کی پہلانی
 میں مزاحم نہ ہو + ہر ایک اپنے جسم و عقل کو جس طرح چاہے اعتدال پر رکھو + اگر ہر ایک
 کو بجائے اسکے کہ جس طرح سوٹی چاہے عمر بسر کر نیکی کی محبو کیا جائے - اس بات کی اجازت
 دی جائے کہ جس طرح وہ چاہے اپنی اوقات بسر کرے تو نوع انسان کیلئے نہایت مفید ہو +
 اگرچہ اس مسئلہ کو کسی صورت میں نیا نہیں کہہ سکتے - اور بعض لوگ اسکو
 مسلم الثبوت بھی خیال کرتے ہیں - مگر حقیقت تو یہ ہے کہ آج کل لوگوں کا عمل اور میلان
 طبع اسکے بالکل برخلاف ہے + جو معیار سوسائٹی نے اعلیٰ درجہ کی سوشل ترقی کا رکھا
 ہے - اسکے بموجب عمل کر نیکی تو مجبو کرتی ہے - مگر جو معیار افراد کی ذاتی خوبیوں کا قرار
 دیا ہے اسکے مطابق عمل کرانے کی کوشش بھی کرتی رہی ہے + پرانے زمانہ کی
 سلطنتوں میں اس رواج کو بہت مناسب سمجھتے تھے اور پرانے زمانہ کو فلاسفہ ہی
 اسی رواج کی تائید میں تھے کہ ہر ایک شخص کا ذاتی چال چلن بھی گورنمنٹ کی ہدایت کے
 بموجب موضوع ہونا چاہئے - اور دلیل یہ یہ رکھتے تھے کہ ہر ایک کو تعلیم و تربیت دینا
 گورنمنٹ کا اعلیٰ مقصد ہے - یہہی خیال ہے کہ جسکا درست ہونا ہم صرف ان سلطنتوں کے
 بارہ میں تسلیم کر سکتے ہیں جو چاروں طرف دشمنوں سے گہری ہوتی تھیں - اور جنگی
 ہر وقت اس بات کا اندیشہ رہتا تھا کہ غنیم کا حملہ یا انکو اپنے ہی جھگڑوں کی ترقی کو مانع نہ ہو

یا اگر وہ ترقی کریں تو اس ترقی کے اثر کو ذیل نگرین اور اگر انکی ترقی نہ ہو
 آپر چھوڑی جائے تو وہ جائے + ایسے لوگ البتہ اس قسم کی آزادی و ترقی
 نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کوئی قوم آزاد ہو کر ترقی کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ کچھ عرصہ
 تک وہ آزادی سے متمتع رہے + ایسی قومیں بنکو دشمنوں کی دست اندازی بہت
 ڈر لگا رہتا تھا ایک عرصہ راز ملک امن میں نہیں رہتی تھیں۔ یہاں پہلے کسنا چاہئے کہ
 دشمنوں کو ہلوں سے مستعد نقصان اٹھو وقتاً فوقتاً اٹھانے پڑتے تھے۔ اس
 انکی تمام ترقی سکے۔ ان پر باد ہو جاتے تھے۔ اور انکو پیر سے سر سے پہنچ
 کی کتاب کا اسجد خوان ہونا پڑتا تھا۔ اور چونکہ اس درجہ تہذیب پر فائز ہونیکے
 لئے جسکو بعد وہ آزاد ہو کر ترقی کر سکتی تھیں ایک عرصہ درکار ہوتا تھا۔ اور وہ
 مدت ابھی گزری نہیں پاتی تھی کہ انکو پھر حالت اصلی پر باعث تقدیری دشمنان
 نازل کرنا پڑتا تھا۔ اسلئے گورنمنٹ ہی کو بذریعہ حکومت انکی شخصی تہذیب و تہذیب
 کی نگرانی کرنی مناسب ہوتی تھی + آجکل چونکہ پولیسکل عہداروں کو متعلق اور
 بہت سے کام سپرد ہوتے ہیں۔ اور نیز اس وجہ سے کہ دنیاوی اور مذہبی معاملات
 کی حکومت اب متحد نہیں رہی (یعنی جس فریق کو اب دنیاوی معاملات میں مداخلت
 کا اختیار حاصل ہو اسکو مذہبی معاملات میں کسی طرح کی مداخلت کرنا چاہئے نہیں)
 قانون کو ذریعہ لوگوں کو ذاتی معاملات میں چندان مداخلت نہیں ہوتی۔ اور
 لوگوں کا براہیلا کہنا ذاتی معاملات کی حسن و قبح کی سزا و جزا ہے مگر طریقہ ہے کہ

جو شخص ذاتی معاملات میں عام رائے کو برخلاف عمل کرتا ہو وہ ہر طرح سے موقوف و
تشنیع ہوتا ہے۔ اور جو سوشل معاملات میں کثرت رائے سے انحراف کرتا ہو اسکو اتنی
لعن و طعن نہیں ہوتی۔ آج کل کے بعض مُصلِحان قوم جو پرانے مذہب کو بہت
مخالف ہیں۔ مذہبی حکومت کے تقرر کو بہت مناسب اور وجہ خیال کرتے ہیں
اور اپنے دعوے کو بیان میں دوسرے چچ کو لوگوں اور زمانہ سلف کے فرقوں سے
کچھ کم جوش ظاہر نہیں کرتے۔ خصوصاً مائٹنگنٹ اپنی کتاب میں یہی رائے ظاہر
کرتے ہیں کہ سوسائٹی کو سن جمیٹ الجماعت افراد پر بہت وسیع اختیارات ہونے
چاہئیں۔ یہاں تک کہ پرانے زمانہ کے پرلے درجہ کے اطاعت پسند اور قواعد
کی پابندی چاہنے والے فلاسفر بھی سوسائٹی کے اختیارات کو اتنی وسعت
دینا پسند نہیں کرتے تھے جتنی کہ انہوں نے مناسب سمجھی ہو۔

اگر ہم بعض عقلمند و نکی ذاتی رایوں سے قطع نظر بھی کریں تو بھی ہم ساری دنیا
کے لوگوں کی رائے کا سیلان اسی بات کی طرف پاتے ہیں کہ سوسائٹی کو اختیار
کو جو اسے افراد پر حاصل ہیں حد مناسب بڑھ کر وسیع کرنا چاہیے۔ اور اس مقصد

فٹ نوٹ * یہ شہور فلاسفر ذرائع میں ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۸۳۳ء سے ۱۸۴۲ء تک یہ
ایک کتاب کی تصنیف میں جو چھ جلدوں میں چھپی تھی اور جس میں اس نے علم فلسفہ کو سیال زینی طرز سے بحث
کی تھی صرف رہا۔ بعد میں اس نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں اس نے سوسائٹی کو ایک نیا اصول پر قائم کرنے کی
کوشش کی۔ اردالہائی مذہب کے مجاہد ایک نیا مذہب جاری کرنا چاہا۔ اس مذہب میں اس نے نئے انسان کو بحیثیت
معبود قرار دیا ہے۔ اس فلاسفر کو چونڈیو سٹم وف فلاسفی کا موجد کہتے ہیں ۱۸۹۵ء میں مر گیا۔ مفت

کے حاصل کرنیکے لئے قانون سے مدد لینی اور اس خیال کو عام میں پھیلانا کہ سوسائٹی کے اختیارات وسیع ہونے چاہئیں ضروری ہے۔ چونکہ آجکل نوع انسان کی شل حالت میں اس قسم کی تبدیلی ہوتی جاتی ہے جس کا رجحان سوسائٹی کو من حیث اعمامت طاقتور اور من حیث الافراد ضعیف کر نکالے۔ اسلئے یہ دست اندازی جو سوسائٹی افراد کو حقوق پر کرتی ہے ان برائیوں میں سے نہیں ہے جو خود بخود کم ہو جانے والی ہیں۔ بلکہ یہ وہ نقص ہے جو روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حاکموں کا یا ممبران سوسائٹی کا دوسروں سے اپنے خیالات اور طبائع کی پیروی چاہنا انسان کے طبعی خواص کا نتیجہ ہے۔ جنہیں سے بعض تو اسکی شرافت کی دلیل ہیں اور بعض اسکی رذالت کی۔ اور اس طبعی آرزو کا پورا نہ ہونا تب ہی ممکن ہے جب اسکے پورا کرنے کے سامان نہ ہوں یعنی طاقت نہ ہو۔ مگر چونکہ طاقت گھٹتی نہیں ہے بلکہ بڑھتی جاتی ہے اسلئے جب تک اس آرزو کے ناو جب ہو سکا خیال لوگوں کے دلوں میں نہ پیدا کیا جائے۔ اور اس پر عمل کرنے کے نقصانات نہ بتائے جائیں۔ تب تک ہم اسے روز افزون ہی دیکھیں گے۔

اگر ہم سچائی اسکے کہ ایک دفعہ ہی اس مسئلہ پر عام طور کی بحث کریں اقل صرف اسکی ایک حصہ پر ہی اپنے خیالات محدود کریں تو استدلال میں سہولت ہوگی۔ اور یہ حصہ وہ ہوگا جس پر عمل کرنا بموجب ان اصولوں کے جو ہم نے پہلے بیان کئے ہیں کہ سنیقہ رو بہ سمجھا جاتا ہے۔ یعنی آزادی خیالات جس سے ہم خیالات کو ظاہر

کرنیکی آزادی کو (بذریعہ تقریر یا تحریر) علیحدہ نہیں سمجھ سکتے + اگرچہ یہ مسئلہ
 آزادی کو کسی حد تک ان تمام ممالک میں جن میں ذرا بھی مذہبی آزادی پائی جاتی
 ہے پولیٹیکل معاملات کی عمدہ بنائیکے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ مگر جو حیواناتِ علمی
 انکی تائید میں ہیں اُنسے عام لوگ نا آشنا ہیں۔ اور صاحبِ فکر بھی انکی اسی قدر
 نہیں کرتے جتنی کہ چاہیے + اُن دلائل کو اگر بخوبی سمجھ لیا جائے تو انکا اطلاق
 اس خاص حصہ آزادی کو علاوہ آزادی کے اوجھون پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اُن پر
 اچھی طرح سے غور کرنا باقی حصہ مضمون کو حل کر دیتا ہے + پس اگر زمین ہیکل سے
 مضمون پر جس پر تین صدیوں سے بحث ہوتی آئی ہے ایک دفعہ اور طبع آزمائی
 کروں تو مجھے امید ہے کہ وہ اصحاب جنگو یہ خیالات جو میں پیش کروں گا کچھ نئے
 معلوم نہ ہوں مجھے معاف فرمائیے +

فصل دوم۔ آزادی رائے و اظہار رائے

وہ وقت گزر گیا کجب آزادی پر پس کے بارہ میں جسے گورنمنٹ کو ظلم سے
 بچنے کا ایک عمدہ ذریعہ سمجھنا چاہئے کچھ کہنا ضروری ہوتا + اب واضعاً قانون یا
 عہدہ دارانِ ملک کو جنگی اغراض رعایا کی اغراض سے متحد نہیں اس امر سے باز رکھنے
 کیلئے کسی دلیل کی حاجت نہیں کہ وہ رعایا کو خاص قسم کی رائیون پر جنہیں اچھا
 سمجھتے ہوں عمل کرنے دین اور خاص قسم کو خیالات کو جنہیں وہ پسند کریں اُنکے

قانون سے گزرنے والے ہیں + علاوہ برین متقدمین نے اس مسئلہ پر نہایت خوبی کے ساتھ اکثر بحث کی ہے۔ اور اسلئے اسکا ذکر اس جگہ خصوصیت کے ساتھ کرنا کینفہ فضول ہے۔ اگرچہ قانون انگلستان پر اس کے بارہ میں ابھی تک یہی تنگ نظری جیسا کہ ٹیوڈن کی وقت میں تھا۔ مگر پولیٹیکل مباحثوں کا اسناد قانون شکل ہی سے کر سکتا ہے۔ الا اس حالت میں کہ جب وزیرانی سلطنت کو کسی بلوہ کے برپا ہونیکا ڈر ہو اور وہ حواس باختہ ہو کر ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگیں جن ممالک میں وضعان قانون و حاکمان ملک کا تقرر رعایا کی استرضاء سے کیا جائے۔ خواہ بعد میں اُنکے افعال کی پریش رعایا کی طرف سے کا حق ہو یا نہ ہو وہ انکے ہاتھوں سے اظہار رائے کی آزادی میں دست اندازی ہونیکا بہت کم ڈر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ حصہ کثیر رعایا کا ہی باقی کے حصہ پر ظلم نہ کرنا چاہے۔ اور ان وضعان قانون کو ہی اپنے ظالمانہ سلوک کو عمل میں لانے کا ذریعہ نہ بنائے + مگر بالفرض اگر گورنمنٹ رعایا کی رائے کے مطابق اور انکی استمزاج سے بھی اظہار رائے کی آزادی کو روکنا چاہے۔ تو میری رائے میں رعایا کو بھی اختیار حاصل نہیں ہے۔ خواہ اسکو وہ براہ راست عمل میں لانا چاہے اور خواہ گورنمنٹ کا وسیلہ ڈھونڈے + یہ اختیار ہی بیجا و ناوجہ ہے۔ جس گورنمنٹ کی بنیادہ فٹ نوٹ * یہ ایک خاندان کا نام ہے جو انگلستان میں فرمانروا تھا۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ ہنری ہفتم تھا اور اس خاندان کا تسلط ۱۵۰۸ء سے ۱۷۰۲ء تک رہا + مگر جبر

اصولوں پر ہوا سکے لہٰذا یہی اس اختیار کو عمل میں لانے سے ویسا ہی پرہیز و جب ہے جیسا کہ ان گونہ نقضوں کو جسکی بنا نہایت بد اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ رعایا سے چوہرے اور عوام سے استمراج کے بعد اس اختیار کو عمل میں لانا ویسا ہی بُرا ہی جیسا کہ حالت برعکس میں۔ بلکہ صورتِ اول میں زیادہ نقصانات کے پیدا ہونے کا ڈر ہے۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ اگر تمام نوع انسان کی باستثناء ایک شخص کی ایک خاص رائے ہو تو اُس شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ باقی تمام لوگوں کو اظہارِ خیالات سے روک دے۔ ویسے ہی باقی تمام لوگوں کو بھی یہ اختیار نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اُس ایک شخص کو اظہارِ خیالات سے روک دے۔ ان دونوں حالات میں فرق یہی ہے کہ بہت سے آدمی اگر چاہیں تو اُس ایک شخص پر ظلم کر سکتے ہیں مگر وہ ایک شخص اُن تمام پر ظلم نہیں کر سکتا۔ لیکن کسی فعل کے کر نیکی قابل ہونا اس فعل کے واجب ہونیکو ثابت نہیں کرتا۔ اگر ایک شخص کی رائے کو صرف اُس شخص کا ملک ہی قرار دیا جائے یعنی اُس پر قائم رہنے سے سوائے اس شخص کے اور کسی کو کچھ فائدہ نہ ہو۔ اور بحالتِ مجبوری اس رائے سے دستِ بردار ہونے میں صرف اُس شخص کا ذاتی نقصان ہی ہو تو یہی اسکو اپنی رائے سے محروم کرنا بہت ظلم ہے اور اگر یہ ظلم بہت سے آدمیوں پر کیا جائے تو اور بھی بڑا بہاری ہے۔ لیکن اظہارِ رائے کی آزادی کو روکنے کی بڑی خرابی تو یہی ہے کہ تمام نوع انسان کیا حال کے لوگ اور کیا آئندہ نسلوں کے نقصان اُٹھائی ہوں؟

اُس رائے کو مخالفین کو بہ نسبت معاونین کے اور بھی زیادہ نقصان پہنچتا ہے کیونکہ اگر وہ رائے صحیح ہے تو وہ اپنی غلطی کو رفع کرنے کا موقع ہاتھ سے کھوتے ہیں۔ اور اگر وہ رائے غلط ہے تو بھی اُنکا اتنا ہی نقصان ہوتا ہے جتنے جو یقین ایک صحیح مسئلہ کو غلط مسئلہ سے مقابل کرنے میں اُسکی صحت کا پیدا ہوتا ہے وہ کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

ان دونوں حالتوں کو جدا گانہ بیان کرنا ضروری ہے جنہیں سے ہر ایک کیلئے جدا گانہ دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ہم کبھی حق یقین اس بات کا نہیں ہوتا کہ جس مسئلہ کی ترویج یا جس رائے کا پھیلنا ہم روکا چاہتے ہیں وہ مسئلہ یا رائے غلط ہی ہے۔ اور اگر ہم کو یقین کامل بھی ہو تو بھی اُس مسئلہ کی ترویج کو روکنا بُرا ہے۔

اولاً جس رائے کی ترویج کا اسناد بذریعہ محکم ہو منظور ہے۔ ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو۔ جو لوگ اُسکا اسناد چاہتے ہیں وہ بیشک اُسکی صحت کو قائل نہیں مگر کیا وہ غلطی سے متاثر ہیں؟ اُنکو اس بات کا کچھ خمت یا نہیں کہ وہ تمام انسانوں کو اپنی رائے منظور کرانے پر مجبور کریں۔ اور دوسرے کو اپنی عقل کے استعمال سے باز رکھیں۔ ہمارا کسی کی رائے کو سننے سے انکار کرنا خیال ہے کہ ہم کو اُسکی رائے کے غلط ہونیکا یقین ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ ہم کو اپنی رائے کی صحت کا حق یقین ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کو روکنا گویا

اپنے آپ کو غلطی سے مُنترہ سمجھتا ہے۔ اس آزادی کو روکنے کے خلاف
یہی دلیل کافی ہے۔ اور اگرچہ یہ ایک عام دلیل ہے مگر عام ہونے کی وجہ سے
اسکی وقعت کچھ کم نہیں ہے۔

غلطی سے انسان کو کتنا مُنترہ نہ ہونا یوں تو سب مانتے ہیں۔ مگر اس خیال کا اثر لوگوں
کے افعال پر بہت کم ہوتا ہے۔ گو یہ فقرہ کہ الانسان مرکب من الشهوة والنسیا
ہر کہ وہ کہ زبان زد ہے۔ تاہم ایسے بہت کم ہیں جو ہمیشہ پر اس خاصہ سے
بچنے کی ہمت یا ط کریں۔ اور اگر انکو کسی رائے کی صحت کا یقین ہو تو انکو یہ خیال
بھی پیدا ہو کہ شاید وہ اپنے خاصہ کی وجہ سے اُس رائے میں غلطی کرتے ہیں۔
جو بادشاہ مطلق العنان ہیں یا جن لوگوں کے پاس ست بچے بہت سے ہوں۔
ہیں۔ انکو تو عموماً ہر ایک معاملہ میں اپنی رائے کی صحت کا حق الیقین ہو جاتا ہے۔
مگر جوان سے زیادہ خوش قسمت ہیں اور جنہیں اپنی رائے پر اعتراض نہ ہوتا ہے۔
اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ جن رائے میں اپنے ساتھ بیوں کو
یا اپنے بزرگوں کو متفق پاتے ہیں ان رائے کی صحت کا یقین کامل رکھتے ہیں۔
کیونکہ جہت سے ایک شخص کو اپنی قوت استدلال کے ضعف کا خیال ہوتا ہے سُنقیہ
وہ دوسروں کی رائے کو بلا سوچے سمجھے صحیح خیال کرتا ہے۔ دوسروں سے
عموماً ان لوگوں کی مراد ہے جنکے ساتھ نشست و برخاست کا اس کو موقع ملتا
ہے۔ یعنی جو اسکی پارٹی سوسائٹی یا مذہب میں ہیں۔ لیکن جو شخص اپنے

ملک یا اپنے زمانہ کو تمام لوگوں کی رائے کا لحاظ رکھتا ہو اسے تو نسبتاً بڑا آدمی اور وسیع خیال کہنا چاہئے۔ مسبق الذکر اشخاص کا یقین اس خیال سے کچھ کم نہیں ہوتا کہ مختلف فریق کو لوگوں یا دوسرے مذاہب کے پیروں یا غیر کے باشندوں یا گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی بالکل مخالف رائے تھی۔ اور اب بھی ہے۔ وہ اپنی سوسائٹی کے لوگوں کو صحت رائے کیلئے اپنے مخالفین کے روبرو جواب دہ سمجھتے ہیں۔ اور انہیں یہ نہیں سوچتا کہ محض اتفاق سے ہی وہ ایک خاص مذہب کے پیرو یا ایک خاص سوسائٹی کے ممبر شمار کئے جاتے ہیں اور جن بواعث کے اثر سے وہ لندن کے چرچ کو پیرو میں انہیں بواعث سے اگر وہ چین میں پیدا ہوتے تو وہاں کے مذہب کے پیرو ہوتے۔

اس امر کی توضیح کی حاجت نہیں ہے کہ حقد رہنما کو غلطی کھانے کا امکان ہے اسقدر ایک زمانہ کے لوگوں کا بھی غلطی میں پڑنے کا گمان ہے۔ ایک زمانہ کے لوگوں کی رائوں کو زمانہ مابعد کے لوگوں نے صرف غلط ہی نہیں خیال کیا بلکہ لغو محض سمجھا۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جیسی پہلے زمانہ کے لوگوں کی بہت سی رائوں کو جو ان میں مروج تھیں۔ آجکل کے لوگوں نے چھوڑ دیا ویسے ہی حال کے لوگوں کی رائیں آئندہ زمانہ میں متروک ہو جائیں گی۔

اس دلیل پر اگر کچھ اعتراض ہو سکتا ہے تو یہ ہے کہ کسی غلط رائے کی ترویج کو روکنا ویسا ہی ہے جیسا غمخواران ملک کا اپنی عقل کے مطابق

اور اپنا ذمہ اٹھا کر کوئی اور کام کرنا۔ بہت کام سلطنت کی اسی طرح ہوتے ہیں۔
دو نون حالتوں میں اپنے تئیں غلطی سے متفرق سمجھنے کا الزام عاید ہو سکتا ہے۔
کو عقل اس واسطے دی گئی ہے کہ وہ اسے استعمال کرے اور اس خیال سے کہ
غلطی میں پڑنے کا گمان ہے۔ کیا ہم کو عقل کے استعمال سے باز رہنا چاہئے؟
جس رائے کی صحت کا علم ہم انسانی مقاصد کو منظرِ سمجھتے میں اسکی ترویج کو
ابنداد میں بھی کرنا اپنے آپ کو غلطی سے متفرق سمجھنا ہی ہے بلکہ باوجود اس خیال
کے کہ ہم سے غلطی ہونے کا امکان ہے ایک مندرجہ اسم کا ادا کرنا ہے۔
یعنی اپنی عقل اور مذکرہ اخلاقی (کائنات) کو مطابق عمل کرنا۔ اگر ہم اپنی
رائوں پر اس خیال سے عمل نہ کریں کہ انکے غلط ہونے کا احتمال ہے تو ہم اپنی
سب کام چھوڑ دیں اور اپنا کوئی بھی مندرجہ ادا نہ کریں۔ جو اعتراض انسان
کے تمام افعال پر عاید ہو سکتا ہے اسکا اطلاق کسی خاص فعل کی نسبت پہلے ہی
نہیں رکھتا۔ گورنمنٹ اور ہر فرد بشکر یہہ فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے صحیح
رائوں کی ترویج میں کوشش کریں۔ بہت احتیاط کے ساتھ سمجھ جائیں درست
کریں اور جب تک انکی صحت کا یقین کامل نہ ہو تب تک دوسروں کو انکی پیروی
کولئے مجبور نہ کرے۔ مگر جب یہہ درجہ یقین کا حاصل ہو جائے تو پھر ان رائوں
پر عمل نہ کرنا اور مخالف رائوں کی ترویج کو جنکی نقصان مندی کا انکو یقین کامل نہ ہو
گوارا کرنا۔ اس خیال سے کہ زمانہ تاریک میں لوگ ان رائوں کا انکسار کرتے رہیں

ہیں جواب صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ مگر کہ اخلاقی (کائنات) کے مطابق عمل کرنا نہیں
 ہر بلکہ بزدلی ہے + معترض کہہ سکتے ہیں کہ ہم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ
 آرمودہ را آرمودوں خطاست۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ جن رائون کا انسداد
 پرانے لوگ بذریعہ کم کرتے تھے وہ اب صحیح ثابت ہو میں تو کیا عجب ہو کہ جن رائون
 انسداد اب ہم کریں وہ آئندہ صحیح ثابت ہوں + مگر وہ انسداد جواب یوں دے سکتے
 ہیں کہ اور بہت سی باتیں ہیں جن میں دیگر اقوام و سلطنتوں نے غلط احکام جاری
 کئے ہیں۔ لیکن جن پر اب گورنمنٹ کی طرف سے مداخلت کا عمل میں آنا غلط نہیں
 سمجھا جاتا + بہت سی سلطنتوں نے اور بہت سی قوموں نے بڑی جی سے کٹس
 لگائے اور جنگ و جدل کئے۔ مگر کیا اب کوئی تسلیم کر سکتا ہے کہ ہمیں کس نہیں
 لگانے چاہئیں اور جنگ نہیں کرنی چاہئے + ہر فرد بشر اور گورنمنٹ کو ہر
 بات جہانتک ہو سکے سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے۔ حق الیقین تو ناممکن ہو مگر انسانی
 معاملات میں صرف یقین ہی کافی ہے۔ ہمیں خستیا رہو کہ ہم اپنی رائون کو اس
 درجہ تک صحیح سمجھیں کہ ان پر عمل کرنا مناسب معلوم ہو۔ شریر آدمیوں کو ایسی
 رائون کی ترویج سے باز رکھنا جن کو ہم غلط اور نقصان مند سمجھتے ہیں کچھ
 اس سے بڑھ کر نہیں +

میں جواب دیتا ہوں کہ اپنی رائون کے مطابق عمل کرنے سے ہرگز
 یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ شریر آدمیوں کو ان کے خلاف خیالات ظاہر کرنے سے روکنا چاہئے

ایک رائے کو صحیح سمجھنا اس خیال سے کہ مخالفین کو اس رائے کی تردید کا جس قدر موقع دیا گیا ہے وہ اسکو غلط ثابت نہیں کر سکے۔ اور ایک رائے کو صحیح قرار دینا اسواسطے کہ ہم اسکی تردید گوارا نہیں کر سکتے۔ اور اسلئے اسکی تردید کی اجازت نہیں دیتے۔ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک رائے کو اس درجہ تک صحیح سمجھنے کو لئے کہ اسکے مطابق عمل کیا جائے یہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ مخالفین رائے کو اسکی تردید کی پوری آزادی حاصل ہو۔ بغیر اس شرط کے پورا کرنے کے کسی رائے کی صحت کا یقین ہونا طاقت بشری سے باہر ہے۔

اگر ہم تواریخ کے ذریعہ سے متقدمین و متاخرین کی رائوں پر غور کریں یا لوگوں کی طرز اعمال کی طرف دیکھیں تو ہم اس امر کی کون سی وجہ قرار دے سکتے ہیں۔ کہ انسانی معاملات اور مرد و عورتوں میں اس ترقی یافتہ حالت میں ہم اسکی وجہ تو یہی نہیں کہتی کہ ہر ایک شخص میں ایک ایسی قدرتی طاقت موجود ہے جس سے کہ وہ ہمیشہ عمدہ اور صحیح راہ میں دریافت کر لیتا ہے۔ اور جسکے ذریعہ ہم سوا صحیح رائوں کو اور کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ سوائے بدیہی اور نہایت آسان معاملات کے اور سب باتوں میں سو میں سے ایک شخص کوئی رائے قائم کر نیکی قابل ہوتا ہے اور باقی کے تناوین محض ناقابل۔ اور اس ایک کی قابلیت ہی اضافی ہے۔ کیونکہ گذشتہ زمانہ کے بہت سے لائق شخصوں کی ایسی رائیں تھیں جو اب محض

غلط سمجھی جاتی ہیں۔ اور وہ بہت سے ایسے افعال کو جائز قرار دیتے تھے جو اب نہایت ناوہب خیال کئے جاتے ہیں + پہر کیا وجہ ہے کہ انسانوں میں غلط رائوں کی نسبت صحیح رائوں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ یعنی آجکل حبستنی رائیں مروج ہیں انہیں سے ایسے کم ہیں جو خلاف عقل ہوں اور اسی زیادہ ہیں جو معقول ہوں اور تہذیب قوموں کے لوگوں کے اعمال و جب زیادہ ہیں اور ناوہب کم + اگر واقع میں معقول رائوں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ (اور یہ کثرت ہمیشہ پائی جائیگی۔ سوائے اُس حالت کے کہ جب انسانی تہذیب نہایت تنزل میں ہو یا کچھ عرصہ تک نہایت خراب حالت میں رہی ہو)۔ تو اسکی یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی غلطیاں صحیح کر سکتا ہے۔ اور یہی اسکے اشرف المخلوقات ہونیکا باعث ہے + وہ اپنی غلطیوں کو تجربہ سے یا باہمی مباحثہ سے رفع کر سکتا ہے۔ صرف تجربہ ہی کافی نہیں۔ جو واقعات ہمارے تجربہ میں آتے ہیں۔ اُنکے باعث بہت سے قرار دیے جاسکتے ہیں اور اُن باعث کا قرار دینا بھی معرض بحث بننا چاہئے۔ کسی رائے کو غلط ہونا اور کسی فعل کا ناوہب ہونا دلائل و تجربہ کو ذریعہ سے پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے۔ مگر واقعات اور دلائل بغیر اسکے کہ ظاہر کئے جائیں کچھ اثر نہیں رکھ سکتے + مزید برآں ایسے واقعات بہت کم ہیں جنکا علم ہی صرف کافی ہو۔ اُنکے معنی بھی سمجھے جانے چاہئیں اور اُنکو باعث کا علم بھی ضروری ہے۔ اسلئے اُنکا باعث قرار دینے پر بھی بہت مباحثہ ہونا

چاہئے + پس جب انسانی عقل و فکر کی اصلی خوبی یہی ہو کہ جب اس میں کوئی غلطی ہو تو وہ رفع ہو سکتی ہے۔ تو اس حالت میں انسانی عقل کی صحت کا بھروسہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ اُس کو غلطی میں سے نکالنے کے وسائل ہر وقت موجود رکھے جائیں + اگر کسی شخص کی رائے قابلِ تعظیم و محبت ہے تو خیال کی بجائی پر تو اُسکی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خیالات پر بہ غرور کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہے۔ اور جو اعتراضات اُسے دیکھ کر معلوم ہوئے ان کو تسلیم کرنے سے قاصر رہا۔ اٹھا تار ہا ہے۔ اور جو ناوِ جب تہو ان کی غلطی اپنے آپ کو اور مناسب و متعین ہے دوسروں کو بھی سمجھا تار ہا ہے + اور وہ خوب جانتا ہے کہ کسی معاملہ میں کبھی کیفیت انسان کو تب ہی حاصل ہوتی ہے جب وہ ہر طرح کی رائے میں اُس معاملہ کے متعلق متاثر نہ ہو۔ اُس کو خوب معلوم ہو کہ مختلف قسم کے لوگ اس معاملہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان پر اُس نے غور کیا ہو + انہیں ذرا بعید کو عمل میں لانے سے لوگ دانا کہلانے لگتے ہیں۔ اور انسان کیلئے اپنی عقل کی ترقی کا سوا کسی اور کوئی ذریعہ نہیں + دوسروں کی رائے کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اپنی غلط رائے کو صحیح کرنے اور غیر مکمل رائے کو مکمل بنانے کا موقع ملتا ہے اس سے بچاؤ اسکے کہ ان پر عمل کرنے میں تاثر اور شبہ پیدا ہوا کبھی صحت پر بہرہ رسد رکھنے کی ایک بڑی محفول دلیل پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کسی کو مخالفین کے تمام اعتراضات معلوم ہوتے ہیں اور اُس کے جوابات بھی اسکے

پاس موجود ہوتے ہیں۔ تو اس کو البتہ اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے کو دوسروں کی نسبت جنہوں نے یہ تکلیف گوارا نہ کی ہو بہت قابلِ وقعت سمجھے۔

جب دنیا کے بڑے فاضل اور دانشمندان نے جنکو اپنی عقل پر بہت بھروسہ ہو سکتا تھا یہ ضروری سمجھا کہ جب تک مخالفین برائی کو تردید رائے کی اجازت نہ دی جائے اور جب تک کہ ان کے تمام اعتراضات نہ جائیں اپنی رائے پر بھروسہ کرنا واجب نہیں۔ تو یہ پہلے جس کو بہت سے بیوقوفوں اور چند دانشمندان کا مجموعہ کہنا چاہئے کس شامین ہے۔ اگر نیوٹن کی فلسفہ کی تردید کی ایسی عام اجازت نہ دی جاتی جیسے کہ دی گئی تو نوع انسان کو اسکی صداقت کا اتنا یقین نہ ہوتا۔ جن مسائل کی صحت کا ہم کو کامل یقین ہے اس یقین کی بنیاد ہی ہونی چاہئے کہ مخالفین کو انکی غلطی ثابت کرنے کا ہر وقت اختیار ہے۔ اگر کوئی غلطی ثابت کر نیکی کوشش نہ کرے یا باوجود کوشش کے ناکامیاب ہو تو بھی ہم کو اس مسئلہ کی صحت کا یقین نہیں ہوتا۔ مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے حتی الامکان کوشش کی اور

فٹ نوٹ * انگلستان کا یہ مشہور ریاضی دان ۱۶۸۷ء میں پیدا ہوا اسنے علم ریاضی اور طبیعیات میں بہت سے مسائل دریافت کوششِ ثقل کا مسئلہ اسی نے پہلے دریافت کیا تھا اسنے ثابت کیا کہ نظام شمسی کی گردش ثقل ہی کی وجہ سے ہر علم مناظر و ریاضی میں اسنے بہت سی نئی باتیں دریافت کیں اسکے مسائل کی ابتدا میں بہت مخالفت ہوئی۔ لیکن اب منقرضہ وہ سب تمہیں ۱۶۸۷ء میں دیکھنا چاہئے جس نے

جس قدر تاحال عقل انسانی نے ترقی کی ہو اُس سے فائدہ اٹھانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ صداقت کے حاصل کرنے میں ہر ایک تدبیر عمل میں لائے۔ اور اگر صداقت کا راستہ کھلا رکھا جائے یعنی مخالفین کو ہر وقت تردید رائے کی اجازت حاصل ہو تو یہ امید ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی آدمی اس سے بہتر رائے یا مسئلہ ہوگا تو حسب وقت موقع ہوگا اور مناسب وقت آنیگا ہم کو معلوم ہو جائیگا۔ اس اثنا میں ہم کو اسی بات پر شاکر اور صابر رہنا چاہئے کہ آجکل کے زمانہ میں جس قدر اصل حقیقت معلوم ہونی چاہئے تھی وہ ہم کو معلوم ہے۔ نوع انسان کو جو غلطی سے منزہ نہیں ہیں حق یقین کا یہی درجہ حاصل ہو سکتا ہے اور اُس کے حصول کا بھی صرف یہی طریقہ ہے۔

تعجب ہے کہ لوگ ان دلائل کی صحت کو جو اظہار خیالات کی آزادی اور عام مباحثہ کے بارہ میں دی جا میں تسلیم کرتے ہیں۔ مگر یہ عذر کرتے ہیں کہ اس آزادی کو نہایت درجہ تک نہیں بڑھنے دینا چاہیے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ جن دلائل سے اس آزادی کو نہایت درجہ پر لیا جانا ثابت ہوتا ہے انہیں وجوہات سے اس کا ایک خاص درجہ تک عمل میں لانا ہی وجہ ثابت ہوتا ہے۔ جن مسائل کی صحت میں انکی رائے کے بموجب شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو اگر ان پر مباحثہ کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر جس مسئلہ کی صحت میں انکو کچھ کلام نہیں اس پر بحث کرنا یا اس پر اعتراض کرنا انکی رائے میں ناجائز ہے۔ تعجب کا

مقام ہر کہ جو لوگ اس اصول پر علانیہ عمل کرتے ہیں وہ مانتے ہیں کہ انسان
سہو و خطا ہو جایا کرتی ہو۔ اگر ایک شخص ہی کسی مسئلہ کو دلائل کے ذریعہ سے
غلط ثابت کرنے کو موجود ہو اور وہ اپنے خیالات ظاہر کرنے پر آمادہ ہو مگر
اُسے آزادی اظہار رائے حاصل نہیں۔ تو ایسی حالت میں اس مسئلہ کی
صحت کا حق یقین رکھنا گویا اپنے آپ کو ایسے جج سے تشبیہ دینا ہو جو
صرف ایک فریق کی رائے سنکر سچائی کو مانتا ہے۔ اکیسی رائے کے غلط
یا صحیح ہونے پر قول فیصل دیتا ہو۔

آجکل کے لوگوں کو (جنہیں نہ تو مذہبی مسائل کا معتقد کہہ سکتے ہیں
اور نہ منکر ہی سمجھ سکتے ہیں) ایک رائے کی صحت کا تو اتنا یقین نہیں ہوتا
جتنا یہ خیال ہوتا ہو کہ بغیر اس یقین کے دنیا کا کام چلنا مشکل ہو جس رائے
کی تردید انہیں نامنطور ہوتی ہو اُس کے خالصین کو اظہار رائے کی آزادی نہ
دینے کی وجہ یہ نہیں بیان کی جاتی کہ اصل رائے صحیح ہو بلکہ یہ کہاجاتا ہو
کہ اُنکی صحت کا یقین سوسائٹی کے لئے نہایت ضروری ہو۔ لوگ سمجھتے ہیں
کہ ایسی بہت سی باتیں ہیں جنکی صحت کا یقین سوسائٹی کی بہبودی کے
لئے اگر لازم و لابد نہیں تو مفید تو ضروری ہو۔ اور بطرح سوسائٹی کی بہبودی
کے لئے بعض تدابیر کا عمل میں لانا گورنمنٹ کا فرض ہے اُسی طرح ان عقائد
میں خلل نہ آنے دینا بھی گورنمنٹ کا اعلیٰ مقصد ہو۔ ایسے ضروری معاملہ

میں اور ایسے اعلیٰ فرض کے ادا کرنے میں اگر تمام نوع انسان کی رائے کو نمٹ
 کی تائید میں ہو تو باوجودیکہ انسان غلطی سے منترہ نہیں۔ گورنمنٹ کو اپنی
 رائے پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہہ دلیل بھی اکثر بیان کی جاتی ہے کہ ضرر
 شریر آدمی ہی ایسے مفید عقائد میں خلل اندازی کرنا چاہیں گے۔ اور شیر
 آدمیوں کو ایسے افعال سے باز رکھنا کہ جبکہ صرف وہ ہی۔ اور کچھ میں مناسب
 نہیں ہے۔ ان دلائل کے بموجب کہ سمجھتے ہیں کہ اظہار خیالات کی آزادی کو
 روکنا اپنے آپ کو غلطی سے منترہ سمجھنا نہیں ہے کیونکہ ان مسائل کی غلطی کو اسکا
 سے ہم انکار نہیں کرتے ہم تو یہہ کہتے ہیں کہ انکی صحت کا یقین ہو سائی کو لئے
 نہایت مفید ہے۔ لیکن جن لوگوں کی یہہ رائے ہے وہ یہہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے
 الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ یہہ تسلیم کرتے ہیں کہ کسی مسئلہ کی صحت کے
 امکان سے انکار کرنا اپنا آپ کو غلطی سے منترہ سمجھنا ہے۔ تو ان کو یہہ بھی ماننا چاہئے
 کہ کسی مسئلہ کے غیر مفید ہونے کو امکان ہے انکار کرنا بھی اپنے آپ کو دوسرا ہی غلطی ہے
 منترہ تصور کرنا ہے کسی رائے کا مفید یا غیر مفید ہونا بھی بحث قرار دیا جاسکتا ہے۔
 اسپر بھی اتنی ہی بحث ہو سکتی ہے اور اتنے ہی اعتراض ہو سکتے ہیں جتنے کہ اس
 رائے کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر۔ اگر مخالفین رائے کو اپنی رائے کی صحت
 ثابت کرنے کا پورا موقع نہ دیا جائے تو اس حالت میں کسی مسئلہ کو صحیح سمجھنا یا مفید
 قرار دینا ایک ہی ہی غلطی ہے۔ ایسی حالت میں یہہ ایک معقول جواب ہو گا کہ مخالفین

اپنی رائے کو مفید یا بے ضرر سمجھنے اور دوسروں کو اُسکے فوائد کی تلقین کرنے کے توجہ جاز ہیں لیکن اس رائے کی صحت کو اظہار کی انہیں اجازت نہیں ہے۔ کسی رائے کو صحیح ہونا اُسکے مفید ہونے کا ایک حصہ ہے یعنی اگر کوئی صحیح رائے کسی شخص کے غلط خیال سے مفید نہ ہو تو وہ رائے محض اس لئے مفید ہو سکتی ہے کہ وہ صحیح ہے جو رائے صحیح ہے۔ اور جبکی صحت کا یقین بھی سوسائٹی کیلئے مفید ہے اسکی ترویج بہ نسبت اس رائے کو جو اصل میں تو غلط ہے مگر جبکی صحت کا یقین سوسائٹی کے لئے مفید ہے زیادہ تر مناسب و مفید ہے۔ اگر ہم یہ دریافت کرنا چاہیں کہ آیا کسی رائے کی تلقین لوگوں کے لئے مفید ہے یا نہیں تو ہم اس رائے کی صحت کے سوال کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اچھے اچھے آدمیوں کا یہ خیال ہے کہ جو رائے غلط ہیں غلط ہے اسکی صحت کا یقین کسی صورت میں مفید نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخصوں کو جب کسی جھوٹے مسئلہ کی (جسے وہ خود تو غلط سمجھتے ہیں لیکن جبکی صحت کا یقین بعض شخصوں کی نظر میں مفید ہے) پیروی نہ کرنے پر قصور وار ٹھہرایا جائے تو وہ یہی عند پیش کر سکتے ہیں۔ اس حالت میں کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟ جو لوگ عوام کی تسلیم کردہ رائے کو صحیح سمجھتے ہیں اور جو ان رائے کی پیروی کرنے اور کرانے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی اکثر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کسی رائے کے مفید ہونے کو ہم اس رائے کی صحت سے جدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ اسکا یہ خیال ہے کہ ہم اپنی رائے کی پیروی دوسروں سے اسلئے چاہتے ہیں کہ ہماری رائے صحیح ہیں۔ پس جب بعض

لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غلط رائے کی صحت کا یقین کسی صورت میں مفید نہیں ہو سکتا۔ تو جب تک اس امر کا فیصلہ نہ ہو لے کہ آیا غلط رائے کی صحت کا یقین مفید ہو سکتا ہے یا نہیں ہم کسی رائے کو مفید ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے * اور اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اگر قانون لوگوں کو کسی رائے کی صحت کو انکار کرنے کی اجازت نہیں دیتا یا عام لوگ اس رائے کے غلط ماننے کو برا سمجھتے ہیں۔ تو اسکے مفید ہونے سے انکار کرنا بھی ویسا ہی ممنوع تصور کیا جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ بڑی فراخ حوصلگی کو عمل میں لائیں تو یہہ کرتے ہیں کہ اس رائے کے مفید ہونیکے یقین کو نہایت ضروری اور لا بد نہیں سمجھتے۔ اور مخالفت کو پورا مجرم قرار نہیں دیتے *۔

جن رائوں کو ہم غلط تصور کرتے ہیں ان رائوں کو طابہ نہ ہونے دینے سے جب قدر نقصانات عظیم عاید ہوتے ہیں۔ انکی تشریح و توضیح کے لئے چند مثالوں کا بیان کرنا نہایت مفید ہوگا۔ اور میں نہایت خوشی سے ایسی مثالیں لیتا ہوں جن پر مخالفین کو شک و شبہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ان رائوں کے خلاف خیالات ظاہر کرنا سبکی آزادی دینا اصل رائے کو صحیح و مفید ہونے کے لحاظ سے ناجائز سمجھا جاسکتا ہے * فرض کرو کہ خدا کی ہستی اور عاقبت کے وجود یا عدم وجود یا کسی اخلاقی مسئلہ کی صحت پر جبکا صحیح ہونا اظہارِ شمس سمجھا جائے۔ بحث ہے ایسی مثال لینے سے ہمارے مخالفین کو اگر وہ انصاف کو

نظر انداز کرین بہت فائدہ مل سکتا ہے۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا ان رائوں کو
 ثم اس قدر صحیح نہیں سمجھتے کہ قانون کے ذریعہ سے لوگوں کو انکی صحت پر یقین
 کرنے مجبور کیا جائے۔ کیا خدا کی مستی کا حق یقین رکھنا اپنے آپ کو غلطی سے
 منترہ سمجھنا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ کسی مسئلہ کو بالیقین صحیح سمجھنا اپنے آپ کو غلطی سے
 منترہ خیال کرنا نہیں ہے۔ دوسروں کو اپنی رائے کی پیروی پر مجبور کرنا اور مخالفین
 کی دلائل نہ سننے دینا اپنے آپ کو غلطی سے مبرا قرار دینا ہے اور ان اہمیتوں
 کا عمل میں لانا میں ان رائوں کی نسبت بھی نہایت پسندیدہ سمجھتا ہوں جو دیگر
 یقینیات میں سے ہیں۔ گو ہم ایک رائے کو غلط اور بے بنیاد تصور کرتے
 ہوں۔ اور اُسکی صحت کے یقین میں ہر طرح کے نقصانات خیال کرتے ہوں۔
 اور اُسکے ماننے والوں کو ملحد یا بدچلن قرار دیتے ہوں۔ اور خواہ ہماری رائے
 پبلک یا رائے جمہور کا بھی اتفاق ہو۔ مگر اس حالت میں بھی اس رائے کے
 صحیح ماننے والوں کو اظہارِ خیالات سے روکنا اور انکی دلائل نہ سننا اپنے آپ کو
 غلطی سے منترہ سمجھنا ہے۔ باوجودی النظر میں یہ معلوم ہوگا کہ جن مسائل کو مخالفین
 کو ہم ملحد اور شرک سمجھتے ہیں اور جن مسائل کے خلاف انوں کو سننا ہمارے
 مذہبی عقیدہ کے مطابق نہیں۔ ان مسائل کے مخالفین کو اظہارِ خیالات کی
 آزادی نہ دینا چند ان قابلِ اعتراض نہیں۔ مگر ذرا غور کرنے سے ظاہر ہوگا
 کہ خاص ان معاملات میں مخالفین رائے کو آزادی نہ دینا مذہب سے زیادہ مضر

ہم + مذہبی معاملات میں ہی ایک نسل کے لوگ وہ غلطیاں کرتے ہیں جن پر آئندہ نسل کے لوگ حیران و تعجب ہوتے ہیں + قانون کے ذریعہ سے نہایت عمدہ راہوں اور دنیا کے بگڑیدہ آدمیوں کی بیچ کنی کی گئی + دنیا کی تواریخ میں اس قسم کے قابل یاد کار واقعات بہت سے ہیں - ان فاضلوں کا نام و نشان صفحہ ہستی پر نہ رہا مگر ان کے بعض مسائل جن کے باعث وہ گردن دہشت گرد گئے اب تک موجود ہیں + ان سوس ہی کہ وہ لوگ جو حال کی مروجہ راہوں سے اختلاف کرنا ناجائز سمجھتے ہیں اور مخالفین رائے کو طرح طرح کی تکالیف کی برداشت کا مستحق خیال کرتے ہیں ان واقعات سے عبرت پذیر نہیں ہوتے + ناظرین کو خوب یاد ہو گا کہ ایک زمانہ میں ایک شخص سقراط نامی تھا اُس میں اور حاکمان وقت اور اُس زمانہ کی رائے جمہور میں ایک تنازعہ برپا ہوا جس زمانہ میں وہ پیدا ہوا تھا اور جو ملک کہ اُس کا مولد تھا اس میں بہت سے لوگ قابل عزت و ادب موجود تھے یعنی ایسے لوگ بھی پائے جاتے تھے جو حقیقی عزت کے

فٹ نوٹ * سقراط ایک مشہور فلاسفر تو یوں کا تھا چار سو اہتر برس مسیح سے پہلے پیدا ہوا اور تین سو تالیس برس مسیح سے پہلے اس کو زہر ملا گیا یہ ایک سنگسار کا بیٹا تھا اور جو ان کی عمر میں کئی لڑائیوں میں لڑا - دلیری مستقل مزاجی اور ذہانت میں بے نظیر تھا - اپنا نقصان اٹھا کر دے دینے کو فائدہ پہنچایا اگر آگے بڑھ کر شکل تھا + یونان میں سے پہلے اسی لوگوں کی توجہ علم اخلاق کی طرف منتقل کی اس کا یہ قول تھا کہ علم اخلاق اور علم علوم پر فوقیت لکھنا ہی پہلے انسان کو اپنی ذات سے دوسری ذہنیت حاصل کرنی چاہئے عالم جہانیت کا علم بعد میں ہونا چاہئے اس فلاسفر نے انھیں دارالخلائیہ کی کو لوگوں نے حملہ و مرجان کی لڑائی کا یہ ضد و بدلہ کیا کہ ان کے جہنم پر آویں مال تھے اس کو فتنی ثل یا یاد اُس زہر ملا یا نہ ہو مگر وہ غلط فہم ہیں نہ مال + مضمحل ہو

مستحق تھے اور جنکو بلحاظ علم و لیاقت و دیگر اوصاف کے ذیشان کہا جاسکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سقراط کو اپنے زمانہ اور ملک میں نہایت نیک اور پاک طینت سمجھتے تھے اور ہم بھی سب بالاتفاق اُس کو تمام اخلاق سکھانے والوں کا سرگروہ مانتے ہیں + افلاطون نے حقیقی نصائح کی ہیں انکا منبع اور مخزن بھی وہ ہی تھا۔ اور ارسطو نے جو اخلاق کی بنا

فٹ نوٹ * افلاطون چار سو انتیس برس مسیح سے پہلے پیدا ہوا اور بیالیس برس کی عمر میں مر گیا۔ جوانی کی عمر میں اسے نظم اور ریاضی کا بہت شوق تھا چنانچہ اس نے چند کتابیں ان مضامین پر لکھیں بعد میں اُسے نظم سے کمال نفرت ہو گئی تھی۔ وہ دس برس تک سقراط کے پاس تعلیم کی غرض سے رہا۔ سقراط کی وفات پر افلاطون اذیتھنز چھوڑ کر مختلف ملکوں کی سیر کے لئے روانہ ہوا۔ اور وہاں اس نے بہت سے علوم سیکھے۔ پھر واپس آکر اُس نے بہت سی کتابیں علم اخلاق و فلسفہ سیاست میں لکھیں۔ عالم امثال کا مشہور سندھ اسی کی ایجاد تھا + مترجم

فٹ نوٹ + ارسطو تین سو چوبیس برس مسیح سے پہلے پیدا ہوا۔ اور بائیس برس کی عمر میں مر گیا۔ اس کا باپ کثیر عظم کے دادا کا حکیم تھا۔ سترہ برس کی عمر میں ارسطو نے افلاطون کی شاگردی اختیار کی اور اُسکی زندگی ہی میں اپنے دس و تدریس کا سلسلہ علمی و طور پر جاری کیا + اُس نے تمام علوم مرتبہ میں کمال حاصل کیا۔ اور طبعیات میں بھی بہت ترقی دی جس قدر اسکو علوم طبیعی کا شوق تھا۔ اور کسی فلاسفر کو یونان میں نہ تھا۔ لوگوں کو مختلف طرح کے تجربات کرنے پر جس سے علوم طبیعی کے مسائل کی توضیح ہو پہلے ہی سے مائل کیا + منطق کو بھی اس نے بہت ترقی دی۔ سقراط اور افلاطون کے بہت سے مسائل کو ترمیم کیا + فیلقوس شاہ مقدونیہ نے اسکو اپنے بیٹے اسکندر اعظم کا تالیف مقرر کیا تھا۔ ارسطو کے بعد کوئی فلاسفر یونان میں اسکا ہم پلہ نہیں گذرا۔ اس فلاسفر کے پیروں کو مشائیں کہتے ہیں۔ کیونکہ اسکی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ پڑھاتے ہوئے بیٹھتا تھا + مترجم

سود مندوں کے اصول پر قائم کی ہر اسکی بنیاد بھی اسی نے ڈالی تھی۔ چنانچہ
ارسطو اور سقراط کو علم اخلاق و دیگر علوم حکمت کا بانی کہتے ہیں۔ یہ شخصیں
پُرانے اور حال کے حکیموں کا اُستاد کہنا چاہئے جسکی شہرت آجکل بھی روز افزون تھی
پر ہر اور جسکے نام کی عظمت تمام یونان کے عالموں اور فاضلوں کو مجموعہ عظیم سے بڑھ کر ہے
اپنے ہموطنوں کی رائے اور ایک باقاعدہ عدالت کی کارروائی سے الحاد

فٹ نوٹ * مسئلہ سود مندی کے روسو خیال کا نیک و بد ہونا انکے مفید غیر مفید نہ پر منحصر ہے
جن خیال سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوا اور کم کو نقصان یا صرفہ فائدہ ہی ہو۔ اور نقصان بالکل نہیں ہو
نیک کہا جاتا ہے۔ برعکس اسکے جن کا سوئے بہت لوگوں کو نقصان ہوا اور کم کو فائدہ یا اسر اس نقصان ہی پر
انکو بد کہا جاتا ہے۔ یہاں افعال سے مراد ان افعال ارادی کی ہے جن سے انسانے جنس پر کسی کسی
طرح کا اثر پہنچے۔ اور جن پر آمادہ کرنے یا جن سے باز رکھنے کو لئے تحسین و نفرت یا تقرر سزا کی ضرورت
ہو۔ فائدہ و نقصان سے مراد انسانی رنج و دھمت کی ہے جس میں روحانی خوشی اور جسمانی مسرت دونوں
شامل ہیں۔ اس مسئلہ کو مد سے کوئی فعل جسکو سب نیکات مانتے ہیں نہ اسلئے نیک ہی کہ خدا کی طرف سے
اس کام کا حکم نازل ہے نہ اسلئے کہ وہ فعل فی نفسہ ایسا ہے کہ جس کا کرنا ہم پر فرض ہے بلکہ اس لئے
کہ اس سے ہر طرح کا فائدہ منظور ہے۔ یا اس سے فائدہ بہت ہوتا ہے اور نقصان کم کہ
اس مسئلہ کو ماننے والوں کی رائے میں انسان میں کوئی طاقت اس قسم کی نہیں جس سے وہ بغیر
کسی طرح کی تعلیم یا تجربہ کے نیک و بد خیال میں تمیز کر سکے۔ انسان کی رنج و خوشی کو سزا دینا اور
اسکی جلبِ منفعت و دفعِ مضرت کی قابلیت۔ اسکی عقل و دانت و قوتِ فطن اسے ہر جگہ اور ہمیشہ بعض خیال
کو قابلِ تعریف اور بعض کو قابلِ مذمت یا لائق سزا قرار دینے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان قواعد عقلی
روحانی کے علاوہ اور کوئی قدرتی طاقت جس کو لوگ مددِ اخلاقی (مکا فٹنس) کہتے ہیں اس
قسم کی نہیں جو انسان کو پیدا ہوتے ہی بغیر تعلیم و تجربہ کو نیک و بد خیال میں تمیز کر سکتی ہو اس
مسئلہ کی ابتدا یونان میں اپنی کیوں رہی سے ہوئی اگرچہ سقراط نے اسکی بنیاد ڈالی تھی اور گھسٹان
میں بنتم۔ جان سٹوارٹ میل۔ اور بین جیٹ۔ اس مسئلہ کو نوید و مفسر ہے۔ مٹرجیٹر

بد معاشی کی جرم میں قتل کا سزا یا بھڑا تھا۔ الحاد کے جرم کی بنا پر تائب پر قائم کی گئی تھی کہ وہ اُن دیوتاؤں کو کبھی ملک عبادت کے کرتا تھا نہیں مانتا تھا بلکہ اُس کے فرمون نے یہ بیان کیا تھا کہ وہ کسی دیوتا میں بھی اعتقاد نہیں رکھتا۔ بد معاشی کا جرم اس بنیاد پر تھا کہ وہ اپنے وعظ و نصیحت سے اپنے ملک کے نوجوانوں کے اخلاق بگاڑتا ہے۔ واقعات سے جتنا معلوم ہو سکتا ہے یہ ہے کہ منصفانِ وقت نے بغیر کسی تعصب کے اُس کو ان جرائم کا مرتکب قرار دیا۔ اور اُس شخص کو جو جو انسان کی طرف سے ہر طرح کے عمدہ سلوک کا مستحق ہو سکتا تھا مجرم سمجھ کر قتل قتل دیا۔

اس کے بعد ایک اور مثال قانون کی بے انصافی کی ہم بیان کرتے ہیں جس کا ذکر سقراط کے بیان کے بعد اسلئے موزوں ہے کہ اس کا ظہور سقراط کے بعد ہوا۔ یعنی وہ مصیبت جو کہ ہیکلو مریچ اٹھارہ سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ ہو گئی تھی۔ وہ شخص جس کی حلقہ خونی کا اثر اُن لوگوں کے دلوں پر نہیں ہونے لگا تھا اور اُس کی گفتگو میں سنیں اس درجہ تک ہوا تھا کہ اٹھارہ صدیوں سے لوگ اس کو برابر عجب و مخلا سمجھتے چلے آئے ہیں۔ نہایت میر تقی سے

فٹ نوٹ * کیلوری میں پانچ کلو نام ہے جس پر خرچہ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہودیوں نے خرچہ کے الزام لگایا تھا کہ یہ اپنے تئیں خلیفہ کا بیٹا ظاہر کرتا ہے۔ اور اُن کے انہوں کو صلیب پر چڑھایا تھا۔ مترجم

فٹ نوٹ * حضرت یسوع کی طرف اشارہ ہے۔ مترجم

قتل کیا گیا + مگر کس جرم میں؟ - چند کلمات کے زبان سے نکالنے میں۔ جسے لوگوں کو اس کے محدود نیکیا خیال پیدا ہوا + لوگوں نے صرف یہی نہیں کہ اپنے مرنے کو نہیں پہچانا۔ بلکہ انہوں نے اس کو ایک ایسا شخص سمجھا جسکی وہ بالکل برعکس تھا۔ اور اس سے وہ سلوک کیا جو پرے درجہ کے فاسق سے کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اب انکو جنہوں نے اس سے یہ سلوک کیا تھا حال کے لوگ محدود فاسق قرار دیتے ہیں + چونکہ حال کے لوگ ان افعال پر جو پرانے زمانہ کے لوگوں سے سرزد ہوئے کمال کراہ و نفرت کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں۔ اسلئے وہ ان لوگوں کو جو ان افعالِ قبیحہ کے مرتکب ہوئے اور خصوصاً جنہوں نے یہ پچھلا حکم صادر کیا حد مناسب سے بڑھ کر سزا سمجھتے ہیں + عام آدمیوں کے اخلاق جیسے ہوتے ہیں اس سے بڑے کچھ انکے اخلاق نہ تھے۔ بلکہ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے زمانہ اور قوم میں محبوب وطن اور صاحبِ اخلاق اور مذہبی اعتقاد کے پتے کھلاتے تھے۔ اور ان لوگوں کی نسبت جو ہمارے زمانہ میں بھی قابلِ غرت خیال کئے جاتے ہیں کسی لحاظ سے کچھ کم نہیں تھے + سردار کاٹھن نے ان الفاظ کے سننے پر جنکا منہ سے نکالنا اسکے او اسکے ہموطنوں کے خیال میں بڑا بھاری جرم تھا اپنا سارا لباس غصہ میں انگریز ہار

فٹ نوٹ * وہ الفاظ یہ تھے کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ مگر جب حضرت مسیح سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں اپنے تین خدا کا نبی نہیں کہتا۔ بلکہ مجھے خدا کا نبی کہتے ہیں + مترجمہ

فٹ نوٹ * یہودیوں کے سردار کاٹھن کی طرف اشارہ ہے + مترجمہ

اور وسیع خیالی مین مشہور تھا۔ باوجودیکہ دنیا کے تمام مذہب حصہ کا مطلق العنان حاکم تھا۔ مگر ساری عمر میں اُس کے عدل انصاف پر کسی قسم کا دھبہ نہیں لگا۔ اگرچہ اسکی تربیت ایسی اصولوں پر ہوئی تھی جن سے کہ اُس کے بے درد و سرد مہر ہونیکی امید کجا سکتی تھی۔ تاہم وہ نہایت ہی رحمدل تھا۔ اگر اس میں کچھ عیب تھا تو یہی تھا کہ وہ بہت حلیم اور نرم مزاج تھا۔ دران حالیکہ اُسکی تصانیف میں اعلیٰ اصول علم اخلاق کے پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُسکی نصائح اور حضرت عیسیٰ کے مشہور مواعظ میں اگر کچھ فرق ہے تو بہت ہی کم۔ وہ نام کو تو عیسائی نہ تھا مگر اُسے عیسائی مذہب کے اصول کے بموجب پورا عیسائی کہہ سکے ہیں اور ان بادشاہوں کی نسبت جو نام کو عیسائی کہلاتے ہیں بہ درجہ بہتر تھا۔ اُسے عیسائی مذہب کے پہلے کا انداد ایک ایسے طریقہ سے کجا جو نہایت بے رحم خیال کیا جاسکتا ہے (یعنی عیسائیوں کو ہر طرح کی اذیت پہنچانے اور انکو قتل کرنے سے)۔ باوجودیکہ اس میں وہ لیاقت موجود تھی جبکو اُس زمانہ کے معیار کے بموجب انسانی لیاقت کا اعلیٰ نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ اور اسکی طبیعت ایسی نیک تھی کہ اس نے اپنی علم اخلاق کی تصانیف میں وہ وہ ہدایتیں کی ہیں جنکی پابندی کو مد نظر رکھنا ہر ایک عیسائی اپنا فرض سمجھ سکتا ہے۔ اور اگرچہ اس کے اصولوں کے لحاظ سے عیسائی مذہب کا پہلا نا اُسکا اعلیٰ فرض تھا۔ مگر اسکو یہ نہ سوچا کہ یہ ذیلیں بجائے نقصان مند ہونے کے نہایت مفید ہوگا۔ اُسوقت کی سوسائٹی کی

حالت وہ نہایت قابل افسوس سمجھتا تھا۔ لیکن اُس نے یہ سوچا کہ اگر لوگوں کے موجود
 اعتقادوں میں خلل گیا تو سوسائٹی کی حالت اور بھی بدتر ہو جائیگی اور اُس کا
 قائم رہنا محال ہو جائیگا۔ حاکم کی حیثیت میں اُس نے یہ فرض سمجھا کہ وہ سوسائٹی
 کو افسردہ نہ ہونے دے۔ اور اُسے اندیشہ تھا کہ اگر وہ تعلقات جسے سوسائٹی
 اس وقت باہم پیوستہ تھی اس نئے مذہب کے جاری ہونے سے دور ہو جاتے
 تو اور کونسے سامان سوسائٹی قائم رکھنے کے پیدا ہو سکتے تھے۔ اُس نے یہ
 سوچا کہ یا تو میں بھی اس مذہب کو خستہ یا کر دوں ورنہ اس کی اشاعت کا اندام میرا فرض
 ہے۔ چونکہ عیسائی مذہب کے اعتقادات و مسائل اس قسم کے تھے کہ وہ اُس کو
 خدا کا نازل کیا ہوا مذہب نہیں مانتا تھا۔ اور محترم خدا کے مصلوب ہونے کا یہ
 قصہ اُس کی نظر میں قابل اعتبار نہ تھا۔ اور اس تمام سلسلہ کی بنا پر ہی اسکے خیال میں
 غلط تھی اسلئے اُس نے یہ سمجھا کہ اس سے وہ فوائد نکلیں گے جو باوجود اس قدر فراحتوں کے
 پیدا ہوئے۔ عرض کہ اس شخص نے جو نہایت شریف طبیعت اور حکیم مزاج حاکم تھا۔ اس
 مذہب کا اسناد نہایت بے رحم طریقہ سے کیا۔ میری ناست میں واقعہ تاریخ کے نہایت
 عبرت انگیز واقعات ہیں جو نہایت عجیب و غریب محال کرتے ہیں کہ اگر سچ کو سنیں مائیں کے

فٹ نوٹ: کوئنسٹن ٹیلر کا کشتہ تھا۔ تیسری عین تحت پر بیٹھا۔ روایت ہے کہ اس نے عین
 وہ ایک شمس سے رٹنے کے لئے جانے لگا تو اسے آسمان پر ایک صلیب کی سی چیز دیکھی۔ اس دن وہ عیسائی مذہب کا منتقد
 ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے تپسہ لیا۔ اور عیسائیوں کے معبود کو جو جنگ و دغیر میں مسمار ہو گئے تھے از سر نو بنوایا۔
 اسے شہر مصلیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور اسی شہر کو اپنی سلطنت کا دارالرحم بنا دیا۔ متوجہ

مارکس اور یلیس خود عیسائی مذہب کو خستہ کر رہا اور اُس کے عہد میں اُس
 مذہب کو پھیلانے کی سلطنت کی طرف سے اجازت ہوتی تو یہی عیسائی مذہب موجود عیسائی
 مذہب سے بدرجہا بہتر ہوتا۔ لیکن اگر ہم انصاف کو کام میں لائیں تو وہ بات
 کو بھی نظر انداز نہ کریں تو معلوم ہو گا کہ مارکس اور یلیس کا مذہب بالکل
 بے وجہ نہ تھا۔ وہ عیسائی مذہب کے بہترین پیشے کی انتہا کے واسطے وہی
 دلائل رکھتا تھا جو اب بعض لوگ عیسائی مذہب کے خلاف رائوں کی ترویج
 کے لئے ادا کے لئے رکھتے ہیں اور اس کو اپنے دلائل کی صحت کا بالکل یقین
 یقین تھا جیسا کہ اب لوگوں کو اپنی رائوں کے صحیح ہونے کا ہے۔ جیسا کہ اب
 بعض عیسائیوں کا خیال ہے کہ خدا سے منکر ہونا سوسائٹی کی نہایت نقصان پہنچاتا ہے۔
 اور اس سے سوسائٹی کا قیام مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسا ہی مارکس اور یلیس کی رائے
 میں عیسائی مذہب کی ترویج اُس وقت کی سوسائٹی کے لئے نقصان مند تھی۔
 اور اس پر یہ ہے کہ مارکس اور یلیس وہ شخص تھا جو اپنے زمانہ میں لاثانی
 تھا اور جس سے بڑھ کر اور کوئی شخص عیسائی مذہب کی قدر کر سکے قابل نہیں سمجھا
 جاسکتا۔ وہ لوگ جو خاص ختم کی رائے کی ترویج کے لئے سزا کا مقرر ہونا
 واجب سمجھتے ہیں پہلے یہ سوچیں کہ آیا وہ مارکس اور یلیس کی نسبت
 دانا اور بیکار ہیں۔ یعنی جتنی لیاقت و قابلیت اُس کو اپنے
 زمانہ میں تھی اُس سے بڑھ کر اُن کی لیاقت اس زمانہ کے لحاظ سے ہے۔

جو نسبت اُسکی ذہانت اور عقل کو اُس وقت کے لوگوں کی عقل کے آگے تھی اُس سے بڑھ کر انکی عقل آجکل کے لوگوں کے مقابلہ میں ہے۔ آیا وہ صداقت یافتہ کرئیے اُس سے زیادہ شائق ہیں۔ اور جب کوئی حقیقت معلوم ہو جائے تو اسے قائم رکھنے میں اور اُسکی ترویج میں اُس سے بڑھ کر ساعی ہو سکتے ہیں۔ جب تک کہ وہ لوگ اس قسم کے سوالوں سے اپنی تشفی نہ کر لیں تب تک انہیں ایک ایسے فعل کے ارتکاب سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے اُنکا اور اُنکی سوسائٹی یا اُن کے ہم خیالوں کا بجا تجربہ پایا جائے۔ یعنی اپنے آپکو غلطی سے منزہ سمجھنا۔ کیونکہ ان کو یاد رہے کہ ماد کس اور ملیش کے ایسے فعل سے دنیا کو کس قدر نقصان غلطی پہنچا۔ جو لوگ مذہبی آزادی کے خلاف ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ جن دلائل کے بموجب ایسی رائوں کے روکنے کی غرض سے جو خلاف مذہب ہوں لوگوں کو سزا دینا واجب ثابت ہوتا ہے انہیں دلائل سے مامور کس اور ملیش کا فعل بھی آرزو الصاف پسندیدہ سمجھا جائیگا۔ تو لاچار اُنکو ماننا پڑتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اپنی کے پھیلنے کا اسناد و عیسائیوں کے قتل کرئیے کے ذریعہ سے کیا وہ سچے تھے۔ نہ جانسن کا بھی اُن لوگوں کے ساتھ اتفاق ہے اور وہ کہتا ہے کہ مخالفین رائے کو اید اپنی اپنی مخالف رائے کی صحت کی کسوٹی ہے۔ کیونکہ اگر وہ سچی نہ ہوتو قبول کیا

فٹ نوٹ :- یہ ایک مشہور مصنف انگلستان کا ہے اسے بہت سی کتابیں نظم وثر ہیں

تصنیف کیں۔ لفظی کے لئے مشہور تھا۔ ۱۸۴۷ء میں مر گیا + مترجم

سپانچ کو آئین نہیں اُس راسے کے منعدم ہو جائیکہ کچھ خوف نہیں حالانکہ یہ فائدہ
نکل آتا ہے کہ اُس راسے کے ساتھ تبنی غلطیاں ملی ہوئی ہوتی ہیں اور جن کے
قائم رہنے سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے وہ سب رفع ہو جاتی ہیں۔ مذہبی آزادی
کے خلاف یہ ایک ایسی دلیل ہے جسکو ابھی گھٹ نظر انداز نہیں کرنا چاہئے *

جن اصحاب کی یہہ راسے ہے کہ مخالفین راسے کو قتل کرنے سے محاف
راسے کے نیست و نابود ہونے کا کچھ ڈر نہیں۔ اُن پر البتہ یہ الزام تو نہیں آسکتا
کہ وہ دریافت حقائق کے دشمن ہیں۔ مگر ہم اُن لوگوں کو جو جتنے احسان کا بار نفع
انسان کی گردن پر ہو گردن زدنی قرار دینا انصاف اور شرافت کے بالکل
خلاف سمجھتے ہیں * ایک ایسی بات دریافت کرنی جس سے دنیا کے لوگوں کا
کمال فائدہ متصور ہو اور جس کا علم پہلے کسی کو نہ ہو۔ یا ثابت کر دینا کہ تمام نوع انسان
کسوی دنیاوی یا روحانی مسئلہ پر غلط راسے رکھتے چلے آئے ہیں یہ ایسی باتیں
سے بڑھ کر کوئی اور بات نوع انسان کے لئے فائدہ مند نہیں۔ اور یہ ایک

انسان ہے جس سے بڑھ کر ایک شخص کوئی اور احسان اپنے ابنائے جنس پر
نہیں کر سکتا * جن اصحاب کا ڈاکٹر جانسن سے اتفاق ہے وہ یہہ تویم
کرتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے پھیلائیوالے اور قدیمی ریتکار واقعہ میں نبی آدم
کے مخنون میں سے تھے * ایسے فائدہ پہنچانیوالوں کو جان سے مار ڈالنا
اور انکو وہ عوض دینا جو بڑے شریر مجرموں کو نہایت قبیح افعال کا دیا جاتا

اس مسئلہ کے رو سے ایسی غلطی نہیں جو تمام نوع انسان کے لئے باعث شرم ہو۔ بلکہ اس طرح کا سلوک ہنارت واجب اور نقصانہ برتاؤ ہے۔ اس رائے کے بموجب موجودوں کے گلوں میں پھانسی لگی رہنی چاہئے جسکی رستی عام لوگوں اور حاکمان وقت کے ہاتھ میں رہے تاکہ اگر وہ انکی رائے سے فی الفور سنتے ہی اتفاق نہ کریں تو فوراً رستی کھینچ دی جائے۔ لو کرپٹس کے قانون کے مطابق پھر براؤ اور لوگوں سے کیا جاتا تھا جو کسی قانون کو جاری کرنے کی جرات کیا چاہتے تھے۔ جو لوگ اپنے مرتبوں سے اس طرح کا سلوک جائز رکھیں گے وہ انکی عمدہ باتوں کی اور انکی عنایات کی کیا قدر کریں گے۔ مگر میری رائے میں یہ خیال صرف انہیں لوگوں کا ہو سکتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں نئے مسائل کی ضرورت ہوگی اب ہم نے کافی ترقی کر لی ہے۔ اور نئی حقایق کے دریافت کی کچھ ضرورت نہیں۔

عظم ہوا

لیکن یہ قول کہ سانچہ پہن اور مخالفین رائے کو ایذا پہنچانے سے مخالف رائے کی صحت پر کبھی جاتی ہے ان کہاوتوں میں سے ہے جو زبان زد خاص عام ہوتی ہیں۔ مگر کبھی غلطی تجربہ سے صریحا ویدہا ثابت ہوتی ہے۔ تو اینچ میں ایسی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں جن میں مخالفین رائے کو قتل

فٹ نوٹ۔ لو کرپٹس یونان کی ایک قوم کا نام ہے جسے آٹھویں صدی میں ایک کالونی اٹلی کے جنوب مغرب میں سکونت پذیر ہونے لے بھیجی۔ اٹلی میں اس قوم کے ایک شخص نے ایک مجموعہ قوانین کا بنایا جسپر دت تک وہ لوگ عمل کرتے رہے۔ مترجم

کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس رائے کا نام و نشان ہی اُڑ گیا۔ اگر وہ رائے بالکل مندم نہیں ہوئی تو اُسکا دوبارہ اظہار صدیوں تک نہیں ہوا۔ مذہبی معاملات کی مثالیں لے لو۔ دیفارمیشن کا آغاز لو تو پھر سے پھلے کم از کم میں دفعہ ہوا ہوگا اور بیرون دفعہ عمل میں نہ آسکا۔ آرنالڈ آف برٹشیا کو روکا گیا۔

فٹ نوٹ :- دیفارمیشن اُس مذہبی اصلاح کا نام ہے جبکہ آغاز سولہویں صدی میں لو تو پھر سے ہوا اور جرتہ رتہ تمام یورپ میں پھیل گئی۔ لو تو پھر جرمنی کا باشندہ تھا اکیس برس کی عمر میں اس نے علمِ نغیرین اعلیٰ درجہ کا امتحان پاس کیا۔ اسکے بعد اسے انجیل کا مطالعہ بہت غور سے کیا اور اسے معلوم ہوا کہ رومن کیتھولک مذہب کے رسوم و احکام حضرت مسیح کی اصلی ہدایات سے بہت مختلف ہیں۔ بعد ازیں ہولی بیب سے اسکا مختلف معاملات میں تنازعہ ہوتا رہا۔ بہت سے لوگ پوپ کے ظلم سے تنگ آکر اور لو تو پھر کے دلائل کو صحیح سمجھ کر اسکا ساتھ دیتے رہے پوپ نے چاہا کہ سیطرے لو تو پھر میرے دباؤ میں آئیں لیکن اسے کچھ پرواہ نہ کی۔ پوپ نے پھر لو تو پھر کو خارج کر دیا۔ مگر وہ اسے بھی پرواہ نہ کی۔ اور رومن کیتھولک مذہب کے نقائص ظاہر نہیں مصروف رہا اور اسکے معاذین کی تعداد بڑھتی گئی۔ پھر رومن کیتھولک مذہب کی زبان میں کیا جن لوگوں نے اسکے بیان کئے ہوئے نقائص کو تسلیم کیا اور اسکے ترجمہ کو صحیح سمجھ کر اسے تسلیم کیا۔ مترجم

فٹ نوٹ :- آرنالڈ اٹلی کا رہنے والا تھا۔ اسے فرانس میں تعلیم پائی۔ یہ بارہویں صدی کے شروع میں گذرا ہے۔ اس زمانہ میں اسے لوگوں کو وہ نقائص سمجھائے جو پاپائیوں کی شرارت اور خود غرضی سے عیسائی مذہب میں پیدا ہو گئے تھے۔ اسکی تعلیم و تلقین کا یہ نتیجہ ہوا کہ اٹلی کے بہت سے لوگ پاپائیت کے خلاف برانگیختہ ہو گئے۔ اور ان میں بغاوت کے خیالات پھیل گئے۔ نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ آرنالڈ اٹلی سے جلا وطن کیا گیا۔ اسے یورپ کے بہت سے شہروں میں اپنے خیالات پھیلانے چاہتے لیکن اسے کہیں کامیابی نہیں سمٹی۔ آخر کار وہ مین اسکو پھانسی گئی اور اسکے لاش کو جلا دیا گیا۔ مترجم

سوڈنرولا۔ لولرٹروس۔ ہسٹنس۔ ان سب کو دینار میٹن کے خیالات پھیلانے سے بالجبر روکا گیا۔ بلکہ لو تھر کے زمانہ کے بعد بھی جن جن مقامات میں نئے مذہب والوں کو ایذا رسانی کا زور رہا دینار میٹن عمل میں نہ آ سکا۔ پین۔ اٹلی۔ فلنڈرس اور آسٹریا وغیرہ میں پروٹسٹنٹ مذہب کا مقبوضہ

فٹ نوٹ + سوڈنرولا اٹلی کا باشندہ تھا۔ تعلقات دینا دی چور کر عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ فلارنس کے شہر کا مشہور دماغ تھا۔ اسے اپنی تقریروں میں پادریوں کی شرارتوں اور رومن کیتھولک چرچ کے نقائص پر بہت زور دیا نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ پوپ نے اسکو خارج کر دیا۔ اور آخرین اُسکے لئے فتویٰ قتل دیا۔ مترجم

فٹ نوٹ + یہ فرقہ سترہویں ہولنڈ میں قائم ہوا اس فرقہ کے لوگ بیارون اور غریبوں کی دستگیری کرنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتے تھے۔ اور خود نہایت سادہ طور پر رہتے تھے۔ پادریوں کا فرقہ انکو کافر سمجھتا تھا اور ہر طرح کی ایذا پہنچاتا تھا۔ انگلستان میں بھی اس فرقہ کے لوگ پہنچ گئے اور پندرہویں صدی میں ان پر بہت ظلم ہوا۔ پھر انکا نام نشان بھی نہ رہا۔ مترجم

فٹ نوٹ + یہ نام جان ہس کے پیرن کا ہے۔ جان ہس آسٹریا کے ایک شہر جو ہیمیا کا رہنے والا تھا۔ اسکو کچھ غور کے بعد معلوم ہوا کہ رومن کیتھولک چرچ میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ اسنے رفع کرینکا اسنے ارادہ کیا۔ چنانچہ اسی کی کوشش سے پرگ کی یونیورسٹی میں جہاں اس نے تعلیم پائی تھی کچھ اصلاح عمل میں آئی۔ ہس کو پوپ نے روم میں طلب کیا اور جب اسنے وہاں جانے سے انکار کیا۔ تو اُسے اسے خارج کر دیا۔ لیکن ہس اپنے اصولوں کی ترویج میں مصروف رہا۔ پوپ نے اُسکو پھر طلب کیا اور جان بخشی کا وعدہ کیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اُس سے کہا گیا کہ تو اپنی رائوں کے پھیلانے سے باز آ۔ اسنے انکار کیا۔ اور باوجود وعدہ جان بخشی کے اُسے اعرین زندہ جلا دیا گیا۔ مترجم

بخوبی ہوا اور اگر ملکہ میرٹھی زندہ رہتی یا ملکہ الزبتھ مرجاتی تو انگلستان میں بھی بھی حال ہوتا * مخالفین رائے کو اذیت پہنچانے سے مخالف رائے کا استیصال عموماً ہر جگہ ہوا۔ البتہ وہاں نہیں ہوا جہاں مخالفین رائے نہایت زبردست اور طاقتور تھے۔ کوئی معقول شخص اس سے انکار نہیں کرے گا کہ سلطنت رومین عیسائی مذہب کی پوری طرح سیخ کنی ہو جاتی۔ اسکے پھیلنے کی وجہ بھی تھی کہ عیسائی مذہب کے پیروان کو ایذا پہنچانے کا حکم وقتاً فوقتاً دیا جاتا تھا۔ یعنی چھ حکم تھوڑے عرصہ کے لئے ہی ہوتا تھا۔ درباری عرصہ میں عیسائیوں کو اپنے مذہب کے پھیلانے کا موقعہ بخوبی مل جاتا تھا * یہ خیال محض بے بنیاد ہے کہ صحیح مسائل اور سچی رائوں میں فی نفسہ کوئی ایسی خوبی ہے کہ انکے ماننے والوں کو قتل کرنے سے ان مسائل اور ان رائوں کو کسی طرح کا زیان نہیں پہنچتا۔ اور غلط رائوں کے معاونوں کو قتل کرنے سے

فٹ نوٹ * ملکہ میری ہنری ہشتم کی بیٹی تھی۔ لیڈی جین گری کو مار کر تخت انگلستان پر بیٹھی اور فرقہ پریشنت والوں کو قتل کرینا حکم دیا۔ اسے پریشنت مذہب کے پیروں کو بہت ایذا پہنچائی۔ اسکی سلطنت صرف پانچ برس کے قریب رہی * مترجم

فٹ نوٹ * ملکہ الزبتھ۔ یہ ہنری ہشتم کی بیٹی تھی۔ میری کے بعد ۱۵۵۸ء میں تخت پر بیٹھی۔ اسے مذہبی اصلاح جو اس سے پہلے بالکل سدود تھی شروع کی۔ پریشنت مذہب والوں کی ہر حرکت حالت کی۔ اسکے وقت میں علوم و فنون کی بہت ترقی ہوئی۔ اسکے مشیروں میں زمانہ کے برگزیدہ آدمی شامل تھے۔ یہہاں کے ہم عصر تھے ۱۵۵۸ء میں تک سلطنت کر کے ۱۶۰۳ء میں مر گئی۔ کارڈینل ویشکپیٹر اسی کے زمانہ میں گذرے ہیں * مترجم

غلط رائیں معدوم ہو جاتی ہیں + لوگوں کو دریافت حقائق کا شوق غلط رائے
 اشتیاق سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور قانونی سزاؤں کا تقرر اسناد تریج رائے
 کے لئے عام اس سے کہ وہ رائے غلط ہو یا صحیح کافی ہے + اصل حقیقت
 صحیح رائے کی باقی رہنے اور غلط رائوں کے منعدم ہو جانے کی یہ ہے کہ
 صحیح رائوں کے پھیلنے کو اگر دو یا تین بار روک بھی دیں تو بھی کبھی نہ کبھی
 کوئی شخص انکو از سر نو دریافت کر لے گا۔ اور ممکن ہے کہ جب آئندہ کبھی کو
 شخص دریافت کرے تو پھر اس ظلم کا موقع نہ ملے اور رفتہ رفتہ بہت سے
 لوگ اس رائے کو ماننے لگ جائیں۔ یہاں تک کہ اسکی تریج کا اسناد مشکل ہو جائے +
 یہاں پر لوگ یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ حال کے زمانہ میں مخالفین رائے
 کو یا مختلف مذاہب کے پیروں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ ہم اپنے آبا و اجداد
 کی طرح پیغمبروں اور مصلحان قوم کو قتل نہیں کرتے بلکہ ہم انکی عزت کرتے ہیں +
 اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قتل کرنے کا دستور اب نہیں ہے۔ اور نہایت ناقص
 ناپسندیدہ رائوں کی ماننے والوں کے لئے بھی جس قسم کی سزائیں آجکل کے
 لوگ روا رکھتے ہیں وہ ایسی شدید اور سخت نہیں ہیں کہ ان سے ان رائوں اور
 مسائل کی بالکل بیخ کنی ہو + مگر مخالفین رائے کو ایذا دہانی کے درجہ سے
 ہماری تہذیب بالکل پاک بھی نہیں ہے۔ قانون کے رو سے ابھی تک بعض
 مسائل کو اور خصوصاً بعض خیالات کو ظاہر کرنا مجرم تصور کیا جاتا ہے۔ اور

اسکے لئے سزا میں بھی دیجاتی ہیں۔ اور جس طرح آجکل اُن تو عدالت پر عمل کیا جاتا ہے
 اُس سے امید کیجاتی ہے کہ اگر انکا تدارک اب نہ ہو تو کسی زمانہ میں اُن پر اور
 شدت سے عمل کیا جائیگا + ^{۱۷۵} ^{۱۷۶} ^{۱۷۷} ^{۱۷۸} ^{۱۷۹} ^{۱۸۰} ^{۱۸۱} ^{۱۸۲} ^{۱۸۳} ^{۱۸۴} ^{۱۸۵} ^{۱۸۶} ^{۱۸۷} ^{۱۸۸} ^{۱۸۹} ^{۱۹۰} ^{۱۹۱} ^{۱۹۲} ^{۱۹۳} ^{۱۹۴} ^{۱۹۵} ^{۱۹۶} ^{۱۹۷} ^{۱۹۸} ^{۱۹۹} ^{۲۰۰} ^{۲۰۱} ^{۲۰۲} ^{۲۰۳} ^{۲۰۴} ^{۲۰۵} ^{۲۰۶} ^{۲۰۷} ^{۲۰۸} ^{۲۰۹} ^{۲۱۰} ^{۲۱۱} ^{۲۱۲} ^{۲۱۳} ^{۲۱۴} ^{۲۱۵} ^{۲۱۶} ^{۲۱۷} ^{۲۱۸} ^{۲۱۹} ^{۲۲۰} ^{۲۲۱} ^{۲۲۲} ^{۲۲۳} ^{۲۲۴} ^{۲۲۵} ^{۲۲۶} ^{۲۲۷} ^{۲۲۸} ^{۲۲۹} ^{۲۳۰} ^{۲۳۱} ^{۲۳۲} ^{۲۳۳} ^{۲۳۴} ^{۲۳۵} ^{۲۳۶} ^{۲۳۷} ^{۲۳۸} ^{۲۳۹} ^{۲۴۰} ^{۲۴۱} ^{۲۴۲} ^{۲۴۳} ^{۲۴۴} ^{۲۴۵} ^{۲۴۶} ^{۲۴۷} ^{۲۴۸} ^{۲۴۹} ^{۲۵۰} ^{۲۵۱} ^{۲۵۲} ^{۲۵۳} ^{۲۵۴} ^{۲۵۵} ^{۲۵۶} ^{۲۵۷} ^{۲۵۸} ^{۲۵۹} ^{۲۶۰} ^{۲۶۱} ^{۲۶۲} ^{۲۶۳} ^{۲۶۴} ^{۲۶۵} ^{۲۶۶} ^{۲۶۷} ^{۲۶۸} ^{۲۶۹} ^{۲۷۰} ^{۲۷۱} ^{۲۷۲} ^{۲۷۳} ^{۲۷۴} ^{۲۷۵} ^{۲۷۶} ^{۲۷۷} ^{۲۷۸} ^{۲۷۹} ^{۲۸۰} ^{۲۸۱} ^{۲۸۲} ^{۲۸۳} ^{۲۸۴} ^{۲۸۵} ^{۲۸۶} ^{۲۸۷} ^{۲۸۸} ^{۲۸۹} ^{۲۹۰} ^{۲۹۱} ^{۲۹۲} ^{۲۹۳} ^{۲۹۴} ^{۲۹۵} ^{۲۹۶} ^{۲۹۷} ^{۲۹۸} ^{۲۹۹} ^{۳۰۰} ^{۳۰۱} ^{۳۰۲} ^{۳۰۳} ^{۳۰۴} ^{۳۰۵} ^{۳۰۶} ^{۳۰۷} ^{۳۰۸} ^{۳۰۹} ^{۳۱۰} ^{۳۱۱} ^{۳۱۲} ^{۳۱۳} ^{۳۱۴} ^{۳۱۵} ^{۳۱۶} ^{۳۱۷} ^{۳۱۸} ^{۳۱۹} ^{۳۲۰} ^{۳۲۱} ^{۳۲۲} ^{۳۲۳} ^{۳۲۴} ^{۳۲۵} ^{۳۲۶} ^{۳۲۷} ^{۳۲۸} ^{۳۲۹} ^{۳۳۰} ^{۳۳۱} ^{۳۳۲} ^{۳۳۳} ^{۳۳۴} ^{۳۳۵} ^{۳۳۶} ^{۳۳۷} ^{۳۳۸} ^{۳۳۹} ^{۳۴۰} ^{۳۴۱} ^{۳۴۲} ^{۳۴۳} ^{۳۴۴} ^{۳۴۵} ^{۳۴۶} ^{۳۴۷} ^{۳۴۸} ^{۳۴۹} ^{۳۵۰} ^{۳۵۱} ^{۳۵۲} ^{۳۵۳} ^{۳۵۴} ^{۳۵۵} ^{۳۵۶} ^{۳۵۷} ^{۳۵۸} ^{۳۵۹} ^{۳۶۰} ^{۳۶۱} ^{۳۶۲} ^{۳۶۳} ^{۳۶۴} ^{۳۶۵} ^{۳۶۶} ^{۳۶۷} ^{۳۶۸} ^{۳۶۹} ^{۳۷۰} ^{۳۷۱} ^{۳۷۲} ^{۳۷۳} ^{۳۷۴} ^{۳۷۵} ^{۳۷۶} ^{۳۷۷} ^{۳۷۸} ^{۳۷۹} ^{۳۸۰} ^{۳۸۱} ^{۳۸۲} ^{۳۸۳} ^{۳۸۴} ^{۳۸۵} ^{۳۸۶} ^{۳۸۷} ^{۳۸۸} ^{۳۸۹} ^{۳۹۰} ^{۳۹۱} ^{۳۹۲} ^{۳۹۳} ^{۳۹۴} ^{۳۹۵} ^{۳۹۶} ^{۳۹۷} ^{۳۹۸} ^{۳۹۹} ^{۴۰۰} ^{۴۰۱} ^{۴۰۲} ^{۴۰۳} ^{۴۰۴} ^{۴۰۵} ^{۴۰۶} ^{۴۰۷} ^{۴۰۸} ^{۴۰۹} ^{۴۱۰} ^{۴۱۱} ^{۴۱۲} ^{۴۱۳} ^{۴۱۴} ^{۴۱۵} ^{۴۱۶} ^{۴۱۷} ^{۴۱۸} ^{۴۱۹} ^{۴۲۰} ^{۴۲۱} ^{۴۲۲} ^{۴۲۳} ^{۴۲۴} ^{۴۲۵} ^{۴۲۶} ^{۴۲۷} ^{۴۲۸} ^{۴۲۹} ^{۴۳۰} ^{۴۳۱} ^{۴۳۲} ^{۴۳۳} ^{۴۳۴} ^{۴۳۵} ^{۴۳۶} ^{۴۳۷} ^{۴۳۸} ^{۴۳۹} ^{۴۴۰} ^{۴۴۱} ^{۴۴۲} ^{۴۴۳} ^{۴۴۴} ^{۴۴۵} ^{۴۴۶} ^{۴۴۷} ^{۴۴۸} ^{۴۴۹} ^{۴۵۰} ^{۴۵۱} ^{۴۵۲} ^{۴۵۳} ^{۴۵۴} ^{۴۵۵} ^{۴۵۶} ^{۴۵۷} ^{۴۵۸} ^{۴۵۹} ^{۴۶۰} ^{۴۶۱} ^{۴۶۲} ^{۴۶۳} ^{۴۶۴} ^{۴۶۵} ^{۴۶۶} ^{۴۶۷} ^{۴۶۸} ^{۴۶۹} ^{۴۷۰} ^{۴۷۱} ^{۴۷۲} ^{۴۷۳} ^{۴۷۴} ^{۴۷۵} ^{۴۷۶} ^{۴۷۷} ^{۴۷۸} ^{۴۷۹} ^{۴۸۰} ^{۴۸۱} ^{۴۸۲} ^{۴۸۳} ^{۴۸۴} ^{۴۸۵} ^{۴۸۶} ^{۴۸۷} ^{۴۸۸} ^{۴۸۹} ^{۴۹۰} ^{۴۹۱} ^{۴۹۲} ^{۴۹۳} ^{۴۹۴} ^{۴۹۵} ^{۴۹۶} ^{۴۹۷} ^{۴۹۸} ^{۴۹۹} ^{۵۰۰} ^{۵۰۱} ^{۵۰۲} ^{۵۰۳} ^{۵۰۴} ^{۵۰۵} ^{۵۰۶} ^{۵۰۷} ^{۵۰۸} ^{۵۰۹} ^{۵۱۰} ^{۵۱۱} ^{۵۱۲} ^{۵۱۳} ^{۵۱۴} ^{۵۱۵} ^{۵۱۶} ^{۵۱۷} ^{۵۱۸} ^{۵۱۹} ^{۵۲۰} ^{۵۲۱} ^{۵۲۲} ^{۵۲۳} ^{۵۲۴} ^{۵۲۵} ^{۵۲۶} ^{۵۲۷} ^{۵۲۸} ^{۵۲۹} ^{۵۳۰} ^{۵۳۱} ^{۵۳۲} ^{۵۳۳} ^{۵۳۴} ^{۵۳۵} ^{۵۳۶} ^{۵۳۷} ^{۵۳۸} ^{۵۳۹} ^{۵۴۰} ^{۵۴۱} ^{۵۴۲} ^{۵۴۳} ^{۵۴۴} ^{۵۴۵} ^{۵۴۶} ^{۵۴۷} ^{۵۴۸} ^{۵۴۹} ^{۵۵۰} ^{۵۵۱} ^{۵۵۲} ^{۵۵۳} ^{۵۵۴} ^{۵۵۵} ^{۵۵۶} ^{۵۵۷} ^{۵۵۸} ^{۵۵۹} ^{۵۶۰} ^{۵۶۱} ^{۵۶۲} ^{۵۶۳} ^{۵۶۴} ^{۵۶۵} ^{۵۶۶} ^{۵۶۷} ^{۵۶۸} ^{۵۶۹} ^{۵۷۰} ^{۵۷۱} ^{۵۷۲} ^{۵۷۳} ^{۵۷۴} ^{۵۷۵} ^{۵۷۶} ^{۵۷۷} ^{۵۷۸} ^{۵۷۹} ^{۵۸۰} ^{۵۸۱} ^{۵۸۲} ^{۵۸۳} ^{۵۸۴} ^{۵۸۵} ^{۵۸۶} ^{۵۸۷} ^{۵۸۸} ^{۵۸۹} ^{۵۹۰} ^{۵۹۱} ^{۵۹۲} ^{۵۹۳} ^{۵۹۴} ^{۵۹۵} ^{۵۹۶} ^{۵۹۷} ^{۵۹۸} ^{۵۹۹} ^{۶۰۰} ^{۶۰۱} ^{۶۰۲} ^{۶۰۳} ^{۶۰۴} ^{۶۰۵} ^{۶۰۶} ^{۶۰۷} ^{۶۰۸} ^{۶۰۹} ^{۶۱۰} ^{۶۱۱} ^{۶۱۲} ^{۶۱۳} ^{۶۱۴} ^{۶۱۵} ^{۶۱۶} ^{۶۱۷} ^{۶۱۸} ^{۶۱۹} ^{۶۲۰} ^{۶۲۱} ^{۶۲۲} ^{۶۲۳} ^{۶۲۴} ^{۶۲۵} ^{۶۲۶} ^{۶۲۷} ^{۶۲۸} ^{۶۲۹} ^{۶۳۰} ^{۶۳۱} ^{۶۳۲} ^{۶۳۳} ^{۶۳۴} ^{۶۳۵} ^{۶۳۶} ^{۶۳۷} ^{۶۳۸} ^{۶۳۹} ^{۶۴۰} ^{۶۴۱} ^{۶۴۲} ^{۶۴۳} ^{۶۴۴} ^{۶۴۵} ^{۶۴۶} ^{۶۴۷} ^{۶۴۸} ^{۶۴۹} ^{۶۵۰} ^{۶۵۱} ^{۶۵۲} ^{۶۵۳} ^{۶۵۴} ^{۶۵۵} ^{۶۵۶} ^{۶۵۷} ^{۶۵۸} ^{۶۵۹} ^{۶۶۰} ^{۶۶۱} ^{۶۶۲} ^{۶۶۳} ^{۶۶۴} ^{۶۶۵} ^{۶۶۶} ^{۶۶۷} ^{۶۶۸} ^{۶۶۹} ^{۶۷۰} ^{۶۷۱} ^{۶۷۲} ^{۶۷۳} ^{۶۷۴} ^{۶۷۵} ^{۶۷۶} ^{۶۷۷} ^{۶۷۸} ^{۶۷۹} ^{۶۸۰} ^{۶۸۱} ^{۶۸۲} ^{۶۸۳} ^{۶۸۴} ^{۶۸۵} ^{۶۸۶} ^{۶۸۷} ^{۶۸۸} ^{۶۸۹} ^{۶۹۰} ^{۶۹۱} ^{۶۹۲} ^{۶۹۳} ^{۶۹۴} ^{۶۹۵} ^{۶۹۶} ^{۶۹۷} ^{۶۹۸} ^{۶۹۹} ^{۷۰۰} ^{۷۰۱} ^{۷۰۲} ^{۷۰۳} ^{۷۰۴} ^{۷۰۵} ^{۷۰۶} ^{۷۰۷} ^{۷۰۸} ^{۷۰۹} ^{۷۱۰} ^{۷۱۱} ^{۷۱۲} ^{۷۱۳} ^{۷۱۴} ^{۷۱۵} ^{۷۱۶} ^{۷۱۷} ^{۷۱۸} ^{۷۱۹} ^{۷۲۰} ^{۷۲۱} ^{۷۲۲} ^{۷۲۳} ^{۷۲۴} ^{۷۲۵} ^{۷۲۶} ^{۷۲۷} ^{۷۲۸} ^{۷۲۹} ^{۷۳۰} ^{۷۳۱} ^{۷۳۲} ^{۷۳۳} ^{۷۳۴} ^{۷۳۵} ^{۷۳۶} ^{۷۳۷} ^{۷۳۸} ^{۷۳۹} ^{۷۴۰} ^{۷۴۱} ^{۷۴۲} ^{۷۴۳} ^{۷۴۴} ^{۷۴۵} ^{۷۴۶} ^{۷۴۷} ^{۷۴۸} ^{۷۴۹} ^{۷۵۰} ^{۷۵۱} ^{۷۵۲} ^{۷۵۳} ^{۷۵۴} ^{۷۵۵} ^{۷۵۶} ^{۷۵۷} ^{۷۵۸} ^{۷۵۹} ^{۷۶۰} ^{۷۶۱} ^{۷۶۲} ^{۷۶۳} ^{۷۶۴} ^{۷۶۵} ^{۷۶۶} ^{۷۶۷} ^{۷۶۸} ^{۷۶۹} ^{۷۷۰} ^{۷۷۱} ^{۷۷۲} ^{۷۷۳} ^{۷۷۴} ^{۷۷۵} ^{۷۷۶} ^{۷۷۷} ^{۷۷۸} ^{۷۷۹} ^{۷۸۰} ^{۷۸۱} ^{۷۸۲} ^{۷۸۳} ^{۷۸۴} ^{۷۸۵} ^{۷۸۶} ^{۷۸۷} ^{۷۸۸} ^{۷۸۹} ^{۷۹۰} ^{۷۹۱} ^{۷۹۲} ^{۷۹۳} ^{۷۹۴} ^{۷۹۵} ^{۷۹۶} ^{۷۹۷} ^{۷۹۸} ^{۷۹۹} ^{۸۰۰} ^{۸۰۱} ^{۸۰۲} ^{۸۰۳} ^{۸۰۴} ^{۸۰۵} ^{۸۰۶} ^{۸۰۷} ^{۸۰۸} ^{۸۰۹} ^{۸۱۰} ^{۸۱۱} ^{۸۱۲} ^{۸۱۳} ^{۸۱۴} ^{۸۱۵} ^{۸۱۶} ^{۸۱۷} ^{۸۱۸} ^{۸۱۹} ^{۸۲۰} ^{۸۲۱} ^{۸۲۲} ^{۸۲۳} ^{۸۲۴} ^{۸۲۵} ^{۸۲۶} ^{۸۲۷} ^{۸۲۸} ^{۸۲۹} ^{۸۳۰} ^{۸۳۱} ^{۸۳۲} ^{۸۳۳} ^{۸۳۴} ^{۸۳۵} ^{۸۳۶} ^{۸۳۷} ^{۸۳۸} ^{۸۳۹} ^{۸۴۰} ^{۸۴۱} ^{۸۴۲} ^{۸۴۳} ^{۸۴۴} ^{۸۴۵} ^{۸۴۶} ^{۸۴۷} ^{۸۴۸} ^{۸۴۹} ^{۸۵۰} ^{۸۵۱} ^{۸۵۲} ^{۸۵۳} ^{۸۵۴} ^{۸۵۵} ^{۸۵۶} ^{۸۵۷} ^{۸۵۸} ^{۸۵۹} ^{۸۶۰} ^{۸۶۱} ^{۸۶۲} ^{۸۶۳} ^{۸۶۴} ^{۸۶۵} ^{۸۶۶} ^{۸۶۷} ^{۸۶۸} ^{۸۶۹} ^{۸۷۰} ^{۸۷۱} ^{۸۷۲} ^{۸۷۳} ^{۸۷۴} ^{۸۷۵} ^{۸۷۶} ^{۸۷۷} ^{۸۷۸} ^{۸۷۹} ^{۸۸۰} ^{۸۸۱} ^{۸۸۲} ^{۸۸۳} ^{۸۸۴} ^{۸۸۵} ^{۸۸۶} ^{۸۸۷} ^{۸۸۸} ^{۸۸۹} ^{۸۹۰} ^{۸۹۱} ^{۸۹۲} ^{۸۹۳} ^{۸۹۴} ^{۸۹۵} ^{۸۹۶} ^{۸۹۷} ^{۸۹۸} ^{۸۹۹} ^{۹۰۰} ^{۹۰۱} ^{۹۰۲} ^{۹۰۳} ^{۹۰۴} ^{۹۰۵} ^{۹۰۶} ^{۹۰۷} ^{۹۰۸} ^{۹۰۹} ^{۹۱۰} ^{۹۱۱} ^{۹۱۲} ^{۹۱۳} ^{۹۱۴} ^{۹۱۵} ^{۹۱۶} ^{۹۱۷} ^{۹۱۸} ^{۹۱۹} ^{۹۲۰} ^{۹۲۱} ^{۹۲۲} ^{۹۲۳} ^{۹۲۴} ^{۹۲۵} ^{۹۲۶} ^{۹۲۷} ^{۹۲۸} ^{۹۲۹} ^{۹۳۰} ^{۹۳۱} ^{۹۳۲} ^{۹۳۳} ^{۹۳۴} ^{۹۳۵} ^{۹۳۶} ^{۹۳۷} ^{۹۳۸} ^{۹۳۹} ^{۹۴۰} ^{۹۴۱} ^{۹۴۲} ^{۹۴۳} ^{۹۴۴} ^{۹۴۵} ^{۹۴۶} ^{۹۴۷} ^{۹۴۸} ^{۹۴۹} ^{۹۵۰} ^{۹۵۱} ^{۹۵۲} ^{۹۵۳} ^{۹۵۴} ^{۹۵۵} ^{۹۵۶} ^{۹۵۷} ^{۹۵۸} ^{۹۵۹} ^{۹۶۰} ^{۹۶۱} ^{۹۶۲} ^{۹۶۳} ^{۹۶۴} ^{۹۶۵} ^{۹۶۶} ^{۹۶۷} ^{۹۶۸} ^{۹۶۹} ^{۹۷۰} ^{۹۷۱} ^{۹۷۲} ^{۹۷۳} ^{۹۷۴} ^{۹۷۵} ^{۹۷۶} ^{۹۷۷} ^{۹۷۸} ^{۹۷۹} ^{۹۸۰} ^{۹۸۱} ^{۹۸۲} ^{۹۸۳} ^{۹۸۴} ^{۹۸۵} ^{۹۸۶} ^{۹۸۷} ^{۹۸۸} ^{۹۸۹} ^{۹۹۰} ^{۹۹۱} ^{۹۹۲} ^{۹۹۳} ^{۹۹۴} ^{۹۹۵} ^{۹۹۶} ^{۹۹۷} ^{۹۹۸} ^{۹۹۹} ^{۱۰۰۰} ^{۱۰۰۱} ^{۱۰۰۲} ^{۱۰۰۳} ^{۱۰۰۴} ^{۱۰۰۵} ^{۱۰۰۶} ^{۱۰۰۷} ^{۱۰۰۸} ^{۱۰۰۹} ^{۱۰۱۰} ^{۱۰۱۱} ^{۱۰۱۲} ^{۱۰۱۳} ^{۱۰۱۴} ^{۱۰۱۵} ^{۱۰۱۶} ^{۱۰۱۷} ^{۱۰۱۸} ^{۱۰۱۹} ^{۱۰۲۰} ^{۱۰۲۱} ^{۱۰۲۲} ^{۱۰۲۳} ^{۱۰۲۴} ^{۱۰۲۵} ^{۱۰۲۶} ^{۱۰۲۷} ^{۱۰۲۸} ^{۱۰۲۹} ^{۱۰۳۰} ^{۱۰۳۱} ^{۱۰۳۲} ^{۱۰۳۳} ^{۱۰۳۴} ^{۱۰۳۵} ^{۱۰۳۶} ^{۱۰۳۷} ^{۱۰۳۸} ^{۱۰۳۹} ^{۱۰۴۰} ^{۱۰۴۱} ^{۱۰۴۲} ^{۱۰۴۳} ^{۱۰۴۴} ^{۱۰۴۵} ^{۱۰۴۶} ^{۱۰۴۷} ^{۱۰۴۸} ^{۱۰۴۹} ^{۱۰۵۰} ^{۱۰۵۱} ^{۱۰۵۲} ^{۱۰۵۳} ^{۱۰۵۴} ^{۱۰۵۵} ^{۱۰۵۶} ^{۱۰۵۷} ^{۱۰۵۸} ^{۱۰۵۹} ^{۱۰۶۰} ^{۱۰۶۱} ^{۱۰۶۲} ^{۱۰۶۳} ^{۱۰۶۴} ^{۱۰۶۵} ^{۱۰۶۶} ^{۱۰۶۷} ^{۱۰۶۸} ^{۱۰۶۹} ^{۱۰۷۰} ^{۱۰۷۱} ^{۱۰۷۲} ^{۱۰۷۳} ^{۱۰۷۴} ^{۱۰۷۵} ^{۱۰۷۶} ^{۱۰۷۷} ^{۱۰۷۸} ^{۱۰۷۹} ^{۱۰۸۰} ^{۱۰۸۱} ^{۱۰۸۲} ^{۱۰۸۳} ^{۱۰۸۴} ^{۱۰۸۵} ^{۱۰۸۶} ^{۱۰۸۷} ^{۱۰۸۸} ^{۱۰۸۹} ^{۱۰۹۰} ^{۱۰۹۱} ^{۱۰۹۲} ^{۱۰۹۳} ^{۱۰۹۴} ^{۱۰۹۵} ^{۱۰۹۶} ^{۱۰۹۷} ^{۱۰۹۸} ^{۱۰۹۹} ^{۱۱۰۰} ^{۱۱۰۱} ^{۱۱۰۲} ^{۱۱۰۳} ^{۱۱۰۴} ^{۱۱۰۵} ^{۱۱۰۶} ^{۱۱۰۷} ^{۱۱۰۸} ^{۱۱۰۹} ^{۱۱۱۰} ^{۱۱۱۱} ^{۱۱۱۲} ^{۱۱۱۳} ^{۱۱۱۴} ^{۱۱۱۵} ^{۱۱۱۶} ^{۱۱۱۷} ^{۱۱۱۸} ^{۱۱۱۹} ^{۱۱۲۰} ^{۱۱۲۱} ^{۱۱۲۲} ^{۱۱۲۳} ^{۱۱۲۴} ^{۱۱۲۵} ^{۱۱۲۶} ^{۱۱۲۷} ^{۱۱۲۸} ^{۱۱۲۹} ^{۱۱۳۰} ^{۱۱۳۱} ^{۱۱۳۲} ^{۱۱۳۳} ^{۱۱۳۴} ^{۱۱۳۵} ^{۱۱۳۶} ^{۱۱۳۷} ^{۱۱۳۸} ^{۱۱۳۹} ^{۱۱۴۰} ^{۱۱۴۱} ^{۱۱۴۲} ^{۱۱۴۳} ^{۱۱۴۴} ^{۱۱۴۵} ^{۱۱۴۶} ^{۱۱۴۷} ^{۱۱۴۸} ^{۱۱۴۹} ^{۱۱۵۰} ^{۱۱۵۱} ^{۱۱۵۲} ^{۱۱۵۳} ^{۱۱۵۴} ^{۱۱۵۵} ^{۱۱۵۶} ^{۱۱۵۷} ^{۱۱۵۸} ^{۱۱۵۹} ^{۱۱۶۰</}

بناءً اس بات پر ہے کہ جو شخص عاقبت کا قائل نہیں اُسے قسم دینا لامحالہ ہے۔
 اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی یہ رائے ہے وہ تو تاریخ سے محض ناواقف
 ہیں۔ کیونکہ تواریخ کے واقعات سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ کسی مذہب کے معتقد تھے
 اور خدا سے بھی منکر تھے۔ اُن میں سے اکثر دیانت داری اور نیک چلنی میں شہرہ آفاق
 تھے۔ جن لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ بہت سے نامور شخص جن کی قابلیت مسلم ہوتی ہو
 اور جو بہت نیک مشہور ہوتے ہیں۔ مذہبی عقیدہ کے پختہ نہیں ہوتے اور
 یہ حقیقت بہر کیف اُن کے راز داروں کو معلوم ہوتی ہے (وہ کبھی مذکورہ بالا اصول
 کو جس پر یہ قانون مبنی ہے نہیں مانیں گے) علاوہ بریں اس قاعدہ کی بناءً
 ایک ایسے اصول پر ہے جس سے اس قاعدہ کا ناقص ہونا بدیہاً ثابت ہو سکتا ہے
 خدا کو کذاب مانکر قانون مروجہ اُن لوگوں کی شہادت کو قابل اعتبار سمجھتا ہے جو منکر
 ہیں مگر جھوٹ بولنا رو رکھتے ہیں (یعنی قسم کھاتے ہیں) لیکن جو شامت اعمال
 سے اپنے منکر ہونیکا صاف اقرار کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو برا بھلا کہنے کو ہستے
 ہیں۔ مگر جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتے۔ اُنکی شہادت قابل پذیرائی نہیں ہے۔
 ایسا قاعدہ جسکے جاری کرنے سے اسکا اصلی مقصود ہی زائل ہو جاتا ہو۔ وضاحت
 قانون کی نہایت پست خیالی اور تنگ فطری ظاہر کرتا ہے۔ اسکے بموجب جزا
 منکروں اور محدود کو دیکھائی ہے۔ وہ ایسی سزا ہے کہ جس جرم کا ارتکاب ایک
 شخص کو اس سزا کا مورد بناتا ہے وہ جرم ہی مجرم کی بریت ثابت کرتا ہے۔

جس مسئلہ کے رو سے اس قاعدہ کو صحیح ماننا پڑتا ہے وہ مسئلہ خدا کے منکر ہونے اور معتقدوں و دونوں کو شرم دلانی والا ہے کیونکہ اگر وہ لوگ جو عاقبت کو نہیں ملتے۔ ہر حالت میں کذاب و دروغگو ہوتے ہیں۔ تو وہ اشخاص خاص عجم جات کے قائل ہیں اگر جھوٹ نہیں بولتے تو صرف دوزخ کے در سے۔ اور انکو جھوٹ سے ذاتی نفرت نہیں + جن لوگوں نے یہ قانون بنایا ہے ہم انکا جی دکھانا نہیں چاہتے۔ اور اسلئے ہم فرض نہیں کرتے کہ وہ خود اس قسم کی باتوں کو عیسائی مذہب کی اخلاقی ہدایات کا نتیجہ سمجھتے ہیں +

یہ باتیں پُرانے زمانہ کے ظلم و قہر کا ایک شتمہ ہیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لوگوں کی طینت میں ظلم و قہر کی جو قائم ہے۔ بلکہ یہ انگریزوں کی مستقل مزاجی کی ایک بڑی عمدہ مثال ہے۔ یہ لوگ نہایت خوشی کے ساتھ ایک بد اصول کی تباہی کرتے ہیں۔ لیکن پھر اپنی شرافت سے مجبور ہو جاتے ہیں اور اس پر پورا عمل نہیں کر سکتے + افسوس ہے کہ موجودہ نسل کے لوگوں کی حالت ایسی نہیں ہے جس سے ان بد اصولوں پر کار بند نہ ہونے کی بہت کچھ امید کی جائے۔ جنہو لوگ پہلے عمل کیا کرتے تھے + آجکل کے لوگ لکیر کے فقیر ہیں۔ پُرانے زمانہ کی بُرائیوں کو از سر نو رائج کر نیچے ویسے ہی خلاف ہیں جیسے نئی باتوں کو جو با اصلاح قوم ہوں + آجکل مذہبی عقائد کے پھیلانے یا زندہ کر نیچے منہ تنگ نظر شخصوں کی رائے میں یہ ہیں کہ شغضب اور کیٹریز خیالات کو پھیلایا جائے +

اور جہاں لوگوں کے دلوں میں تعصب کی بنیاد قائم ہے جیسا کہ اس ملک کے متوسط درجہ کے لوگوں میں وہاں انہیں غیر مذہب والوں کو اذیت پہنچانے پر براگتجہ کرنا جنہیں وہ اب تک واجب الایمان خیال کرتے ہیں چندان مشکل نہیں۔ کیونکہ لوگ اپنے مخالفین رائے کو جو کچھ سمجھتے ہیں اور انکو جس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُس سے پایا جاتا ہے کہ اس ملک میں آزادی رائے محال ہے۔ مدت سے تعزیراتی قوانین میں یہ نقص چلا آیا ہے کہ جن باتوں کو سوسائٹی برا سمجھتی ہے۔ انہیں کو قانون بھی مستوجب سزا قرار دیتا ہے۔ سوسائٹی میں بدنام ہونے کا ڈرا یا سزا بردست ہو۔ کہ انگلستان میں ان خیالات کا اظہار جن کو سوسائٹی مکروہ سمجھے بہت شاذ و نادر ہے۔ یہاں تک کہ دیگر ممالک میں لوگ ان قانون کے ظاہر کرنے سے جتنکا ظاہر کرنا قانوناً جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اتنا نہیں جھجکتے۔ سوائے ان لوگوں کے جو اپنی تمول کی وجہ سے دوسروں کی تعریف کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور سب کو سوسائٹی کا اُستاد ہی ڈرتے ہیں جتنا کہ قانون کا۔ عوام کے لئے حصول معاش کا ذریعہ سد و کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کو قید کرنا۔ جنکو حصول معاش کا کچھ کس کر نہیں۔ اور جو اپنے سے زبردست غرقے یا پبلک کی مہربانیوں کے محتاج نہیں۔ انہیں تو اپنے خیالات ظاہر کرنے کے کچھ اندیشہ نہیں۔ اگر انہیں کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے تو یہ ہے کہ لوگ ان کی مذمت کریں اور انکو برا کہیں۔ اور اس نقصان کو پہننے کے لئے کچھ بڑا حوصلہ درکار نہیں۔ اگرچہ ہم مخالفین رائے پر اتنا ظلم نہیں کرتے جتنا کہ

پہلے اُن پر کیا جاتا تھا۔ لیکن جس قسم کا سلوک اب ہم اُن سے روا رکھتے ہیں ممکن ہے کہ اُس سے بھی ہمیں اتنا ہی نقصان پہنچتا ہو جتنا کہ پہلے پہنچتا تھا۔ سقراط تو قتل کیا گیا۔ لیکن سقراط کا فلسفہ دنیا میں آفتاب کی طرح چمکا۔ عیسائیوں کو تو پھانسی ملی لیکن عیسائی مذہب کے درخت نے ایسی نشوونما پائی کہ اُس کی ترقی سے باقی کے سب چھوٹے چھوٹے پودے بالکل مڑ جھگئے۔ حال کے زمانہ کے متعصبانہ سلوک سے کسی کی جان تلف نہیں ہوتی۔ اور نہ مخالفین رائے کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ لیکن اس سے اتنا ہو جاتا ہے کہ لوگ اپنی رائوں کو ایسے پیڑ میں بیان کرتے ہیں کہ جس سے اُنکے مبصرون کو اُن سے کسی قسم کی نفرت پیدا نہ ہو بنا برآں اُن کی اصلی رائیں ظاہر نہیں ہوتیں اور نہ کسی کی اتنی ترقی ہوتی ہے کہ اُن رائوں کو عام میں بھیلایئے۔ امتداد زمانہ کا اثر اُن لوگوں پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ نہ تو وہ بالکل مُعَدَم ہو جاتی ہیں۔ اور نہ وہ اس قدر عام ہو جاتی ہیں کہ انکی بنا مستحکم ہو جاوے۔ چند دائروں تک ہی وہ خبیالات محدود رہتے ہیں اور عام معاملات انسانی پر انکا اثر نام کو بھی نہیں ہوتا۔ سوسائٹی کی یہ حالت بعض لوگوں کے مطبوع طبع سے۔ کیونکہ بغیر اسکے کہ مخالفین رائے کو کسی قسم کی قانونی سزا کا مورد بنایا جائے۔ عام پسند رائوں سے بظاہر کوئی شخص اختلاف نہیں کرتا۔ اگرچہ بعض اشخاص جنکو غور و فکر کا مرض ہے دل سے اُن رائوں کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنا اختلاف دو دستوں کے اٹگے ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔

مگر اس سے لوگوں کے خیالات میں تبدیلی ہونے نہیں پاتی۔ اور بحث مباحثہ سے جو لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ظاہر ہونے نہیں پاتے اور ایک طرح کا امن و چین قائم رہتا ہے۔ لیکن اس فائدہ کے حاصل کرنے سے جو نقصانات عظیم پیدا ہوتے ہیں وہ ان فوائد سے بڑھ کر ہیں۔ یعنی لوگوں میں زمانہ سازی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور ان میں اپنے سچے خیالات کے ظاہر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی جرات بالکل نہیں رہتی۔ انجام کا یہہ ہوتا کہ بہت صاحب خیال اور ذی عقل شخص بھی مصلحت اسی میں دیکھتے ہیں۔ کہ اپنے اصول کو اپنے دل میں ہی رکھیں۔ اور اگر اپنے خیالات کو عام لوگوں پر ظاہر کریں تو شہی المقدور ان خیالات کا ایسے اصول پر مبنی ہونا جتنا میں کہ حسبِ خود یقیناً غلط سمجھتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہی ہے کہ دلیری نازک خیالی مقول سندھی استقلال اور خیالات و افعال کی مطابقت جو پچھلے لوگوں میں پائی جاتی تھی حال کے لوگوں میں نہیں پائی جاسکتی۔ اس حالت میں جس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ یا تو عام خیالات کی پیروی اپنا اعلیٰ منہض سمجھتے ہیں۔ یا زمانہ سازی پر آمادہ ہوتے ہیں کسی مضمون کے متعلق انکے خیالات اس قسم کے نہیں ہوتے جنہیں وہ معقول سمجھتے ہیں بلکہ اس قسم کے کہ جن سے وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو خوش کرنے کی توقع کر سکتے ہیں۔ جنہیں یہہ دور وانی منظور نہیں وہ عموماً دستی اور مشکل معاملات پر غور کرنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں کرتے۔ اور عام

کو بھی بلحاظ اصول نہیں دیکھتے جس قسم کی عام باتوں پر وہ اپنے خیالات محدود کرتے ہیں وہ تو اس قسم کی ہیں کہ اگر لوگ عالی دماغ اور وسیع خیال ہوں تو انہی رائیں میں معاملات میں خود بخود ہی صحیح ہو جائیں۔ جب تک لوگوں کے قواسم عقلی میں ترقی نہ ہوگی ان کی رائیں عام معاملات میں بھی جیسا کہ چاہئے صحیح نہیں ہوں گی اور اگر صحیح بھی ہوں گی تو لوگ ان پر پوری طرح سے عمل نہیں کر سکیں گے۔ مگر طرہ یہ ہے کہ مباحثہ عام اور مشکل مسائل پر خیالات ظاہر کرنے کی آزادی جو عالی دماغ اور وسیع خیال بنائیکے بہت بڑے وسائل میں متروک ہیں۔

جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ مخالفین غیب کو خیالات کے ظاہر کر کے آزادی نہیں مانی چاہئے۔ انہیں سمجھنا چاہئے کہ اگر انہی رائے پر عمل کیا جائے تو مخالف رائوں پر بحث کرنے کا اور انہی تردید کا موقعہ نہیں ملے گا۔ اور اگر وہ رائیں ایسی ہیں کہ مخالفین کو بحث سے ان رائوں کی غلطی سمجھا سکتے ہیں۔ تو بھی مباحثہ کے اسناد سے وہ رائیں بالکل معدوم نہیں ہو جائیں گی۔ لیکن اس تحقیقات و مباحثہ کے روکنے سے جس سے عقلی یا مذہبی مسائل مردہ کی مانند نہ ہو صرف مخالفین ہی کا یہ نقصان نہیں ہوتا کہ وہ چاہے ضلالت میں پڑے رہتے ہیں بلکہ معاشرین کا بھی بڑا ہرج ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انفرامیشک کہلاتا ڈرائنگ وسیع خیال ہونے کو روک دیتا ہے۔ بہت سے بد ذہن شخص جن میں بہت دلیری نہیں پائی جاتی ہے سوسائٹی کے ڈر سے ان خیالات پر غور ہی نہیں کرتے

جنہر خوض کرنے سے کوئی ایسا مسئلہ نہ نکل آئے جو عام اخلاقی مسائل کے برخلاف ہو۔ یا جو سوسائٹی کے مذہبی عقاید کی تردید ثابت کرے۔ اس سے جو نقصان دنیا کو ہوتا ہے اُس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ایسے شخص اگر ذہین اور نیک الطبع ہوتے ہیں اور اپنے خیالات کے مطابق عمل کرنا پسند کرتے ہیں۔ تو تمام سہر اسی کوشش میں بسر کر دیتے ہیں کہ کسی طرح سے مروجہ اخلاقی مسائل کی صحت کو دلائل سے ثابت کر دیں جس سے سوسائٹی میں بھی نیک نام رہیں اور دلیل عقل کے خلاف فعل کرنے کی تکلیف بھی نہ سہیں۔ ایسے شخص اپنی کوششوں میں ناکامیاب رہتے ہیں اور انہی تمام عمر اور عقل اکی نامکن مسئلہ کے حل کرنا میں ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ جس شخص کا یہ خیال نہیں ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو مجھے اپنی عقل و فکر کے مطابق عمل کرنا چاہئے وہ عالی دماغ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ ہر ایک عقلمند کو اپنی عقل کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ جو شخص بڑی توجہ سے ہر ایک معاملہ کو خود سوچتا ہے اُس سے اگر غلطی بھی ہو جائے تو صداقت کو اتنا صدمہ نہیں پہنچتا جتنا کہ اُس شخص کی صحیح رائے سے جو اپنی رائے کی صحت کی وجہ نہیں جانتا یا جاننے کی پرواہ نہیں کرتا۔ آزادی رائے کے بند کرنے سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ اعلیٰ درجہ کے روشن دماغ اور وسیع خیال شخصوں کا جو عقائد ہو جاتا ہے۔ بلکہ اوسط درجہ کے سوچنے والے بھی اُس درجہ تک ترقی نہیں کر سکتے جہاں ترقی کر سکتے وہ قابل ہیں۔ اظہار خیالات کی آزادی کا سب سے زیادہ فائدہ

تو یہی ہے کہ عام آدمیوں کی ترقی میں بہت مدد ملی ہے۔ اکیسا ایسی قوم میں جہاں عام لوگ بالکل لکیر کے فقیر ہوں۔ چند افراد کا وسیع خیال اور روشن دماغ ہو ممکن ہے۔
 لیکن جہاں مباحثہ عام کی کمال طور پر اجازت نہیں وہاں قوم کی قوم خیالات میں عمدہ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کسی قوم نے کبھی کچھ عرصہ تک ترقی کی بھی ہے تو اُس زمانہ میں عام پسند رایوں کے خلاف کہنے کا خوف کچھ عرصہ کے لئے لوگوں کے دلوں سے اٹھ گیا تھا۔ جہاں ذرا بھی لوگوں کے دلوں میں اس خیال کی بنیادی جاتی ہو کہ اصولِ مسلمہ پر مباحثہ نہیں کرنا چاہئے اور بہت کمیتیں معاملات پر غور و بحث کرنی مناسب نہیں۔ وہاں خیالات کا وہ چرچا جس سے زمانہ سلف کی بعض قوموں کو فخر حاصل تھا نہیں پایا جاتا۔ جب کبھی بڑے دستیں اور ضروری معاملات پر بحث کرنا جس کے لوگوں کے دلوں میں بہت جوش پیدا ہو۔ نامناسب سمجھا گیا۔ عام لوگوں کے خیالات میں کچھ ترقی نہیں ہوئی۔ اور وہ جوش ظاہر نہیں ہوا جس سے اوسط درجہ کے آدمی بھی یہاں تک ترقی کر جائیں کہ اہل خیال یا اہل الزام کے کہلانیکے مستحق ہو سکیں۔
 مہاراشٹیش کے بعد یورپ کی جو عمدہ ترقی پذیر حالت تھی اور اس سے جو فوائد نکلے وہ ہمارے قول کی تائید کی بڑی عمدہ مثالیں ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے حصہ آخری میں انگلستان کے سودا گیر ملک یورپ کے تہذیب لوں نے خیالات کے بارہ میں وہ جوش و خروش ظاہر کیا جس سے بڑے عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔ اور یہ بھی اسی خیال کی تائید کی دوسری مثال ہے۔ جرمنی میں گرنجہ

اور فکتنی کے جہد میں لوگوں کے خیالات میں جو انقلاب پیدا ہوا تھا اس کے واقعات بھی ہماری رائے کی صحت ثابت کرتے ہیں۔ یہ تین ٹائمن ایک ہی زمانہ کے واقعات نہیں ہیں۔ اور ہر دفعہ مختلف قسم کے خیالات نے ترقی پائی وجہ صرف یہی تھی کہ ان تینوں حالتوں میں حاکمان وقت کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت آزادی رائے یا آزادی اظہار رائے کے بارہ میں نہیں تھی۔ یورپ جس درجہ تہذیب کو پہنچا ہوا ہے یہ اسی زمانہ کی آزادی کا نتیجہ ہے جس قسم کی ترقی دیکھتے ہو کیا لوگوں کی عقل میں کیا نئے خیالات میں اور کیا مختلف اسٹیڈنٹوں میں یہ سب تینوں واقعات میں سے ہی ایک نہ ایک کا نتیجہ ہیں۔ اب یہ صورت دکھائی دیتی ہے کہ تینوں دفعہ کے انقلاب کا اثر زائل ہونے لگا ہے۔ اسے ضروری ہے کہ ہم اپنی آزادی خیالات کا استحقاق پھر ظاہر کریں اور از سر نو ہماری رفتار ترقی کی جانب شروع ہو۔

اب ہم شوق دوم کو لیتے ہیں اور یہ فرض کرتے ہیں کہ مرد و عورتیں اور مسلمہ اصول غلط نہیں بلکہ واقع میں صحیح اور درست ہیں لوگوں کو ایسی راہوں کے خلاف کہنے کی اگر اجازت نہ ہو اور انہی صحت مباحثہ کے ذریعہ سے نہ پرکھی جائے تو دیکھنا چاہئے کہ انہی کی کیا حالت ہو۔ اگر ایک شخص کی صحت کا تشخیص کو یقین کامل ہو تو بھی اسکو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر عام لوگوں کو اس رائے پر اپنے اپنے خیالات ظاہر کرنے کی پوری آزادی نہیں ہے تو لوگوں کو ان دلائل کا علم ہو اس رائے

کی صحت ثابت کرنے کے لئے بیان کی جاسکتی ہیں نہ رہیگا۔ وہ مخالفین کے اعتراضوں کے جواب بھی بھول جائیں گے اور اُس رائے کو دیکھا داکھی صحیح ماننے لگیں گے۔

ایسے لوگ بھی ہیں جنکا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص اُس رائے کو جسے وہ صحیح سمجھتے ہیں ماننا ہے تو کافی ہے۔ خواہ وہ اُن دلائل سے واقف نہ ہو جن سے اُس رائے کی صحت ثابت ہو اور ایسے معترضوں کے سامنے بھی جو معمولی درجہ کی لیاقت رکھتے ہوں اپنی رائے کی صحت نہ بھاسکے۔ اگر ایسے شخصوں کے یقیناً اُن لوگوں کے یقین کا نتیجہ میں جتنی لیاقت مستند سمجھی جاتی ہے تو وہ اپنی رایوں پر مباحثہ کرنا نہیں چاہتے اور سمجھتے ہیں کہ مباحثہ سے بجائے فائدہ کے نقصان عظیم واقع ہوتا ہے۔ ایسے شخص حتی المقدور مسلمہ رائوں کو دلیل و مباحثہ سے رد ہونے نہیں دیتے۔ لیکن اگر بعض شخص بے سوچے سمجھے مرتجہ رایوں کے معاون کے جوابات سننے بغیر اُن رائوں کو غلط قرار دین تو وہ کیا کر سکتے ہیں؟ کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ مخالف رائے کا چرچا بالکل بند ہو جائے۔ اور جب ایک دفعہ لوگوں میں اُس کا چرچا جاری ہوا تو پھر جن شخصوں نے مسلمہ رایوں کو بے سوچے سمجھے مانا ہوا ہے وہ مخالف رائے کو اور بھی آسانی سے مان لیتے۔ بالغرض اگر اُس صحیح رائے کی صحت کا یقین لوگوں کے دلوں میں ایسا جاگزیں ہے کہ اُن پر دلائل و اعتراضات کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ تو بھی ہمارا یہ اعتراض ہے کہ انسان کو جو ہر عقل حلا ہوا ہے۔ اس طرح بے سوچے سمجھے اور ہٹ دھرمی سے ایک بات

انے جانا شایان نہیں۔ صداقت کے ماننے کا یہ طریق نہیں، بے سوچ سمجھ کر کسی رائے کو مان لینا۔ خواہ وہ صحیح ہی ہو۔ ایسا ہے۔ جیسے کسی خیالی بات کو جو واقعہ میں محض بے بنیاد ہو صحیح مانا۔ اگر فرق ہو تو یہ ہے کہ صورت اول میں کو اگر الفاظ کے ذریعہ سے بیان کریں تو سمجھنے والوں کو سننے سے فائدہ ہو جائیگا۔

اگر انسان کا یہ پس منظر ہے کہ وہ اپنی عقل و فکر کی ترقی میں ہی کرے تو پھر ایسے ضروری مسائل کی تحقیقات میں توجہ صرف کرے جس پر کچھ نہ کچھ رائے رکھنا ہر ایک فرد بشر کے لئے واجب اور کیا بہتر ہو سکتا ہے؟ اور کون سے مسائل السنو بڑھکر قابل توجہ کہلائے جاسکتے ہیں؟ خیالات کی ترقی کا سب سے عمدہ اور اعلیٰ وسیلہ یہی ہے کہ اگر انسان ایک رائے کو صحیح مانے تو ان دلائل سے بھی آگاہ ہو جن سے وہ رائے صحیح ثابت ہو سکے۔ بعض معاملات ایسے ضروری ہیں کہ ان میں صحیح رائے رکھنا ہر ایک شخص کا فرض ہے۔ پس ایسے معاملات میں جس شخص کی جو رائے ہو اُسکے ساتھ یہی ہونا چاہئے کہ وہ مخالفین کے معمولی اعتراضات کا جواب دیکھے۔ ہمارے معترض کہہ سکتے ہیں کہ مباحثہ عام کی کچھ ضرورت نہیں۔ ہر ایک شخص کو وہ دلائل بھی سکھا دینی چاہئیں جن سے اُسکی رائوں کی صحت ثابت ہو۔ اگر کسی رائے پر مباحثہ عام نہیں ہوتا تو بھی لوگ بے سوچ سمجھے اُس رائے کو نہیں مانتے۔ سوچ سمجھ کر کسی رائے کو ماننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان رایوں پر مباحثہ عام ہی ہو۔ چنانچہ جو لوگ اقلیدس پڑھتے ہیں

صرف اقلیدس کے مسائل کو ہی از بر نہیں کر لیتے ہیں۔ دلائل بھی نہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہ کہنا محض لغو ہے کہ چونکہ وہ مخالفین کے اعتراضات نہیں سنتے اور کسی کو اقلیدس کی دلائل کو رد کرتا ہوا نہیں دیکھتے اسلئے وہ اُن دلائل سے آگاہ نہیں۔ جن سے کہ اقلیدس کے مسائل صحیح ثابت ہو سکتے ہیں۔ بیشک اس طرح کی تعلیم علم ریاضی میں ہو سکتی ہے۔ جس میں کہ مخالفین رائے کو اعتراضات کی گنجائش نہیں۔ صرف ریاضی کے مسائل ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ یک طرفہ دلائل بیان کرنی پڑتی ہیں۔ یعنی کسی دعوے کو صحیح ثابت کرنے میں یہ ضروری نہیں کہ اعتراضات بھی بیان کئے جاویں اور اُن اعتراضات کے جواب بھی دئے جاویں۔ کیونکہ اُن پر اعتراضات ہو ہی نہیں سکتے۔ لیکن جس معاملہ میں اختلاف رائے کا موقعہ ہے۔ تو تہجائی کے تارنے کا صرف یہ ہی طریق ہے کہ ہر ایک رائے کا باہم مقابلہ کر کے اُن کی صحت کا اندازہ کیا جائے۔ علم طبعی میں بھی جس کا تعلق زیادہ تر ایسے واقعات سے ہر جگہ عین مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی وجہ وقوع کئی طرح سے بیان ہو سکتی ہے اور ایک خاص مسئلہ کی صحت ثابت کر نیچے لئے یہ ضروری ہے کہ مخالف مسئلہ کی تردید کی جائے اور بتایا جائے کہ دوسرا مسئلہ کیوں درست نہیں ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہیں کہ دوسرا مسئلہ کس طرح غلط ثابت ہو سکتا ہے تو ہکو اُن دلائل سے پوری آگاہی نہیں جن سے ہمارا دعوے صحیح ثابت ہوتا ہے۔ لیکن علم اخلاق

نہیب۔ سیاست مدن۔ سیاست منزل۔ اور دنیاوی معاملات روزمرہ کے مسائل ایسے مشکل اور پیچیدہ ہوتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ کو ثابت کرنا چاہیں اُدِّ دلائل بیان کریں۔ تو اُن میں سے قریب تین چوتھائی کے معترضین کے جوابات ہوتے ہیں۔ اور دیگر مسائل کو غلط ثابت کرنے میں بیان کی جاتی ہیں۔ * زمانہ سلف کے ایک بڑے فصیح مقرر کا قول ہے کہ میں اپنے مخالفین کی رائے پر اپنی رائے کی بنیاد اگر زیادہ نہیں تو کم تو جہ سے بھی غور نہیں کرتا ہوں۔ پس جو لوگ صداقت پسند ہیں اور سچائی کو نثارنا چاہتے ہیں اُن کو سسر کی اس نصیحت پر عمل کرنا چاہئے * جس شخص کو کسی معاملہ کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ اُسکے مخالفین کی کیا رائے ہے۔ اُسے اُس معاملہ کی کچھ بھی خبر نہیں * مانا کہ اُسکی اپنے دلائل ایسی ہیں جنہیں اور لوگ رد نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر وہ بھی رائے مخالف کو رد نہیں کر سکتا۔ اگر اُسے اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ اُسکے مخالفین کی کیا دلائل ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو ترجیح دے * عقل تو یہی چاہتی ہے کہ وہ خاموش رہے اور اس معاملہ میں درک ہی نہ دے۔ لیکن اگر باوجود اسکے وہ کسی رائے یا مسئلہ کو ترجیح دیتا ہے

فٹ نوٹ * بیان مفسرہ کی طرف اشارہ ہے جو سچ سے ایک سوچہ برس پہلے پیدا ہوا اور ۶۳ برس کی عمر میں مر گیا۔ تہ دعا کا ایک بڑا فصیح مقرر تھا۔ سلطنت جمہوری کو اپنا ملک میں رواج دیا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے اُسکے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے آئندہ کارائے اردالا * مترجم

تو اسکے ترجیح دینے کی وجہ سوا اسکے اور کیا ہو سکتی ہے کہ یا تو اسکی طبیعت کا میلان ایک خاص رائے کی طرف ہے اور یا وہ اس بات کو دیکھتا ہے کہ زمانہ کے بزرگ اور ذی غرت یا زمانہ کے عقلمند لوگ کس طرف ہیں + جس کے یہہ معنی ہیں کہ وہ اپنی عقل سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ دوسروں کی خواہ مخواہ پیروی کرتا ہے + یہہ بھی کافی نہیں ہے کہ وہ مخالفین کے اعتراضوں کو اُلجھ کون کی بات سے سننے جو خود متراضون کے مخالف ہوں اور جو ساتھ ہی اُن اعتراضوں کے جواب بھی پیش کر دیں۔ اس طرح معترضین کی دلائل کی رقت کا حقہ معلوم نہیں ہوتی + یہہ اعتراضات اُن سے سننے چاہئیں جو رائے مخالف کو مانتے ہوں اور اسکی صحت ثابت کرنے کے لئے ہر طرح سے تیار ہوں + جس معقول ترین پیرایہ میں وہ اپنی دلائل بیان کر سکیں اُس پیرایہ میں ہی اُن دلائل کو سننا اور اُنکے مشکل اعتراضات کا جواب دینا مناسب ہے۔ ورنہ اُسکو اُن جوابات کا علم کبھی حاصل نہ ہوگا اور اصلی رائے کی صداقت کا دل پر دیا اثر نہ ہوگا جیسا کہ ہونا چاہئے + آجکل کے تعلیم یافتگان میں سے سو میں ننانوین اس حالت میں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو اپنے مسائل کی دلائل سے بغا ہر آگاہ معلوم ہوتے ہیں۔ مخالفین کے اعتراضات کا علم بھی نہیں رکھتے + ممکن ہے کہ اُنکے مسائل صحیح ہوں۔ لیکن یہہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُنکے معترضین ایسے اعتراضات پیش کریں جنکی اُنکو خبر بھی نہ ہو۔ اور جو اُنکے نتائج عقلی کو

غلط ثابت کریں۔ * اُنھوں نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ وہ اُن لوگوں کی حالتِ دلی دریافت کریں جنکا اُن سے اختلاف ہے۔ اور یہہ سوچیں کہ اُنکے معترضین اس مسئلہ میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُنکو اپنے مسئلہ کی ہی پوری خبر نہیں۔ یعنی اُنکو اپنے مسئلہ کا وہ حصہ معلوم نہیں جس سے اُنکے مخالفین کا اعتراض باطل ہو سکے یا جسکے ظاہر کر نیسے اُن کا اور اُنکے معترضین کا اختلاف دور ہو سکے اور دونوں کی رائیں کسی حد تک صحیح ثابت ہوں۔ * اُنکو ان دلائل کا علم نہیں ہوتا جن سے ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دے سکیں۔ اور جو ایسے شخص کی رائے کو بدل سکیں جس نے ہر طرح کی معلومات حاصل کی ہوں۔ * ان دلائل کا علم صرف انہیں کو ہوتا ہے جنہوں نے طرفین کی وجوہات کو معقول ترین پیرایہ میں انصاف کی نظر سے اور تعصب کے دور کر کے دیکھا ہو۔ اور اُن دونوں کا باہم مقابلہ کیا ہو۔ * مخالفین کے اعتراضات سنا اور اُن پر غور کرنا اخلاقی معاملات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ اگر ہر ایک ضروری مسئلہ کے مخالفین موجود نہ ہوں تو اُنکا تصور کر لینا اور اُنکے اعتراضات کو خود سوچ کر نہایت وضاحت اور عمدگی کے ساتھ اپنے ذہن میں لانا لازم و لابد ہے۔ *

آزادی اظہار رائے کے دشمن کہہ سکتے ہیں کہ تمام نوع انسان کا کسی مسئلہ کے معاونین و مخالفین کی تمام دلائل سے آگاہ ہونا اور مختلف فلاسفوں

اور علم الہیات والوں کی رائیوں سے واقف ہونا ضروری نہیں۔ عام آدمیوں کا اس قابل ہونا کہ وہ اپنے مخالفین کے نہایت مشکل اعتراضات کا جواب دے سکیں اور ازمات میں سے نہیں۔ اتنا ہی کافی ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص ان اعتراضات کے جواب دینے والا موجود ہو۔ تاکہ عوام الناس اور اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ شخصوں کو گمراہ کرنے والے غلط اعتراضات کی تردید ہوتی رہے۔ معمولی قیاس والے آدمیوں کے لئے اتنا جانتا ہی کافی ہے کہ انکے یقینات و مسائل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے عام دلائل کیا ہو سکتی ہیں۔ مخالفین کے مشکل اور متضیق اعتراضات کا جواب دینا فاضلوں کا کام ہے۔ اور ان جوابات کے صحیح نہ ہونے علماء و فضلاء کی عقل پر کھردسا کر نامناسب ہے۔ جس حالت میں عام لوگ جانتے ہیں کہ ان کی لیاقت و معلومات اس قابل نہیں کہ وہ معترضین کے مشکل اعتراضات کا جواب دے سکیں تو انکے لئے اتنا ہی جانتا کافی ہے کہ بعض لائق و فائق شخص جو اس علم میں ماہر ہیں ان اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیتے ہیں۔

ہر ماہر دے سکتے ہیں۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی مسئلہ کی صحت کے یقین کے لئے

ایسے چند دلائل کا جانتا ہی کافی ہے جسے اُس مسئلہ کی صحت ثابت ہو۔ اس پر زیادہ واقفیت عام لوگوں کے لئے لازمی و ضروری نہیں۔ انکے قول کو تسلیم کر نیے

بھی بہت زیادہ نہیں نکلتا کہ مباحثہ عام کی اجازت نہیں ہونی چاہئے اور اظہار

خیالات کی آزادی ناجائز ہے * وہ خود مانتے ہیں کہ تمام لوگوں کو اس بات کا حق حاصل ہو چاہئے کہ مخالفین کے اعتراضات کے جواب دے گئے ہیں یا دئے جاسکتے ہیں۔ مگر تا وقتیکہ اعتراضات بیان کرنے اور ان کے جوابوں کو غلط اور ناکافی ثابت کرنے کی پوری آزادی نہ ہو اعتراضوں کا جواب دینا کیونکر ممکن ہے؟ اور جوابوں کا تسلی بخش ہونا کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟ عام لوگوں کے لئے نہیں تو فلاسفوں اور حکیموں کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ وہ مخالفین کے مشکل اعتراضات کو معقول ترین پیرایہ میں سنیں۔ اور یہ محال ہے جب تک کہ ہر ایک شخص کو اپنے خیالات کے آزادانہ طور پر بیان کرنے کی اجازت نہ ہو اور سب کو یہ اختیار نہ ہو کہ جو چاہے اپنی رائے کو حتی المقدور صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے * فرقہ پرست کھیل کا اس بارہ میں ایک عجیب رواج ہے۔ اُن کے ہاں دو فرقے ہیں۔ اول وہ جنہیں اجازت ہے کہ وہ اپنے اعتقاد کی بناء دلائل پر رکھیں۔ اور اُن دلائل سے قنیت پیدا کریں جب اُن کے مسائل کی صحت مبنی ہے * دوم وہ جن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ انہیں مسائل کو بے سوچے سمجھے مانیں اور دلیل و حجت کی تلاش نہ کریں * لیکن کسی فرقے کو بھی یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ عملاً مذہب اصلی سے انحراف ظاہر کرے * فرقہ اول کے لوگوں کو جن سے ہماری مراد پارلیون کی ہولیا پارلیون ہیں سے بھی وہ خیر خواہین سمجھے جاتے ہیں اس امر کی اجازت ہے کہ مخالف مذہبوں کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور مخالفین کی دلائل سے آگاہی حاصل کریں۔ تاکہ

اُنکے اعتراضوں کا جواب دے سکیں۔ لیکن فریقِ دوم کے لوگوں کو جن میں سوائے پادریوں کے اور سب شامل ہیں یہ آزادی حاصل نہیں۔ اور اُن کو شاذ و نادر موقعوں پر یہ اجازت ملتی ہے۔ اس قاعدہ پر عمل کرنے والے یہہ تو مانتے ہیں کہ مخالفین کے اعتراضات کا علم اصلی رائے کی تلقین شدہ والوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔ لیکن وہ فائدہ جو اس سے اصلی رائے کے مانروالوں کو ہوتا ہے حاصل کر کے عام لوگوں کو یہ آزادی نہیں دیتی۔ تاکہ وہ ہی مخالفین کی رائے سنیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صرف اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتگان کے خیالات میں بہ نسبت عام لوگوں کے زیادہ ترقی ہو جاتی ہے۔ اس طریقہ سے لوگوں کے خیالات میں اس قسم کی ترقی ہوتی ہے جو مہین بیکھلک مذہب والوں کے مقصد اصلی کے مفید ہے کیونکہ تعلیم بغیر آزادی کے لوگوں کو منصف مزاج اور انصاف پسند نہیں بنا سکتی مان اُتنا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص کسی مسئلہ کو صحیح ثابت کرنے کا فرض اچھی طرح سے ادا کر سکتا ہے۔ پروفیشنل مذہب والوں میں یہ رواج نہیں۔ انکی یہ رائے ہے کہ ہر ایک شخص اپنے یقینات و اعتقادات کی صحت کا خود جواب دہ ہے معلم اور مواعظ اپنے شاگردوں کے اعتقادات کے جواب دہ نہیں۔ گو عملاً وہ بھی اس پر کار بند نہیں ہوتے۔ علاوہ برین آجکل کے زمانہ میں بھی تو قریب بحال ہے کہ جن کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ لوگ کریں وہ تمام لکھے پڑھوں کی نظروں سے نہ گذریں۔ اگر یہ ضروری ہے۔ کہ عالم و فاضل اور

محکم مزاج شخص ہر طرح کی رائیں سنیں تو سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہیں کہ
 ہر قسم کی رائیں عام طور پر شائع ہوں اور انکے چھاپے جانے کی اجازت ہو +
 اگر صحیح مرد جہ را یوں کے مخالفین کو اظہار خیالات کی آزادی نہ دینے کا
 صرف یہی نقصان ہوتا کہ عام لوگوں کو وہ دلائل جن سے وہ رائیں صحیح ثابت
 ہو سکتی ہیں بھول جاتیں۔ تو اس سے صرف انکی معلومات میں ہی نقص واقع ہوتا
 اور وہ مدلل معقول کہلانے کے مستحق نہیں رہتے۔ لیکن ان را یوں کے صحیح
 ماننے کے فوائد بدستور قائم رہتے۔ اور جو اثر انکا لوگوں کے اوضاع و احوال
 پر ہے وہ بھی بحال رہتا۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ مباحثہ عام کے اسناد و سطر
 دلائل ہی نہیں بھول جاتیں۔ بلکہ اکثر ان را ئوں کا اصل مطلب بھی لوگ بھول جاتے
 ہیں + جب کسی راے کے مباحثہ کی اجازت تا دیر موقوف رہے تو ان الفاظ
 سے جن میں وہ راے ادا کی جاوے۔ وہ معنی ہی ذہن میں نہیں آتے۔ جو
 پیشتر آتے تھے۔ اور اگر آتے بھی ہیں تو پوری طرح سے نہیں۔ ان الفاظ کا موضح
 جو وضاحت سے پیشتر سمجھ میں آتا تھا اسکے بجا۔ صرف چند الفاظ کا مجموعہ ہی رہتا
 یا درہ جاتا ہے + اگر ایک راے کو گویوں کے خوشہ سے مثال دین
 تو۔ یہ گھٹنا چاہئے کہ بصورت اسناد مباحثہ عام امتداد زمانہ کا یہ اثر ہوتا ہے
 کہ صرف چھلکے باقی رہ جاتے ہیں پیچ کا گودہ بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ گویا چند
 الفاظ ہی رہ جاتے ہیں ان الفاظ کے معنی لوح دل پر منقش نہیں رہتے +

اُن واقعات کا ذکر جن سے ہمارے قول کی صحت ثابت ہو سکتی ہے تو ان میں اکثر پایا جاتا ہے اور اُن پر غور و فکر کر نیے عمدہ سبق حاصل ہوتا ہے ۔

اس قول کی صحت تمام مذہبی اور اخلاقی مسائل کی سرگزشت اور تواریخ سے ثابت ہے۔ مسائل کے موجدوں کو اور اُن لوگوں کو جنہوں نے وہ مسائل موجدوں ہی سے سیکھے تھے۔ انکے اصلی معنوں کا علم کا حقہ ہوتا ہے۔ اور جن تک یہ لوگ اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ عوام کو اس مسئلہ کے صحت منوائیں یا یہ ثابت کریں کہ مسائل مروجہ غلط ہیں اور انکی رائے ان معاملات میں صحیح ہے ان مسائل کے اصلی معنے خوب ذہن نشین رہتے ہیں۔ بلکہ اٹنا بے بحث میں اور بھی زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے ۔ آخر کار یا لودہ رائے عام میں پھیل جاتی ہے اور یا اُسکی ترقی ختم ہو جاتی ہے اور اُسکے ماننے والوں کی تعداد نہیں بڑھتی جتنے ماننے والے ہوتے ہیں اُتنے ہی رہتے ہیں۔ اس صورت میں مباحثہ عام از خود بند ہو جاتا ہے۔ اصلی مسئلہ اگر تمام لوگوں میں نہیں تو بعض مسرتوں میں تو ضرور پھیل جاتا ہے۔ بعد میں جو لوگ اُسے صحیح مانتے ہیں وہ عموماً اسکو سچ سمجھ کر اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کئے جاتے ہیں چونکہ لوگوں کو اس مسئلہ کے بجائے کسی اور مسئلہ کے اختیار کرنے کا موقعہ ہوتا کم ملتا ہے اُسے اُنکے دل میں اُسکے بدلنے کا خیال آتا ہی نہیں ۔ مثلاً سابق وہ دوسروں کے اعتراضات کے جواب دینے یا اُنکو اپنی جانب لانے کی

کوشش میں مصروف نہیں رہتے۔ اور ہمیشہ مباحثہ کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایک عالم خاموشی چھایا ہوتا ہے۔ نہ تو خود اپنے مخالفین کے اعتراضات سننے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اپنے دلائل اور دیکھنے سننے پر انکی سمجھ فراشی کرتے ہیں جب یہ حالت ہو جائے تو سمجھنا چاہئے کہ بس اب یہ مسئلہ یا تو بالکل معدوم ہو جائیگا اور یا اسکے ماننے والوں کے دلوں میں اس کے بہتر وضاحت کے ساتھ قائم ہونے کے لئے ہر فرقہ میں جن لوگوں کا کام مذہبی تعلیم ہے۔ وہ آج ہی شکایت کرتے ہیں کہ متعقدین کے دلوں میں مختلف مذہبی مسائل کے صحیح معنوں کی وضاحت کے ساتھ قائم رکھنا مشکل ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان مسائل پر کاربند نہیں ہوتے + لیکن جب تک کوئی مذہب نیا ہوتا ہے تب تک یہ وقت پیش نہیں آتی۔ ہر کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کونسی باتیں باعث نزاع ہیں اور آجکل کس امر پر بحث ہے۔ کون سے امور متنازعہ فیہ ہیں۔ اور اس مسئلہ اور دیگر مسائل میں کیا فرق ہے + جب کوئی مذہب ایجاد ہوتا ہے تو پہلے آدمی ایسے بجاتے ہیں۔ جنہوں نے ہر پہلو سے اُس مذہب کے اصولوں پر نظر کی ہو اور انکو سمجھا ہو۔ جنہوں نے اُن کے متعلق اور باتوں پر بھی غور کیا ہو۔ اور جو اثر ان مسائل کے بخوبی سمجھنے اور ان پر کاربند ہونے سے انسانی اعمال پر ہو سکتا ہے۔ اُس کا تجربہ خود اپنی طبیعت پر کیا ہو + لیکن جب وہ مذہب پُرانا ہو جاتا ہے اُس لوگ ایک دوسرے کے نئے نئے سے ہی اُسے مانتے لگتے ہیں۔ اور مسائل کے

سمجھتے ہیں اپنی عقل و فکر سے کام لینا نازل کر دیتے ہیں۔ یعنی جب ضروریات
 تھیں ایسی نہیں ہوتیں کہ انکو اپنی عقل و فکر سے کام لینا پڑے تو
 لوگوں کو سوا۔ ۱۰ الفاظ کے جن میں وہ مسائل بیان کئے جائیں اور کچھ
 یاد نہ رہتا یا وہ مسائل کو بغیر محبت و دلیل کے صرف دوسروں کی سند پر
 مان لیتے ہیں اور ہر ایک پہلو پر غور کرنے یا انکی صحت پر تجربہ اور استدلال
 کے ذریعہ۔ ۱۱۔ اچھے کی ضرورت نہیں سمجھتے + انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ مسائل زیادہ
 یاد ہوتے ہیں۔ ۱۲۔ انکے لوحِ دل سے محو ہو جاتے ہیں + ان تمام باتوں
 کا اثر زمانہ میں نمایاں ہے لوگ اکثر ایک مسئلہ کو بے سوچے سمجھے ماننے جاتے ہیں
 اور کسی معقول اعتراض کو سنتے ہی نہیں۔ اور اسی معاملہ میں اگر بجائے انکے
 تسلیم کردہ مسئلہ کے کوئی اور مسئلہ پیش کیا جائے تو اسکا سننا ہی گوارا نہیں کرتے
 اور نئے ماننے سے جو نوا یا ترتیب ہو سکتے ہیں ان سے بے بھرہ رہتے ہیں
 بلکہ بجائے فائدہ کے یہ نتیجہ ناپائیدار ہوتے ہیں اس مسئلہ کو بے سوچے سمجھو
 ماننے سے معقول تر مائل یا اعتراضات کے ذہن نشین ہونے میں سد راہ
 قائم کر دیتے ہیں + عیسائی مذہب کی اکثر بدایات پر جس طرح لوگ عمل کرتے
 ہیں وہ میرے قول کی صداقت کی بہت عمدہ مثال ہے +
 آجکل کے عیسائیوں کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مسائل
 کا انسان کے دل پر بہت بڑا اثر ہو سکتا ہے اور جن سے ان کے قول و فعل

میں نمایاں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اُنکے اصلی منہ اگر لوگ نہ سمجھے ہوں اور انکا اثر انکی طبیعت پر نہ ہوا ہو تو انکا ماننا نہ ماننا یکساں ہی ہوتا ہے۔ عیسائی مذہب میری مراد اُن مسائل کے مجموعہ کی ہے جو عہد نامہ جدید (نیو ٹیسٹمنٹ) میں درج ہیں۔ تمام عیسائی ان ہدایات و قوانین کو مانستے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ ہکو ان قاعدوں کی پابندی کرنی چاہئے۔ لیکن بائیبہ ہر امین سے ایک بھی ایسا عیسائی دیکھنے میں نہیں آتا۔ جو اپنے اعمال میں اُن قواعد کا لحاظ مرکوز خاطر رکھے * عموماً قوم یا فرقہ کے رواج ہی کو دیکھتے ہیں اور اُسے ہی اپنے اعمال کی صحت کا معیار قرار دیتے ہیں * آجکل کے لوگوں نے روزمرہ کے باہمی برتاؤ کے لئے دو قسم کے قوانین مقرر کئے ہوئے ہیں۔ ایک تو وہ اخلاقی مسائل و ہدایات کا مجموعہ جسے ہر ایک الہامی مانتا ہے اور جنکے بموجب عمل کرنا حکم حکیم مطلق کی طرف سے نازل سمجھا ہے۔ اور دوم وہ روزمرہ کے کارآمد مسائل جنکے مطابق ہر ایک شخص عمل کرتا ہے اور جنکو دسم و رواج سے منظر کر سکتے ہیں * انمیں سے بعض ایک خاص حد تک اُن الہامی مسائل کے مطابق ہیں۔ بعض کی قدر زیادہ مطابقت رکھتے ہیں اور بعض عین برعکس بھی ہیں۔ غرضیکہ ہیئت مجموعی میں سب کو عیسائی مذہب کے مسائل اور دنیاوی مہملات کے مختلف ضروریات کا نتیجہ کہنا چاہئے * آجکل کے لوگ قسم اول کی ہر نام تعظیم کرتے ہیں اور قسم دوم کے قانون کے مطابق عمل کرتے ہیں * تمام

عیسائی ان ہدایات پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ غریب و مفلس اور مظلوم پر
 والے بندے ہیں۔ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گزرنا آسان ہے۔ لیکن تھوڑا کونا
 جنت میں دخل پانا مشکل ہے۔ دوسروں پر سختہ چینی نہیں کرنی چاہئے ایسا
 کہ ہم پر خود سختہ چینی ہو۔ قسم کہانی حرام ہے۔ اپنے اپنے خبر کو ویسا ہی غریب
 چاہئے جیسا کہ اپنے آپ کو۔ اگر کوئی ہمارا چو غریب چاہئے تو مناسب ہے کہ اپنا حق
 بھی اُتار دیں اور آئندہ کا کچھ فخر نہ کریں۔ اور اگر اور بھی کمال کو پہنچنا چاہیں تو
 مناسب ہے کہ اپنی تمام جائیداد بیکر غریب و غربا میں تقسیم کر دیں۔ غنیمت و غیرہ
 تمام عیسائی صدق دل سے ان سب باتوں کو صحیح مانتے ہیں۔ اُن کا ان ہدایات
 کو سمجھنا ویسا ہی ہے جیسا عام لوگوں کا اُن مسائل کو ماننا جنکی تعریف انہوں
 نے سنی ہوتی ہے لیکن جتنے حسن و قبح کی انکو خبر نہیں ہوتی اور جن پر بحث
 و مباحثہ کبھی اُنکے آنکھوں یا کانوں سے نہیں گزرا ہوتا۔ ان مسائل کا
 اثر اُنکے اعمال پر بالکل نہیں ہوتا۔ اور اگر کچھ ہوتا بھی ہے تو صرف اتنا کہ
 سے لوگ اس مسئلہ پر صرف اس حد تک عمل کر سکیں کہ جس حد تک عمل کرنا عام
 رائج ہے۔ مخالفین مذہب کے مقابلہ کے لئے وہ مسائل بیان کئے جلتے ہیں
 اور اُن سے اُن باتوں کی صحت ثابت کی جاتی ہے جن پر لوگ پہلے ہی سے عمل
 کرتے ہیں اور جن کو قابل تعریف سمجھتے ہیں۔ عام لوگوں کے خوش کرنے کے لئے
 یہہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال ہدایات ازلی کے مطابق ہیں۔ لیکن اگر کوئی

انجو یہ کہے کہ اصلی مسائل پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنیکے لئے اور بہت کچھ چاہئے اور انکے مطابق عمل کرنا تمہارے دھم و خیال میں بھی نہیں ہے تو وہ اسپر یہ الزام دہرتے ہیں کہ تم اپنے آپکو سب سے زالا جملنا چاہتے ہو۔ غرضکہ ان مسائل کا اثر عام لوگوں کے دلوں پر کچھ نہیں ہوتا۔ یعنی انکے دلوں میں اس قسم کی طاقت پیدا نہیں ہوتی جو ان سے تمام افعال ان قوانین کے مطابق کرانے اُن الفاظ کو تو وہ تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن انکے دلوں میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جس سے کہ وہ الفاظ سے گذر کر معنوں تک پہنچیں اور ان پر عمل کرنا مسیح کے احکام کا تعمیل میں وہ عمر و زید کی پیروی کرتے ہیں۔

سہاگو خوب معلوم ہے کہ ابتدائیں میں مسیحی کے پیروں کا یہ حال نہ تھا۔ ورنہ یہ مذہب یہودیوں کے گناہم فرقہ میں سے پھیلتا ہوا تمام سلطنت رومائے لوگوں کا مذہب نہ بن جاتا۔ جس زمانہ میں اس مذہب کے مخالفین یہ کہہ کرتے تھے کہ دیکھو عیسائیوں میں کیسا اتفاق ہے اور یہ ایک دوسرے کیسی شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں (حالانکہ اب کوئی بھی انکی موجودہ حالت دیکھ کر یہ رائے قائم نہ کرے گا) اُس زمانہ کے عیسائی اپنے مذہب کے مسائل کو خوب سمجھتے تھے۔ یعنی ان مسائل کے معنی ایسی وضاحت کے ساتھ ان کے دلوں پر منقش تھے کہ وہ ان پر عمل کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس زمانہ کے بعد کبھی بھی انکے مذہبی عقائد ایسے پختہ نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی

مذہب اس قدر کم ترقی پر ہے اور اٹھارہ صدیوں سے اہل یورپ اور ان کی اولاد تک ہی محدود ہے + اُن لوگوں کا یہی حال ہے جو مذہبی عقائد پر خوب قائم ہیں اور جو مذہبی مسائل کو سمجھنے اور اُن پر عمل کر نیکا دعوے کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں کے دلوں پر بھی مسیح کی ہدایات کے یہ نسبت یکلون اور نوکس کی نصائح کا زیادہ اثر ہے۔ خاص مسیح کی ہدایات کا علم بھی انہیں ہوتا ہو لیکن ان سے انکے قول و فعل پر کچھ اثر نہیں ہوتا + اُن مسائل کے معنی جنکو کسی خاص مذہب کا ماہر الا تیار قرار دیکتے ہیں لوگوں کے دلوں میں واضح طور پر قائم رہتے ہیں۔ اور مذہب کے سرگروہ اُن معنوں کے اچھی طرح سے قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسکی بہت سی وجوہات ہیں لیکن بیشک اُن میں سے ایک یہ وجہ بھی ہے کہ اُن مسائل پر خاصکر اکثر اعتراضات ہوتے رہتے ہیں اور مخالفین کے تردید کی ضرورت پیش آتی ہے معترضین کی عدم موجودگی میں مذہبی تعلیم دینے والے اور مذہب کے پیرو دونوں غافل ہو جاتے ہیں +

فٹ نوٹ + یکلون ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوا۔ اس نے پیرس میں تعلیم پائی تھی تحصیل علم کے بعد وہ رومن کیتھولک مذہب کے مسائل سے نفرت ظاہر کرنے لگا اور آخر کار کھلے بدن پر کٹھن ہو گیا۔ اس نے مذہبی معاملات کی اصلاح میں بہت کوشش کی اور آخر کار ۱۹۲۷ء میں مر گیا + مترجم

فٹ نوٹ + نوکس کا لنڈن ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوا یکلون کے مسائل سے بہت متفق تھا۔ یہ بھی رومن کیتھولک مذہب سے پہلے دل برداشتہ ہوا اور پھر پرنسٹن مذہب کا براہِ راست پیروں میں مر گیا + مترجم

جن مسائل کو ہم روایتاً سنتے آتے ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہمارا قول حسبِ برصاوتِ آقا ہے۔ نوادہ نہ پر یا حسد نہ آقا مسائل پر خج اوہ دنیاوی معاملات سے علاوہ رکھتے ہوں + تمام زبانوں کے علم ادب میں طرح طرح کی نضائح اور ہدایات ہوتی ہیں۔ کہیں تو دنیاوی معاملات کی علامتِ اصلی بیان کیجاتی ہے اور کہیں فیہر سیحت ہوتی ہے کہ انسانوں کو اپنی زندگی کس طرح بسر کرنی چاہئے اور اس دنیا میں کیونکر رہنا چاہئے۔ یہہر دو تین اکثر زبانِ نزد عام ہوتی ہیں اور لوگوں کے کانوں سے گذرتی رہتی ہیں۔ اور صحیح بھی مانی جاتی ہیں۔ لیکن انکے منہ پوری طرح سے تب ہی معلوم ہوتے ہیں جب لوگ تجربہ میں کہیں پوری زک اٹھاتے ہیں + پھر اس قول کی صحت اُنکے دلوں پر اچھی طرح نقش ہو جاتی ہے + ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ جب لوگوں پر کوئی ایسی مصیبت پڑتی ہے جسکی کبھی امید بھی اُن کو نہ تھی۔ تو انہیں کوئی عام روایت یا کہادت جسے وہ ساری عمر سنتے رہے تھے یا پڑتی ہے اور اسکی صداقت معلوم ہوتی تو اگر اسکے معنے انہوں نے اچھی طرح سمجھے ہوتے اور انکا اثر انکے دل پر ہوا ہوتا تو شاید وہ اس مصیبت میں گرفتار ہی نہ ہوتے + اسکی وجہ عام مباحثہ کے مسدود ہونیکے علاوہ اور بھی ہیں۔ کئی ایسی باتیں ہیں جنکی حقیقت بغیر تجربہ کے پوری طرح سے معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُن کے معنے بھی مباحثہ سے واضح تر ہو سکتے ہیں۔ اور اگر مباحثہ عام جاری رہے اور عام لوگ معانی

وہی لعین دونوں کی رائے سنستے رہیں۔ تو ایسی رائوں کے سمجھنے اور اُن سے اثر پذیر ہونے کا زیادہ خوف نہ ہے۔ جب لوگ بعض مسائل کی صحت کو ایکہ دان لیتے ہیں تو اُن پر غور و فکر کرنا ہی ترک کر دیتے ہیں۔ ایلو جہ سے بہت سی شیطانی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمارا ایک مہرصہ بیان کرتا ہے کہ مسئلہ ایونکی نسبت ایک عجیب عالم خاموشی پر مبتلا ہے۔ نہ انکے ماننے والے اپنی عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور نہ کیونکہ انکی تردید کا خیال ہی آتا ہے۔

لیکن اعتراف ہو سکتا ہے کہ کیا اختلاف رائے کا قائم رہنا درمات تھا۔
کے لئے ضروری ہے۔ اور جب تک ایک خاص فرق کسی رائے کے غلط پہلو کو صحیح سمجھنے پر اصرار نہ کئے جائے تب تک کوئی ہی اُس رائے کو صحت کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا۔ او
جب سب لوگ کسی قول کی صحت کو ماننے لگ جائیں تو اُس قول کی اصل حقیقت لوگوں کے دلوں میں قائم نہیں رہتی۔ کیا ایک بات کو سچ سمجھ کر ماننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس بات پر کسی نہ کسی قسم کا شبہ قائم رہے؟ جب سب لوگ کسی قول کی صحت کو بالاتفاق ماننے لگ جاتے ہیں تو کیا آئندہ کی نسلیں بھی اس قول کو بے سوچے سمجھے ہی مانتی ہیں؟ بہت بڑا مقصد انسان کی عقلی ترقی کا یہی مانا گیا ہے۔ کہ تمام ضروری مسائل کو سب لوگ بالاتفاق ماننے لگ جائیں اور اگر اس مقصد اہم کے حاصل ہوتے ہی اُن مسائل کو سچ سمجھ کر ماننا ترک ہو جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دکھی باتیں لگتے ہیں

تو کمال افسوس ہے + کیا یہ ایک ایسی فتح ہے کہ فتح ہوتے ہی وہ تمام خویلاں جو اس کا راہم کا اصلی مقصود ہیں نیست و نابود ہو جاتی ہیں؟ +

میں ہرگز یہ نہیں کہتا۔ نوع انسان جب قدر ترقی کرتے جائیں گے سیکھ

اُن میں مسئلہ رائیون اور مسائل کی تعداد بڑھتی جائیگی۔ اور ایسے مسائل کم ہوتے جائیں گے جنکی صحت میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی ہو + انسانی ترقی کے اندازہ کرنے کا یہ ایک بہت عمدہ معیار ہے کہ مشکل اور ضروری معاملات میں مسئلہ رائیون کی تعداد پر نظر کی جائے۔ جب مختلف مسائل اور رائیون مستم ہوتی جاتی ہیں تو ان پر مباحثہ یکے بعد دیگرے مسدود ہو جاتا ہے + لیکن اس طرح سے مباحثہ کا بند ہونا صحیح رائیون کی نسبت مفید ہے۔ اور غلط رائیون

کے بارہ میں نقصان مند + اگرچہ اختلاف رائے کا آہستہ آہستہ نیست و نابود ہو جانا اور اتفاق رائے کا پیدا ہونا ناگزیر اور لازمی ہے۔ لیکن اس سے

یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اسکا اثر ہر طرح سے اچھا ہی ہو + چونکہ مختلف مسائل کو وضع طور پر بیان کرنے اور معترضین کے جواب دینے کی ضرورت نہ رہیگی۔ اسلئے اُن مسائل کو اچھی طرح سے سمجھنے میں کچھ نقص تو ضرور رہیگا۔ اور یہ نقصان اگرچہ اتفاق رائے کے حاصل ہونے کے فائدہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ لیکن تاہم کس قدر تو ان فوج اندکی

وقت کم کر دیتا ہے۔ جس حالت میں مخالفین موجود نہیں ہیں تو میری رائے میں مختلف مسائل کے سکھائیوں کے لئے یہی طریقہ کمال سمجھتے ہیں جو اس کی کو پورا

کردین۔ ایسی کتابیں بنائی جاسکتی ہیں جن سے پڑھنے والے کے سامنے وہ عرصہ
جو اس مسئلہ پر کبھی مختلف رائے رکھنے والا کر سکتا ہو پیش کئے جادین * لیکن
چہ جائے کہ کوئی نئی ترکیب اس مطلب کی نکالیں آجکل کے لوگ زبانی
کے مختلف طریقوں کو جو اس غرض کے لئے تھے عمل میں نہیں لاتے۔ سترہ
بہ سوال جواب کے طور پر کتاب لکھنے کا طریقہ نکالا تھا اور افلاطون نے جو
کتابیں اس طریق پر لکھی ہیں ان سے یہی غرض رکھی گئی تھی۔ ان میں اکثر
فلسفہ وغیرہ کے مشکل معاملات پر مباحثہ درج ہوتے تھے اور ان سے مقصد
یہ ہوتا تھا کہ پڑھنے والوں کو ان کے نہم کا نقص دکھایا جائے اور یہ بتلایا جائے کہ
انہوں نے ان مروجہ مسائل کو بے سوچے سمجھے ہی اختیار کر لیا ہے۔ اور
وہ ابھی تک ان مسائل کے معنی کا حقہ نہیں سمجھتے۔ تاکہ اپنی معلومات کی
کمی سے آگاہ ہو کر وہ اپنے یقین کو ایک پختہ بنا بر قائم کرنے کی کوشش کریں۔
ان مسائل کے معنی سمجھیں اور انکی دلائل سے واقفیت حاصل کر نیم ساری
ہوں * مثلاً ایجنٹین جو مباحثہ مختلف مسائل پر ہوا کرتے تھے ان میں بھی

فٹ نوٹ * مثلاً ایجنٹین نے زمانہ متوسط کے شروع اور اختتام کی نسبت بہت
اختلاف ہے۔ بہر حال اس زمانہ کا شروع و اختتام کے بعد اور اختتام و عیاد و عیش کے آغاز
تک سمجھا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پورے کی سب قومیں انتہا درجہ کی مذہبی تہذیبات مستغرق تھیں
لوگ معبدوں کے زیارت کے لئے دور دور سے آتے تھے اور دولت مند بہت سی جائیداد مذہبی کاموں
کے لئے وقف کر دیتے تھے * مترجم

یہی غرض تھی کہ طالب علم کے دل میں یہ یقین پیدا کیا جائے کہ وہ اس مسئلہ کو بخوبی سمجھتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات سے بھی واقف ہے۔ وہ ان دلائل سے بھی آگاہ ہے جو اس کی رائے کو مخالفین کی رائے پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب بخوبی دے سکتا ہے۔ ان میں یہ نقص تھا کہ جن مسائل پر بحث کی جاتی تھی یا بخوبی صحیح ثابت کیا جاتا تھا ان کی صحت کی بنا اس قدر دلیل پر مبنی نہ تھی جس قدر مستند رائوں پر۔ اور ان سے وہ فائدہ نہیں ہوتا تھا جو سقراط کے طریقہ سے۔ اگرچہ بعض اشخاص نہیں مانتے مگر اس میں کچھ کلام نہیں کہ آجکل کے لوگوں کی تو اسے عقلی میں جس قدر ترقی پائی جاتی ہے اس کا بہت سا حصہ انہیں کتابوں کے مطالعہ کی وجہ سے ہے۔ آجکل کا طرز تعلیم ایسا ناقص ہے کہ کوئی قاعدہ اس قسم کا رائج نہیں جو مذکورہ بالا طریقوں کے بجائے میں آتا ہو۔ اور کوئی نئی تدبیر بھی اس مطلب کی نہیں نکالی جاتی۔ جس شخص نے صرف کتابوں کے مطالعہ اور خاص قسم کے استادان تعلیم پائی ہے اسے اگر بے سوچے سمجھے ان مسائل کو ازبر نہیں کیا تو یہ بھی ضروری نہیں کہ معترضین کے اعتراضات سوچے ہی ہوں۔ چنانچہ ایک مسئلہ کے ہر پہلو سے آگاہ ہونا اور اپنے معترضین کی رائوں پر توجہ کرنا ان لوگوں میں بھی نہیں پایا جاتا جن کو اہل خیل کہہ سکتے ہیں۔ آجکل جو اصحاب عالمہ باغ کہلاتے ہیں ان کی دلائل کا وہ حصہ جو اپنے معترضین کی تردید اور اپنے مسئلہ کی تائید میں پڑا

کرتے ہیں بہت ناقص ہوتا ہے * زمانہ حال کے لوگ ان دلائل کو بہت ناپسند
 کرتے ہیں جن سے کسی مسئلہ کے عقلی یا عملی نقائص ہی صرف معلوم ہوں۔ آئین
 کچھ شبہ نہیں کہ اگر کسی کو سوائے چند اعتراضات کے جو بعض مسائل پر ہو سکتے
 ہیں اور کسی بات کا علم نہ ہو تو اس کی معلومات محض لا حاصل ہیں * اگرچہ ہمارا
 غایت مدعا یہی ہے کہ ہم بعض حقائق کو دریافت کریں۔ اور اس قسم کی رائے
 ڈھونڈیں جن پر کوئی اعتراض نہ ہو سکے۔ تاہم اعتراضات کا علم اس انتہا کے
 مقصد کے حاصل کر لینا ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے * اور جبکہ مائیل کی طرح
 کوئی طریقہ اس قسم کا ایجاد نہ ہوگا جس سے لوگوں کو اسی طرح کی باقاعدہ تربیت ہو
 اُس وقت تک لوگوں میں سے ایسے شخصوں کا پیدا ہونا جن کو اعلیٰ درجہ کا اہل خیال
 کہہ سکیں محال ہے اور عام لوگوں میں متوسط درجہ کے عقلی آدمیوں کا پایا جانا بھی
 مشکل ہے * علم طبعی اور ریاضی کے سوائے اور کسی علم میں اعلیٰ درجہ کے سمجھنے
 والے نہ پائے جائیں گے * اور تمام مضامین میں کمال حاصل کرنے کے لیے یہ ضرور
 ہے کہ مخالفین کی دلائل سے کسی نہ کسی طرح آگاہ کیا جائے۔ اور ان دلائل کو
 واقفیت پیدا کی جائے جنکی ضرورت بوقت مباحثہ بطور جواب اعتراضات مخالفین
 ہوتی ہے۔ ان مضامین کے پڑھنے والے خواہ اپنے غور و فکر سے وہ دلائل پسند
 خواہ طوطا کرنا دوسروں سے سنیں۔ بغیر اسکے ہمارا مقصد اصلی یعنی دریافت
 حقائق حاصل نہیں ہو سکتا * چونکہ ان دلائل کا علم حاصل کرنا جو ہمیں مباحثہ

کے وقت سوچنی پڑتی ہیں ہر حالت میں ضروری ہے اور مخالفین کی عدم موجودگی میں انکا ذہن میں آنا بہت مشکل ہے۔ اسلئے یہ مناسب نہیں کہ ہم اُن لوگوں کو جو ہمارے سامنے وہ دلائل باز خود پیش کریں روکیں۔ اور اگر ہم روکیں گے تو ہماری کمال نادانی و بے وقوفی ہے * اگر ایسے شخص موجود ہوں جو ہماری رائے کی تردید کرتے ہوں یا اختلاف ظاہر کرنے کے لئے صرف اجازت قانون کے منتظر ہوں تو ہمیں اُنکا شکر گزار ہونا چاہئے۔ انکی رائے کمال توجہ کے ساتھ سننی چاہئے۔ اور اس بات پر خوش ہونا چاہئے کہ اب ایسے شخص موجود ہیں جنکے ذریعہ سے وہ مشکلات رفع ہو سکتی ہیں۔ جنکے حل کر نیکے لئے اُن کی عدم موجودگی میں بھوکاِ استعد و وقت کرنی پڑتی ورنہ حقائق کا دریافت ہونا اور ہماری یقینیات کا پختہ ہونا محال ہوتا *۔

اختلاف رائے کے قائم رہنے کا ایک اور فائدہ بھی ہے اور اس فائدہ کا حاصل کرنا ضروری ہے اور درمیکجا جب تک عقل انسانی کی ترقی اس درجہ پر پہنچے جس کی امید ایک عرصہ دراز کے گزرنے کے بعد ہی کیجا سکتی ہے * ابھی تک ہم نے اظہار خیالات کی آزادی صرف دو صورتوں پر ہی غور کی ہر ایک تہ وہ کہ جب رائے مروجہ غلط ہو اور مخالفین کے اعتراضات صحیح و قوم وہ کہ جب رائے مروجہ صحیح ہو لیکن مخالفین کے اعتراضات کا سننا اصلی رائے کے سمجھنے اور اس کا اندر دل پہ پیدا کر نیکے لئے ضروری ہو *۔ انکے علاوہ ایک اور

حالت بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بجائے اسکے کہ تنازعین کی ایون میں سے ایک رائے بالکل صحیح ہو اور دوسری بالکل غلط دونوں کسی حد تک صحیح اور قابل تسلیم ہوں اور مخالفین کی رائے سننے سے حقیقت کا وہ حصہ حاصل ہو جائے جو مرد و جہ رائے میں نہیں پایا جاتا۔ امور بدیہی کے سوائے اور سب معاملات میں عام لوگوں کی رائے اکثر حقیقت اصلی کا ایک حصہ ہی ہوتی ہیں۔ انکا حقیقت کا مل ہونا بہت شاذ و نادر ہے۔ اگر بالکل صحیح بھی ہوں تو ان سے صداقت کا ایک حصہ ہی معلوم ہوتا ہے کبھی زیادہ کبھی کم۔ اکثر مجالہ کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں یا ایسے الفاظ میں بیان کی جاتی ہیں کہ انکی اصل ہیئت ہی بدل جاتی ہے حقیقت کا وہ حصہ جس کا اصل قول کے ساتھ ہی بیان کرنا ضروری ہوتا ہے اور جس کا علم اس رائے کو مشروط بنا کر مسلم الثبوت کے رتبہ پر پہنچا دیتا ہے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جن رائوں کے ظاہر کی اجازت نہیں دی جاتی ان میں سے اکثر ایسی ہوتی ہیں کہ جو مرد و جہ رائوں کو مشروط و محدود بنا کر حقیقت کا کل کے درجہ پر پہنچا دیتی ہیں مگر آزادی کے دشمنوں کو انکا خیال بھی نہیں آتا۔ اور عام لوگوں کی نظر دین سے بھی یہ رہ جاتی ہیں۔ مخالفین کا میلان طبع یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ مرد و جہ رائوں کو بالکل غلط ثابت کریں۔ اور اپنی رائوں کی نسبت یہہ ذکھائیں کہ وہ بالکل صحیح ہیں۔ اور یہ یہہ منشاء ہوتا ہے کہ وہ اصلی رائوں میں جو نقص ہوتا ہیں اور انکی خونی تسلیم کریں اور جو وہ خود بیان کریں اس سے یہہ فائدہ ہو کہ دونوں

طرف کی رائیں ملکر لوگوں کو اس معاملہ کی حقیقت کامل حاصل ہو جائے پچھلی حالت اکثر کم واقع ہوتی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک ایک رائے کے ہر پہلو پر غور کرنے کی لوگوں کو کم عادت ہے اور اکثر یکطرفہ رائیں ہی پسند خاطر ہیں اور دیکھنے میں آتی ہیں * اسلئے کسی رائے یا مسئلہ کے انقلاب کے آجکل بھی معنی نہیں کہ اس رائے یا مسئلہ کا ایک حصہ جو صحیح ہے غلط ثابت ہو اور غیر مرقع ہو جائے اور ایک اور حصہ جو غیر صحیح ہے لیکن جو پہلے ہی کی طرح غیر مکمل ہے صحیح سمجھا جائے اور لوگوں میں رواج پکڑ جانے * ترقی سے بجائے اسکے کہ معلومات انسانی وسیع ہوں اور ایک حقیقت پر دوسری کا اضافہ ہو۔ صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ ایک حصہ صداقت کے بجائے ایک اور حصہ صداقت دلیا ہی غیر مکمل قائم ہو جاتا ہے * واقعی ترقی اگر کچھ ہوتی ہے تو صرف اسی میں کہ اصلی رائے کے بجائے جو نئی رائے قائم ہوتی ہے وہ اس زمانہ کی ضروریات کے زیادہ تر مطابق پائی جاتی ہے * آجکل کی صحیح مرد و راولوں کا بھی جب یہ حال ہے کہ اکثر ان سے صداقت کا صرف ایک حصہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ تو ہر ایک قسم کی رائے جس میں بہت سا جھوٹ اور تہوڑا سپاسج ہی پایا جائے غور کے ساتھ سننی چاہئے اور غنیمت سمجھنی چاہئے * جنہوں نے انسانی معاملات پر غور کی ہے انکو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں پر جو صداقت کا وہ حصہ ہمارے پیش نظر کرتے ہیں جسے ہم بغیر انکی مدد کے معلوم نہیں کر سکتے۔ اس خیال سے

ناراض ہونا کہ وہ اس حصہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جو ہم بیان کرتے ہیں
کمال ہو قونی ہے۔ بلکہ ایسے شخصوں کا تو یہ خیال ہو گا کہ جب تک انسان میں
یکطرفہ ہونے کا نقص پایا جاتا ہے اس وقت تک یہی بہتر ہے کہ مرہ و رابون
کے مخالفین بھی یکطرفہ رائے ہی بیان کریں۔ کیونکہ جب ہمارے مخالفین اپنی
راہوں کے بالکل صحیح ہونیکا دعوائے کریں گے اور ہماری راہوں کو غلط
ثابت کر نیکا دم بھرینگے تو ہم انکی رائیں زیادہ غور سے سنیں گے۔

اٹھارہویں صدی میں جب تمام تعلیم یافتہ شخص اور انکے پیرو
اپنی ترقی تہذیب دیکھ کر متحیر تھے اور سمجھتے تھے کہ علم طبعی اور علم ادب اور
فلسفہ میں بڑی ترقی ہوئی ہے اور زمانہ سلف کے لوگوں کے علم اور حال کے
لوگوں کی لیاقت میں بڑا فرق ہے اور اپنے آپ کو ان پر ترجیح دیتے تھے
تو مرد و ڈو کی عجیب و غریب رائے سے کیسا شور مچا تھا۔ لوگوں کی یکطرفہ
رائیں سب اڑ گئیں اور اُسکے ذریعہ سے وہ نئی نئی باتیں معلوم ہوئیں جنکے
معلوم ہونے سے پُرانے خیال کی ہئیت ہی بدل گئی۔ اور ان میں ایک نئی

فٹ نوٹ :- یہ مصنف فرانس کا رہنے والا تھا ۱۷۸۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ اسکا باپ
گہری ساز تھا۔ اس مصنف کی عمر کا ابتدائی حصہ استہارہ کی بد چلنی میں صرف ہوا۔
۱۷۸۱ء میں اسنے ایک کتاب لکھی جس میں اسنے اس سوال پر بحث کی کہ آیا علوم و فنون
کے جاری ہونے سے لوگوں کی اخلاق کی ترقی بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ اخیر میں اسکا ایک رسالہ طبع
کیا جس میں اسنے اپنی تمام بد معاشیوں کا اقرار کیا ہے۔ مترجم

شکل آگئی * مین یہ نہیں کہتا کہ مرادو کی رائے عام لوگوں کی رائے کے بہ نسبت زیادہ تر صحیح تھی بلکہ اُسکی رائے مین زیادہ تر غلطیاں پائی جاتی تھیں تاہم اُس مین بعض صحیح باتیں ایسی بھی تھیں جو پہلے معلوم نہ تھیں اور جن کا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ غرضکہ عام رائے کی صحت کے لئے جن باتوں کی ضرورت تھی وہ حاصل ہوئیں * مرادو کے زمانہ سے آج تک سادہ و سخی کی قدر اور تحلف کی تکالیف کا خیال لوگوں کے دلوں سے بالکل دور نہیں ہوا اور امید ہے کہ کسی زمانہ مین اسکا اثر پورا پورا ہوگا۔ آجکل صرف الفاظ ہی کے ذریعہ سے اُن خیالات کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ عملاً ہی نیکے فوائد ظاہر کرنے چاہئیں کیونکہ الفاظ کا اثر بالکل نازل ہو گیا ہے *۔

پولٹیکل معاملات کے مباحثوں مین ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ دو فریق ہین ایک تو وہ جو پرانی باتوں کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اور پرانے انتظام کو بدلنا پسند نہیں کرتا۔ دوسرا وہ جو نئی تجاویز و تدابیر کا شائق ہے اور پرانے انتظام کو بدلتے رہنا مناسب سمجھتا ہے۔ ان دونوں جماعتوں کا قیام انتظام ملک و بہبودی رعایا کے لئے نہایت مفید ہے۔ خصوصاً اُس وقت تک کہ جب فریقین مین سے کوئی فریق اس قدر ترقی نہ کر جائے کہ پرانی باتوں کو قائم رکھنا اور نئی تجاویز کو عمل مین لانا حسب ضرورت و مصلحت وقت مفید و غیر مفید قرار دے * آجکل ان دونوں کے قیام سے یہ فائدہ ہر ایک

فریق کی کمی دوسرے فریق سے پوری ہو جاتی ہے لیکن ایک فریق سب سے بہتر
 ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے جب تک کہ دوسرا بھی قائم ہے۔ اور اُس کو اپنی خلاف رائے
 سننے کا موقعہ حاصل ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایک فریق اپنی رائے سے
 دوسرے فریق کی صرف کمی ہی پوری نہ کرے۔ بلکہ اپنی رائے اس طرح بے شک
 سمجھے بیان کرے کہ اُس پر عمل کرنے سے بہت نقصان پہنچے گا۔ موجودہ
 بین فریقین کا قیام دونوں کو محتاط بنائے رکھتا ہے۔ اور حد مناسب سے
 تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ غرض کہ جب تک اُن لوگوں کو جو سلطنت جمہوری کو مفید
 سمجھتے ہیں اور اُن کو جو کاروبار سلطنت کے لئے رئیسوں اور سرداروں کو اعلیٰ
 اختیارات کا دینا فائدہ مند خیال کرتے ہیں اظہار خیالات کی ایک جیسی آزادی
 نہ دی جائے۔ اور تا وقتیکہ اُن شخصوں کو جو میراث و جائیداد کے اصول کو بہبود
 کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور اُن کو جو ملک کی دولت کا اسرار و غریبوں پر ابر
 تقسیم کر دینا نوع انسان کو امن و چین میں رکھنے کا اعلیٰ ذریعہ قرار دیتے ہیں
 یا قواعد کی پابندی چاہتے والوں اور آزادی پسندوں یا تعیش اور رہنمائی
 کے اصولوں کے ماننے والوں اور تمام مخالفین رائے کو پورا ہمتیارس
 امر کا نہ ہو کہ وہ اپنی رائے کو بغیر کسی رد و ٹوک کے ظاہر کریں اور اپنے خیالات
 کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جو کچھ چاہیں کہیں۔ تب تک متناقض رائوں کا
 انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا محال ہے۔ دنیاوی معاملات کے بہت سے

میں اکثر اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور ان میں کئی فریق ہوتے ہیں۔ ہم ان فریقوں کی اصلیت دریافت کرنا بغیر سب طرف کی رائیں سننے کے محال ہے کہ فریق کی کوئی بات صحیح ہوتی ہے اور کسی کی کوئی۔ کبھی ایسی صورت نکلتی ہے جس سے دونوں طرف کی رائیں صحیح ثابت ہوں۔ ایسے شخص بہت کم ہیں۔ اپنی وسیع خیالی سے خود سوچ کر ہر ایک طرف کی رائے پیش نظر رکھیں۔ اور بالکل بے تعصبی سے سچ اور جھوٹ کو تارین۔ سب طرف کی رائیوں کو مد نظر رکھ کر صداقت کا دریافت کرنا بغیر اسکے محال ہے کہ ہر ایک فریق اپنی اپنی رائیوں کو بڑے جوش کے ساتھ بیان کرے اور ان پر جس طرح چاہے مباحثہ کرے۔ ان تناقض رائیوں میں سے جوینے اور پر بیان کی ہیں جس رائے کے اظہار کی ہمیں اجازت دینی چاہئے بلکہ جس کی ترویج میں ہر طرح سے مدد دینی چاہئے وہ ہی مروجہ رائیوں کے خلاف ہے اور معدود چند ہی کے معادن ہیں۔ اُسی رائے پر توجہ نہیں کی جاتی اور اگر اسپر عمل کرنا واقع میں بہت مفید ہے تو گویا انسانی بہبودی کے خیال کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ انگلستان میں ان معاملات پر اختلاف رائے ظاہر کرنے کی کچھ بندش نہیں۔ یہ تناقض رائیں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں کہ اختلاف رائے کے قائم رہنے سے عقل انسانی کی موجودہ حالت میں ہر ایک طرف کی رائے کا پورا پورا اِلصاف ہو سکتا ہے۔ جب یہ شخص

پائے جائیں جو کسی معاملہ میں تمام دنیا کے لوگوں سے زالی راے رکھتے ہوں۔ تو خواہ عام لوگوں کی راے صحیح ہی کیوں نہ ہو انکے خیالات کو سننا ہر طرح مفید ہے اور اگر انکو اپنی راے کے بیان کرنے سے باز رکھا جائے تو اس سے بیشک دریافت حقائق کو نقصان پہنچے گا *

اعتراض ہو سکتا ہے کہ بعض ضروری اور مشکل معاملات کے مروجہ مسلمہ اصول دہورے نہیں۔ مثلاً عیسائی مذہب میں جن اخلاقی مسائل کی تعقین کی گئی ہے وہ بلحاظ اخلاقی مسائل کے کامل اور پورے ہیں۔ ان میں کسی بات کی کمی نہیں۔ اور اسلئے اگر کوئی ان مسائل کے خلاف کچھ کہا چاہے تو وہ بالکل غلطی پر ہے * چونکہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ دلیل مذکورہ بالا پر بہت زور دیتے ہیں بہتر ہے کہ ہم اس پر کچھ رائے ظاہر کریں۔ لیکن عیسائی مذہب کے اخلاقی مسائل کی تشریح سے پہلے اس بات کا فیصلہ کر لینا مناسب ہے کہ انہی کو کسے مسائل مراد ہیں؟ اگر ان سے ان نضایح و مواضع کی مراد ہے جو نیوٹن (عہد نامہ جدید) میں درج ہیں تو تعجب ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ایک معقول شخص کی یہ رائے ہو کہ وہ کتاب اخلاقی مسائل کا ایک کامل مجموعہ سمجھی جاتی تھی یا اسکی تصنیف و تالیف سے یہ غرض رکھی گئی تھی؟ انجیل میں ہمیشہ پرانے مسائل کی طرف اشارہ ہے۔ انجیل کی نضایح صرف وہیں تک محدود ہیں جہاں تک کہ ان پرانے مسائل کے بعض نقائص کی

اصلاح کے لئے ضروری تھا بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اُن پرانی ہدایات کی بجائے نئی ہدایات کی گئی ہیں جو انکی بہ نسبت زیادہ تر مفید ہیں۔ لیکن ان سب کا طرز بیان بہت مبہم ہے اور اُن الفاظ کے لغوی معنوں سے اصلی مطالب کا نکالنا بہت مشکل ہے۔ ان میں شاعرانہ لطافت اور فصاحت کی خوبی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور معنوں کی صحت جو قانونی مسائل کے مطالب بیان کرنے کے لئے ضروری ہے بہت کم ہے۔ صرف اولڈ ٹیسٹمنٹ کے پڑھنے سے بغیر مدنیو ٹیسٹمنٹ کے چند اخلاقی مسائل کا نکالنا محال ہے۔ اور اولڈ ٹیسٹمنٹ کے مسائل بھی اگرچہ بڑی محنت سے مرتب کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن صرف وحشیوں کے لئے ہی مفید ہو سکتے ہیں۔ اور انہیں کے لئے موضوع کئے گئے تھے۔ سنٹ پال جو اس امر کے خلاف تھا کہ نیو ٹیسٹمنٹ کے مسائل کو سمجھنے میں اولڈ ٹیسٹمنٹ سے مدد لی جاوے پرانے اخلاقی مسائل کے وجود کو جو یونانیوں اور روموں میں مروج تھے مانتا تھا۔ اسے جتنی نصیاح عیسائیوں کو کی ہیں اُن میں اس بات کی کوشش بخوبی خاطر معلوم ہوتی ہے کہ اُن پرانے مسائل سے کسی جگہ انحراف نہ پایا جاوے۔ یہاں تک کہ اسے غلامی کی رسم کو بھی منظور کیا ہے۔ جن اخلاقی مسائل کو عیسائی مذہب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے وہ مسیح یا اُس کے شاگردوں کے ایجاد نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے زمانہ سے بہت

پہنچے کے ہیں اور ابتدائی پانچ صدیوں کے کیتھلک چرچ سے نکلے ہوئے ہیں۔ اگرچہ حال کے لوگوں اور پروٹسٹینٹوں نے انکو بہم و جوہ خستیا نہیں کیا تاہم ان میں بہت کم تبدیلی کی ہے۔ اکثر انہوں نے وہ ضنول باتیں جو مثلاً ایجن میں ایذا دہی گئی تھیں دور کر دی ہیں۔ اور ہر ایک فریق نے اپنی طرف سے وہ باتیں زیادہ کر دی ہیں جو انکی طبائع کے موافق تھیں۔ میں اس بات سے بے گزرا نکار نہیں کرتا کہ نوع انسان کو ان مسائل سے اور انکی تعلیق کرنے والوں سے بہت فائدہ پہنچا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ بہت سی باتوں میں یہ مسائل غیر مکمل اور یکطرفہ ہیں۔ اور اگر ان خیالات اور مسائل کا رواج یورپ میں نہ تھا جن کا ان میں ذکر ہی نہیں۔ تو یورپ اس درجہ تہذیب پر فائز نہ ہوتا۔ دین مسیحی کے اخلاقی مسائل سے عموماً یہ غرض ہے کہ انسانوں کو پیگنزم سے بچایا جاوے۔ ان میں اکثر نصیاح انفعالی ہیں فعلی نہیں۔ اصل مقصود انکا یہ ہے کہ لوگوں کو گناہ سے باز رکھا جاوے۔ اصلی شرافت ان میں ہو یا نہ ہو۔ انجیل کی نصیاح میں یہ کبہا دیکھتے ہیں کہ فلانی بات نہ کرو اور یہ بہت ہی کم دیکھا جاتا ہے کہ فلانی بات کرو۔ لوگوں کو عیاشی سے بچانے کی کوشش میں رہبانیت کی تعلیم

فٹ نوٹ: بہت پرستون اور شرکوں کے عقائد کو پیگنزم کہتے ہیں یہ لفظ عبرانی

عیسائیوں اور یہودیوں کے سواے اور مذہبوں پر عائد ہوتا ہے + مندرجہ

دیدہ ہے * آہستہ آہستہ اسکا اثر مناسب طور پر ہونے لگا اور لوگوں نے عیاشی اور ربانیت کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کی * ان مسائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیک کاموں کا کرنا اور بُرے کاموں سے بچنا اسلئے اچھا ہے کہ نیک آدمیوں کو بہشت میں داخل ملیگا۔ اور بُروں کو دوزخ میں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہب پرانے زمانہ کے اعلیٰ درجہ کی مذہب قوموں کے مذاہب سے بہت کم درجہ کا ہے۔ اس میں انسانی اخلاق کی خوبی کو خود غرضی کی بنا پر قائم کیا گیا ہے۔ اور دوسروں کو فائدہ پہنچانا اور صلاح و فلاح عام میں کوشش کرنا صرف اسلئے فرض سمجھا گیا ہے کہ ایسے شخص کو عاقبت میں نیک صلہ ملیگا * اس مذہب میں ہر جگہ اطاعت و فرمانبرداری کی نصیحت کی گئی ہے۔ اور حاکمان وقت کی اطاعت صرف اُسی حالت میں برہی گئی ہے جبکہ وہ مذہب کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کریں۔ اپنی ذاتی منافع کے لئے مفسدہ کرنا تو درکنار۔ نافرمانی کرنی بھی بُری خیال لگتی ہے * پیگین قوموں میں تمام رعایا کے مقاصد کا لحاظ رکھنا ہر ایک شخص کا فرض حد مناسب سے بڑھ کر سمجھا جاتا تھا اور اس سے شخصی آزادی کو بہت نقصان پہنچتا تھا۔ لیکن عیسائی مذہب کے اخلاقی مسائل میں اس فرض کی کچھ بھی وقعت نہیں

فٹ نوٹ: یہ مسلمانوں عیسائیوں اور یہودیوں کے سوائے اور مسیحیوں کو

جوت پرست ہوں چکن کہتے ہیں * مترجم

یہ نصیحت قرآن میں ہے نیوٹن ٹیمپٹ میں نہیں کہ اگر کوئی بادشاہ ایسے شخص کو کسی عہدہ پر ممتا کرے جس سے بہتر اور کوئی شخص اسکی سلطنت میں نہ پایا جاوے تو وہ خدا کا اور رعایا کا گنہگار ہے * آجکل کے اخلاقی مسائل کے رد سے پبلک کو فائدہ پہنچانا کی قدر فرض سمجھا جاتا ہے۔ اور اس خیال کی بنا روماء والن اور یونانیوں نے قائم کی تھی عیسائیوں نے نہیں کی۔ ہماری قوم کی افراد میں جتنی ذاتی خوبیاں پائی جاتی ہیں جیسے بلند ہمتی۔ پاس وضع عزت و توقیر کا خیال وغیرہ وغیرہ۔ وہ بھی کچھ مذہبی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ ممکن نہیں کہ یہ خوبیاں ایسے مذہب کی پیروی کا نتیجہ ہوں جس کے رد سے اطاعت اور فرمان برداری ہی قابل قدر سمجھی گئی ہے *

میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ جس لحاظ سے عیسائی مذہب کو دیکھو یا اسکے جس پہلو پر غور کرو یہہ نقائص اس میں ضرور ہی پائے جائیں گے۔ اسکی بہت سی ہدایات اُن مفید نصیاح کی نفیض نہیں جو اس میں درج نہیں ہیں۔ اُن الفاظ کے معنوں کی کشش سے جن میں کہ اس مذہب کے احکام بیان کئے گئے ہیں بہت سی مفید نصیاح نکالی جاسکتی ہیں * خاص سیرج کی نصیاح کی نسبت تو یہہ دعویٰ اور بہی غلط ہے۔ میرا یہہ ہی خیال ہے کہ اُسکی نصیحتوں سے جو غرض کہی گئی تھی وہ اُن سے بہت اچھی طرح پوری ہوتی ہے * اسکی نصیاح اُن اخلاقی پل کے خلاف نہیں جنکی بنا اعلیٰ اصولوں پر رکھی گئی ہے۔

بہت عمدہ اخلاقی ہدایات اُن الفاظ سے نکالی جاسکتی ہیں۔ اور کثیدہ معنی لگانے میں بھی اتنی وقت نہیں پڑتی جتنی کہ بعض شخصوں کو پیش آئی جنہوں نے اُن نصیاح سے روزمرہ کے برتاؤ کے لئے چند قوانین نکالے ہیں۔ مگر اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ اصل غرض اُن نصیاح سے یہ نہ تھی کہ لوگوں کو وہ اعلیٰ اصول بتائے جائیں اور ان پر عمل کرنے کی اُنکو ہدایت کی جائے *۔ بانی دین عیسوی کی جتنی نصیحتیں ہیں ان میں بہت سے اعلیٰ اصول صاف طور پر نہیں پائے جاتے اور نہ اس کا مقصد اصلی یہ تھا کہ اُن باتوں کی طرف لوگوں کی خاص توجہ دلائی جائے۔۔۔ کو سمجھنا چاہیے کہ جو نئے مسائل مسیح کے نصیاح کی بنیاد پر قائم کئے تھے اُن میں تو اُن اعلیٰ اصولوں کو بالکل ہی نظر انداز کیا گیا ہے *۔ پس جب دین عیسوی کے مسائل کا یہ حال ہے تو اُنکو ہماری ہدایات کا کامل مجموعہ تصور کرنا بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ بہت سی باتیں جنکی تائید تو اُن سے پائی جاتی ہے۔ لیکن جنکا ذکر صاف طور پر اُن میں نہیں۔ میری رائے میں یہ خیال کہ دین مسیحی تمام اخلاقی ہدایات کا کامل مجموعہ ہے آجکل بہت پھیل رہا ہے اور لوگوں کو اپنی اخلاقی ترقی میں ساعی ہونے سے باز رکھتا ہے۔ مجھ پر یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگلی لوگوں کی تربیت اخلاقی میں صرف مذہبی تعلیم کا ہی دخل رہا اور غیر مذہبی تعلیم جیسا کہ اب تک معمول ہے اُسکے ساتھ جاری نہ رہی۔

عیسائی مذہب کی تعلیم کی کمی پوری نہ کرتی رہے تو نتیجہ یہہ ہوا کہ لوگوں کی طبع میں ایک طرح کا کمینہ پن پایا جائیگا۔ اور آزادی کا نام بھی نہ رہیگا ان سے سوائے اطاعت و غلامی کے اور کچھ نہیں ہو سیکگا۔ اور اس قسم کے شخص اگرچہ قادر مطلق کی مرضی پر شاگرد صابر رہنے والے ہونگے۔ لیکن اُس حکیم کامل کی اوصاف حسنہ کو سمجھنے یا انکو حاصل کرنے اور اُنکے مطابق عمل کرنے کے بالکل نا قابل ہونگے۔ میری دانت میں انسانی ترقی اور بہبودی کے لئے عیسائی مذہب کے اخلاقی مسائل کے ساتھ ہی اور اخلاقی مسائل کی تعلیم ہی ہونی چاہئے۔ تمام معاملات انسانی میں اختلاف رائے کا ہونا دریافتِ حقائق کا ایک بڑا عمدہ وسیلہ ہے یعنی حقیقت کامل کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ عیسائی مذہب کے اخلاقی مسائل اس قاعدہ سے متشبی نہیں یعنی حقیقت کامل اُنہیں نہیں۔ کہ اور اخلاقی مسائل یا مخالفین کے اعتراضات کے سننے کی ضرورت نہ رہے۔ یہہ ہی مناسب نہیں کہ اگر لوگ اُن مسائل پر غور کریں جنکی تلقین عیسائی مذہب نے نہیں کی تو وہ ان نصایح کو نہ مانیں جن کی تعلیم دین مسیحی نے دی ہے۔ ایسے تعصب کا لوگوں میں پایا جانا نہایت نقصان مند ہے مگر اس قسم کے تعصبات سے بچنا ہی بہت مشکل ہے۔ بہر حال ان شخصوں کے اس تعصب سے فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور نقصان کم۔ چنانچہ یہہ دعویٰ ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ حقیقت کامل ہے۔ در ان حالیکہ

واقعہ میں وہ حقیقت کا صرف ایک حصہ ہے۔ اُنکے مخالفین کو اُنکی تردید کا پورا اختیار ہونا چاہئے۔ اور اگر یہ یہی اُنکی طرح ایسی ہی یکطرفہ رائے بیان کریں تو اُنکی بے انصافی بھی قابل افسوس ہے۔ لیکن اُنکو اس بے انصافی کی اجازت ہونی چاہئے + اگر عیسائی یہہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ اس مذہب کے مخالف ہیں وہ انصاف سے کام لیں تو اُنکو چاہئے کہ وہ خود بھی انصاف پر کاربند ہوں + اس تواریخی واقعہ سے انکار کرنا قرین انصاف نہیں کہ بہت سے اخلاقی مسائل صرف اُن لوگوں کے ہی دریافت کئے ہوئے ہیں جن کو عیسائی مذہب کے مسائل معلوم نہ تھے بلکہ اُن کی غور و فکر کا نتیجہ ہیں جنہوں نے عیسائی مذہب کی تعلیم شکر اُس کو رد کیا تھا +

میرا یہہ دعوئے نہیں ہے کہ اگر لوگوں کو ہر طرح کی رائے بیان کرنیکی پوری آزادی حاصل ہوگی تو مذہبی معاملات یا حکمت اور فلسفہ کے مسائل میں یکطرفہ رائے بالکل معدوم ہو جائیں گی۔ جن مسائل کے حامی بہت تنگ نظر شخص ہونگے اُنکو ضرور وہ اسطرح سے بیان کریں گے۔ کہ گویا اُن کی صحت میں انہیں کسی طرح کا شبہ باقی نہیں۔ اور وہ کو ایسی تلقین دیں گے اور خود اس پر اس طرح سے عمل کریں گے کہ گویا دنیا میں کوئی بات ایسی موجود ہی نہیں جو اس مسئلہ کو کسی طرح سے مشروط بناتی ہو۔ یا اسکی صحت پر کسی قسم کا شبہ ڈالتی ہو + میں تسلیم کرتا ہوں کہ مباحثہ عام سے لوگوں کی

طباع کا میلان کی طرف۔ رایون کی جانب کسی طرح سے کم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اور بھی بڑھ جاتا ہے اور عام لوگوں کا یہ خاصہ ہے کہ جب کسی راکو اپنے مخالفین کے منہ سے سنتے ہیں تو جوش میں آکر اُسکو بالکل ہی نہیں مانتے اور اُسکے غلط ثابت کرنے میں اور بھی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس مباحثہ کا نیک اثر متنازعین پر اسقدر نہیں جب قدر کہ ان شخصوں پر جو طمانیت اور بے تعصبی سے اُن رایون کو سنتے ہیں اور جن متنازعین کی بہ نسبت انصاف کی زیادہ توقع ہو سکتی ہے۔ مباحثہ عام سے لوگوں کی طباع کا مشتعل ہونا اور حقیقت کامل کے مختلف حصوں کا اس طرح سے ظاہر ہونا کہ وہ جسے باہم متناقص معلوم ہوں اتنا برا نہیں۔ لوگوں کا خاموش رہنا۔ اطمینان سے اوقات بسر کرنا۔ اور حقیقت کامل کے مختلف حصوں کا چھپے رہنا نہایت نقصان مند ہے۔ جب ہر طرف کی رائیں لوگوں کا وزن میں پڑتی رہیں گی اور کسی مسئلہ کے مخالفین و معاونین دونوں کے خیالات سننے میں آئیں گے تو حقائق کے دریافت کی بہت کچھ امید کی جاسکتی ہے۔ برعکس اس کے جب وہ صرف ایک طرف کی ہی رائیں مدت تک سنتے رہیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پُرانی غلطیوں کی اصلاح مشکل ہو جائیگی۔ اور تعصب پیدا ہو جائیگا۔ جو اصل حقیقت اُنکو معلوم ہی ہوگی وہ بھی مبالغہ و غیرہ کے ساتھ ملکر ایسی بگڑ جائیگی کہ اسے حقیقت کہنا ہی ناواقف ہے۔ چوں کہ

ایسی دورانیوں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہم پر بہت سے صرف ایک ہی کے ماننے والے پائے جاتے ہیں اور اسی کے صحیح ثابت کرنے والی دلائل کا وزن سے گزرتی ہیں نہایت مشکل ہے۔ اور ایسی بے تعصبی لوگوں میں بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے کسی رائے کی اصلی حقیقت کا دریافت ہونا تب ہی ممکن ہے۔ جب اسکے ہر ایک پہلو کے ماننے والے موجود ہوں اور صرف موجود ہی نہ ہوں بلکہ انکو اپنے خیالات اس طرح سے ظاہر کرنیکی اجازت ہو کہ لوگ انکی رائیں سنیں۔

ہم نے یہاں تک یہ ثابت کیا ہے کہ خیالات کی صحت اور ترقی کے لئے آزادی رائے اور آزادی اظہار رائے ضروری ہے (اور یہ ظاہر ہو کہ تمام معاملات انسانی کا مدار اسی عقلی ترقی پر ہے) اور اپنے قول کی تائید میں چار جداگانہ دلائل پیش کی ہیں جنکا مختصر طور پر احادہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ اولاً یہ کہ اگر کسی رائے کے ظاہر کرنے کی ہم اجازت نہیں دیتے اور لوگوں کو اسکے مخفی رکھنے پر مجبور کرتے ہیں تو کیا معلوم ہے کہ وہ رائے صحیح ہو شاید ہم ان دلائل سے واقف نہ ہوں جن سے وہ صحیح ثابت ہوتی ہو اس انکار کرنا اپنے آپکو غلطی سے منور سمجھنا ہے۔

ثانیاً اگر وہ رائے جسکے ظاہر کرنے کی اجازت ہم نہیں دیتے غلط ہی ہو تو یہی ممکن ہے کہ کچھ حصہ اسکا صحیح ہو اور اکثر ایسا ہوتا ہی ہے۔

چونکہ مرد و جانین اکثر صداقت کا ایک حصہ ہی ہوتی ہیں اور یہ نہیں جیسا جاتا کہ اُن میں کوئی بھی حقیقت کامل ہو۔ تو باقی ماندہ حصہ حقیقت کا دریافت ہونا بغیر اسکے محال ہے کہ متضادہ رایوں کا باہم مقابلہ ہوا در سب طرح کی رائیں بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے ظاہر کی جائیں *

ثالثاً اگر مسلمہ رائے جیسے خلاف کھنے کی ممانعت ہو صرف صحیح ہی نہیں بلکہ حقیقت کامل بھی ہو تو بھی جب تک اس رائے کے مخالفین کو اپنے خیالات کے ظاہر کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور اُس پر مباحثہ عام نہ کیا جائیگا۔ تب تک اس رائے کے ماننے والے بھی اُسکو ایک دوسرے کی تقلید سے ہی تعصب کے ساتھ مایں گے۔ اور اُن دلائل سے بہت کم آشنا ہونگے۔ جسے اُس رائے کی صحت ثابت ہو سکے * صرف یہ ہی نہیں بلکہ **مرابعاً** اس رائے یا مسئلہ کے مننے لوگوں کے ذہن میں تنازعہ نہیں رہیں گے اور اُنکے بالکل گم ہو جانے کا بھی اندیشہ ہوگا۔ اور اُنکا اثر لوگوں کے دلوں پر اسقدر کم ہو جائیگا کہ اپنے افعال و اعمال میں وہ اُنکا خیال بالکل نہ رکھیں گے اور صرف لفظ ہی لفظ یا درہ جائیں گے * اس حالت میں اُنکے ماننے سے اور معقول رایوں کا لوگوں کے دلوں میں جگہ پانا بھی مشکل ہو جائیگا اور جن باتوں کی صحت اُنکو تجربہ یا استدلال سے صحیح معلوم ہوتی ہے اُنکے ماننے میں ہی اُنکو تامل ہوگا *

اظہار خیالات کی آزادی کے ممنون کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی رائے پر غور کیجئے جو یہ کہتے ہیں کہ خیالات کے ظاہر کرنے کی تو آزادی ہونی چاہئے لیکن ساتھ ہی اس امر کا بھی لحاظ چاہئے کہ وہ رائے میں جائز طور پر اور شائستگی کے ساتھ ظاہر کیجائیں اور مباہثہ میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا جاوے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ شائستگی کی حد مقرر کرنا محال ہے کیونکہ اگر شائستگی طرز مباہثہ کا معیار یہ ہو کہ ان لوگوں کو رنج نہ پہنچے جن کی رائے پر اعتراض بیان کئے جاتے ہیں تو میری دانست میں تجربہ سے ثابت ہے کہ ان لوگوں کو رنج اسی وقت پہنچ جاتا ہے جب ان پر اس قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں جن کا جواب دینا انکو مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر مترض اپنی رائے کو صحیح منوانے کا جوش ظاہر کرتا ہے تو شکایت کیجاتی ہے کہ وہ مباہثہ میں شائستگی کو زیر نظر نہیں رکھتا۔ روزمرہ کے برتاؤ میں اس امر کا لحاظ کہ دوسروں کو رنج نہ پہنچے بے شک ضروری ہے۔ لیکن ہمیں ایک اور قابل غور اعتراض کا خیال بھی کر لینا چاہئے * اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ایک صحیح رائے کو ظاہر کرنا طرز ہی بہت ناجائز ہو سکتا ہے۔ لیکن طرز بیان میں جو نقص قابل اعتراض ہیں انکا ثابت کرنا اور مخالفین کو اس بات کا یقین دلانا کہ وہ ان نقائص میں عدا پھنستے ہیں اور مباہثہ میں ناجائز وسیلوں کو کام میں لاتے ہیں۔

بہت مشکل ہے۔ ہاں البتہ اس حالت میں کہ جب اتفاقاً ایسی باتیں معلوم ہو جائیں جن سے صریحاً یہ ثابت ہو کہ معترض نے عداً ناجائز وسیلوں سے کام لیا۔ یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ بڑی بھاری خرابی یہ بیان کیجاتی ہے کہ مخالفین اپنے اغراض دہوکا دینے کی غرض سے بیان کرتے ہیں ہمارے دلائل سے اور ایسے واقعات سے جن سے ہماری رائے کو تقویت ہو جائے عارفانہ اختیار کرتے ہیں اور ہماری رائوں کو غلط طور پر بیان کرتے ہیں لیکن چونکہ عموماً وہ شخص بھی جو کسی طرح سے جاہل یا نالائق نہیں کہلا سکتے۔ ان نغائیں میں سادہ دلی سے پھنس جاتے ہیں اور دہوکا کی غرض سے اُن ناجائز طریقوں کو عمل میں نہیں لاتے۔ اس لئے دلیل سے اُن لوگوں کا تقصیر وار ثابت کرنا اور اُنکو اخلاقاً قصور وار ٹھیرانا بہت مشکل ہے۔ پس اُنکے اس فعل میں قانون کی مداخلت بھی ناجائز ہے۔ ناشایستہ طور پر مباحثہ کرنا یعنی دہشت کلامی۔ بدبانی۔ اور مخالفین کے شخصی عیوب کی طرف اشارہ سے پرہیز نہ کرنا۔ ان غریب مہذب طریقوں کی نسبت میری یہ رائے ہے کہ انکی ممانعت فریقین کو ہو تو بہتر ہے۔ لیکن آجکل یہ ممانعت صرف انکی فریق کو کیجاتی ہے یعنی اُنکو جو اسے مردوج کے خلاف ہیں۔ عام رائے کا ماننے والا اگر ان ناشایستہ طریقوں کو عمل میں لائے بھی تو اُنکو کوئی بُرا نہیں کہتا۔ بلکہ اُنکی تعریف ہوتی ہے کہ اُنکے جو ش کو کیسی دلیری سے

ظاہر کرتا ہے * اس درشت کلامی۔ اور بدزبانی سے اُس حالت میں زیادہ نقصان ہے۔ جب اسکے مورد عام کے خلاف راہِ نبی و اہلِ نبی ہوں جنکے معاہدین اکثر کم ہوتے ہیں۔ اس سے صرف اُنہیں کو نا جائز فائدہ پہنچتا ہے جو عام رائے کے معاہدین و موید ہوں * درشت کلامی کا ایک نہایت ناپسندیدہ طریق یہ ہے کہ مخالف رائے والوں کو بدعنوان اور بدچلن کہا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی گالیان خاص کر انکو دیا جاتی ہیں جو عام رائے کے خلاف کچھ کہتے ہوں۔ کیونکہ وہ معدود چند ہوتے ہیں اور وہ بھی ذی رعب اور صاحبِ عزت نہیں۔ اور سوائے خود انکے کوئی اور شخص اس امر کی پرداہ نہیں کرتا کہ اُنکے ساتھ انصاف ہو یا نہ ہو * لیکن مردِ جہ رائے کے خلاف جو لوگ کچھ کہا جائیں اُنکو اس قسم کی بدزبانی سے کام لینے کا احتیاج نہیں۔ اگر وہ بھولے سے درشت کلامی اختیار کر بھی لیں۔ تو اول تو اُنکے لئے ہی خرابی پیدا ہو اور اگر قانوناً انکو پوری اجازت بھی ہو تو نتیجہ یہی ہوگا کہ خود انکو گالیان ملین گی * غیر مردِ جہ رائے کی طرف عموماً لوگ تب ہی توجہ کرتے ہیں جب اس رائے کے پیش کر دیا جائے اپنے خیالات کو بڑی نرمی کے ساتھ ظاہر کریں۔ اور عام لوگوں کو خواہ مخواہ رنج پہنچانے سے پرہیز کریں۔ اگر وہ ان امور کا لحاظ نہ رکھیں گے تو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت کو صد مہم پہنچا دیں گے *

برعکس اسکے رائے مروجہ کے معاونین کا درشت کلامی استعمال کرنا مخالفین کو خلاف رائے کے ظاہر کرنے سے باز رکھتا ہے۔ پس صدقہ کو دریافت کرنے۔ اور انصاف کو زیر نظر رکھنے کے لئے عام رائے کے ماننے والوں کو درشت کلامی سے باز رکھنا اسکے مخالفین کو روکنے سے زیادہ ضروری ہے۔ اور اگر بالفرض اس امر کے فیصلہ کی ضرورت پیش آئے کہ مذہب کے ماننے والوں کو ان درشت الفاظ کے حملوں سے بچایا جائے یا مخالفین مذہب کو تو میری رائے میں انکے مخالفین اس حمایت کے زیادہ حاجت مند ہیں۔ بہر حال یہ امر تو محتاج دلیل نہیں کہ قانون یا گورنمنٹ کی مداخلت ان معاملات میں ناجائز ہے اور عام لوگوں کا بڑا بہلا کہنا ہی ان شخصوں کے لئے کافی سزا ہے جو ان باطنی فریبوں سے کام لیں۔ مگر عام لوگوں کو بھی اس بات کا خیال کر لینا چاہیو کہ وہ سوچ سمجھ کر اس شخص کی تزمیم کے درپے ہوں جو اپنی دلائل کے بیان کرنے میں استبازی کا لحاظ نہ رکھے۔ جس میں تعصب اور بدباطنی پائی جائے خواہ وہ عام رائے کا مخالف ہو خواہ معاون۔ انکو یہ نہیں چاہئے کہ لوگوں کو ایک خاص رائے کے طرفدار ہونیکے باعث ان برائوں سے متہم کریں۔ لوگوں کو اپنے شخصوں کی بے تعصبی کی ہی داد دی جائے جو طمانیت کے ساتھ اپنے مخالفین کی دلائل پر غور کرتے ہوں اور ان کو بے کیم و کاست بیان کرتے ہوں۔ انکی اپنی خواہ کچھ ہی رائے ہو۔ یعنی جو

جو اپنے متخاصمین کے دعوؤں کو بغیر کسی قسم کے مبالغہ اور اپنی طرف سے ایسی باتیں زاید کر دینے کو جن سے اُنکے دعوؤں کی اصلی خوبی جاتی رہے ظاہر کریں۔ اور اُن باتوں کو جن سے مخالفین کی رائے کو تقویت ہو عداوت پیدا نہیں ہوگی۔ مباحثہ عام میں انہیں اخلاقی اصولوں کا لحاظ چاہئے۔ گو اکثر اُنکے خلاف عمل ہوتا ہے تو یہی ایسے بہت سے مباحث پائے جاتے ہیں جو ان قواعد پر عمل کرتے ہیں۔ اور ایسے شخص اور بھی زیادہ ہیں جو صدق دل سے ان خوبیوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُنکے حصول کو ہر وقت مد نظر رکھتے ہیں *

فصل سوم

شخصیت کا قیام یہود انسانیت کا اعلیٰ ذریعہ ہے

اب تک ہم نے اُن دلائل کا ذکر کیا ہے جن سے آزادی کے ادا آزادی اظہار رائے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اور اُن نقصانات کی تفصیل بیان کی ہے جن کا بڑا اثر۔ جب تک یہ آزادی لوگوں کو نہ دیا دے یا لوگ باوجود مخالفت کے اسکو عمل میں نہ لائیں۔ انسان کے خیالات اور اخلاق پر ہوتا ہے * اب ہم اس امر پر غور کریں گے کہ آیا انہیں دلائل سے یہ ثابت

ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اپنی رائے پر عمل کرنے اور اپنے ذہنی اصولوں کو روبرو کے برتاؤ میں لانے کا اختیار (بشرطیکہ اُن پر عمل کرنے سے اگر کچھ نقصان ہو تو صرف کرنے والے ہی کا ہو دوسروں کو ایذا نہ پہنچے اور اُن کی آزادی میں خلل نہ آئے) بغیر قانونی مزاحمت کے یا لوگوں میں بدنام ہونے کے خوف کے ہونا چاہئے یا نہیں۔ شرط مذکورہ کا لحاظ رکھنا البتہ ضروری ہے یہہ کوئی نہیں کہتا کہ آزادی فعل اُن وسیع معنوں میں جائز ہے جن میں کہ آزادی رائے۔ بلکہ آزادی اظہار رائے کو بھی ایسے موقعوں پر عمل میں لانا۔ جس سے لوگوں کو ایک بُرے کام کی اشتعالک ہو۔ ناجائز ہے۔ اس سے کچھ اظہار کہ غلہ فروش غریبوں کو بہو کا مارتے ہیں۔ اگر اخبارات کے ذریعہ سے ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ لیکن اگر یہہ رائے چند بد معاشوں کے سامنے ہو غلہ فروش کے گھر پر جمع ہوں زبانی ظاہر کیا دے یا پرچون پر چھاپ کر اُن میں تقسیم کیجائے تو واقعی بہت نقصان ہوگا۔ اور ایسی آزادی کے روکنے کے لئے سزا دینی ہی مناسب ہے۔ اُن افعال سے باز رکھنے کے لئے جن سے بیوجہ دوسروں کو نقصان پہنچے لوگوں میں بدنام ہونے کا خوف بہت عمدہ اور واجب تازیانہ ہے۔ اور سب ضرورتِ وقت کو ذہن کو کبھی ایسی باتوں میں مداخلت کرنی چاہئے۔ شخص آزادی کی یہہ ہی حد ہے کہ دوسروں کو خواہ مخواہ نہ ہونے دے۔ لیکن اگر کوئی شخص دوسروں کی آزادی میں مداخلت نہ ہو

اور ان کو خواہ مخواہ ایذا نہ پہنچائے اور صرف اپنے ذاتی معاملات میں ہی طرح چاہے عمل کرے۔ تو جن دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی راے ضروری ہے انہیں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص کو ان رایوں پر عمل کرنا پورا اختیار ہے جبکہ بڑا یا بھلا اثر اسی کی ذات پر ہو۔ نوع انسان غلطی منترہ نہیں ہیں۔ ان کے اکثر معلومات حقیقت کا ایک حصہ ہی ہوتے ہیں۔ اتفاق راے اگر مخالف رایوں کے سننے اور ان کا باہم مقابلہ کرنے کے بعد پیدا ہو تو فضول ہے۔ اور اختلاف راے جب تک کہ انسانی ترقی اس پر نہ پہنچ جائے کہ لوگ ایک مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے لئے حال کے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ قابلیت رکھیں بجائے نقصان مند ہونے کے نہایت مفید یہ ایسے اصول ہیں جن کا اطلاق انسانوں کے اقوال و افعال پر ایک سا ہے۔ انسانی ترقی کی اس غیر مکمل حالت میں جس طرح اختلاف راے کا قیام نہایت ضروری ہے ویسا ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ہر طرح کی طرز معاشرت کو مفید غیر مفید ہونے کا تجربہ کیا جائے۔ اور مختلف طبائع کے لوگوں کو بشرطیکہ دوسروں کو کیسے طرح کی ایذا نہ پہنچے ہر ایک کام کرنے کا پورا اختیار ہو اور ہر ایک کو طرز معاشرت کے مختلف طریقوں کا امتحان کرنے کی اجازت ہو۔ غرضیکہ یہ نہایت سب سے کہ جن افعال کا اثر دوسروں پر نہیں ہوتا ان کے کرنے کی ہر ایک کو آزادی ہو۔ جہاں لوگ اپنے افعال و اعمال میں خود

اپنی عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اور جو فعل کرتے ہیں اس کے حسن و قبح خود نہیں سوچتے۔ بلکہ صرف رسم و رواج ہی کی پابندی میں لکیر کے فقیر بنے رہتے ہیں۔ وہ ان مسرت انسانی اور قومی و شخصی ترقی کے اعلیٰ وسائل ہی معدوم ہیں +

لوگوں کو اس اصول کی طرف توجہ دلانے اور اس کی صحت تسلیم کرانے میں یہ وقت نہیں ہے کہ لوگ ایک کام کو اپنا مقصد اہم مانکر اس کے حاصل کرنے کے ذرائع و وسائل کو نہیں سمجھتے۔ بلکہ یہ مشکل ہے کہ لوگ اس مقصد ہی کی طرف توجہ نہیں کرتے + اگر لوگوں کو یہ بخوبی معلوم ہو کہ شخصیت کا قائم رہنا بہبود انسانی کا اعلیٰ ذریعہ ہے اور یہ صرف اور ذریعوں کی طرح جیسے تعلیم و تربیت وغیرہ ہیں ضروری ہی نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر تعلیم وغیرہ سے فائدہ پہنچنا بھی محال ہے۔ اور اس کا قائم رہنا اور سب باتوں سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے۔ تو آزادی کی کم قدری کا بالکل خوف نہ ہو اور شخصی آزادی اور سوسائٹی کے اختیارات کی بوجہ غلط دریافت کر نہیں کچھ بڑی وقت نہ پیش آئے + لیکن خرابی تو یہ ہے کہ شخصیت اور قیام شخصیت کی کوشش کی عموماً لوگ قدر نہیں کرتے اور ان دونوں باتوں کو بنفسہ فائدہ مند تصور نہیں کرتے۔ حصہ کثیر انسانوں کا مروجہ طرز بود و باش ہی کہ را در یہ طرز انہیں کا بنایا ہوا ہے (مفید خیال کو تباہ ہے اور ان کی بھمہ میں

ہیں تاکہ ہر ایک فرد بشر کے لئے یہ ایک ہی طریقہ مفید نہیں ہو سکتا *
 علاوہ برین بڑا نقص تو یہ ہے کہ اکثر وہ لوگ بھی جن کو سوسائٹی کے دبیہا
 ہونے کا دعوے ہے اس اصول کا خیال نہیں رکھتے کہ ہر فرد بشر کو ان اوصاف
 ذاتی کے قیام رکھنے اور ترقی دینے کی اجازت ہونی چاہئے جو اس میں مقابلاً
 اور دن کے خصوصیت کے ساتھ پائی جائیں۔ اور ہر ایک کو اپنے دل کی
 امنگیں پوری کرنے کی (بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے کا نقصان نہ ہو)
 آزادی ہونی چاہئے بلکہ اس طرح کی آزادی انہی نظروں میں چھپی ہے جن
 باتوں کو یہ اپنی رائے میں مفید سمجھتے ہیں انکے عام طور پر مروج نہ ہونے کا
 اسی کو مانع تصور کرتے ہیں * جرمنی میں ایسے بہت کم شخص ہیں جو
 وٹسمان ہم بولٹ جیسے فاضل پولٹیشن کی اس رائے کو مٹنے
 سمجھتے ہوں جو اسکی ایک کتاب کا ٹب لباب ہے۔ وہ رائے یہ ہے کہ انسان
 کا اعلیٰ مقصد جس کے اعلیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مقصد عقل انسانی کے
 غیر متبدل قواعد کے اعتبار سے قرار دیا گیا ہے عارضی خواہشوں کے لحاظ سے
 نہیں) اپنے تمام قواعد عطیہ قدرت کو بوجہ اکمل شگفتہ کرنا ہے اس طرح سے

فٹ نوٹ: یہ بہت شہو فاضل جرمنی کا رہنے والا تھا۔ زبان دان میں آہارت کا لہی۔
 اسے ابتدائین فلسفہ اور قانون کا مطالعہ کیا تھا اور پھر سلطنت جرمنی کی طرف سے بہت سے
 ملکوں میں سفیر کے طور پر رہا۔ اسے بہت سے عمارتیں کی تصنیفوں پر تقریظیں لکھی ہیں۔
 شہر اعمین مرگیا * مٹرجیم

کہ ایک قوت کی ترقی کو دوسری کی ترقی پر ترجیح نہ دیا جائے۔ اس لئے ہر شخص کو اور خاص کر ان لوگوں کو جو ابنا۔۔۔ جس سے اپنے افعال کی متابعت چاہتے ہیں اس امر کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ کہ لوگوں میں مختلف کمالات کے حامل کرنے کی قابلیت پائی۔ اور جس شخص میں بعض کمالات کے اکتساب کا مادہ خصوصیت کے ساتھ موجود ہو اس کو اس طبعی ملکہ کی ترقی کا ہر طرح سے موقع دیا جائے۔ اس کے لئے خاص کر دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگوں کے حالات باہم بہت مختلف ہوں تاکہ مختلف کمالات کے اکتساب کی ضرورت انہیں معلوم ہو۔ اور دوسری یہ کہ انہیں آزادی حاصل ہو۔ تاکہ جس کمال کا اکتساب انہیں مطلوب ہو وہ حاصل کر سکیں۔ اس سے نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ایک شخص میں خاص قسم کا ملکہ اور خاص طرح کی قابلیت پائی جائیگی اور تمام گروہ میں مجموعاً ہر طرح کی ترقی دیکھنے میں آئیگی اور ایجاد و اختراع کی یہی بنیاد ہے۔

اگرچہ وہ ان ہسبولٹ کے سے مسائل سے لوگ بہت کم آشنا ہیں اور متحیر ہوتے ہیں کہ شخصی آزادی کا اس قدر فائدہ مند ہونا کن دلائل سے ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ شخصی آزادی کے اس قدر حجت تک مفید اور ضروری ہونے پر ہی اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ یہ کسی کی رائے نہیں ہے کہ انسان کی خوبی صرف اسی میں ہے کہ وہ اپنے

انحال و اعمال میں ایک دوسرے کی نقل کریں۔ یہہ کوئی نہیں کہتا کہ کوئی شخص بھی اپنی اوضاع و اطوار کے موضوع کرنے میں اپنے عقلی نتائج سے کام نہ لے اور اپنی میلان طبع کا لحاظ نہ رکھے + ہماری یہی ہم رائے تہین ہے کہ انسان کو دوسروں کے دریافتوں اور نتائج طبع سے بالکل فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔ اور دنیا میں اس طرح سے اتفاقات بسر کرنی چاہئے جس سے یہہ ثابت ہو کہ انکی پیدائش سے پہلے کسی نے کوئی طریقہ طرز معاشرت کا ایسا نہیں نکالا جو تجربہ کے رو سے یہ نسبت اور طریقوں کے زیادہ تر مفید ثابت ہوا ہو۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ لوگوں کی تسلیم ایام طفولیت میں اس طور پر ہونی چاہئے کہ وہ معلومات انسانی سے واقف اور مستغنیض ہوں + مگر جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کو اختیار ہونا چاہئے کہ دوسروں کے تجربوں سے جو نئے چاہیں نکالیں۔ ان پر طرح چاہیں عمل کریں۔ اس امر کا فیصلہ انہیں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے کہ تجربات و معلومات انسانی کا کونسا حصہ انکے حالات اور طبع کے مطابق ہے + کسی رسم و رواج کے جاری رہنے سے یہہ پایا جاتا ہے کہ اس رسم کے جاری کرنے والوں نے اسکی پابندی کو اپنے تجربہ اور عقل کے موافق مفید پایا۔ اور اس سے گمان ہو سکتا ہے کہ وہ رسم ہمارے لئے بھی مفید ہو لیکن اول تو ممکن ہے کہ ان کا تجربہ نہایت محدود ہو۔ اور انہوں نے اپنے تجربہ

کو صحیح طور پر نہ سمجھا ہو + دوقم اگر انہوں نے اپنے تجربات کو صحیح طور پر بھی سمجھا ہے تو بھی ممکن ہے کہ جن قواعد کی پابندی انہوں نے ضروری سمجھی وہ ہمارے خاص حالات کے لئے مفید نہ ہوں۔ رسم و رواج عموماً عوام کے فائدہ کے لحاظ سے اور عام آدمیوں کی طبائع کے موافق بنائی جاتی ہیں۔ ہمارے حالات اور طبیعت شاید خاص ہوں + رسوم اگر رسوم محض لمجاظ رسوم مفید بھی ہوں اور ہمارے حالات کے موافق بھی ہوں تو بھی بے سوچے سمجھے انکی پیروی نہایت مضرت رسان ہے۔ اور اس سے انسان کی وہ طاقتیں جو انسان دو دیگر حیوانات میں بابہ الامتیاز میں مستحفظہ نہیں ہوتیں + انسان کی سوچ سمجھہ۔ قوت تمیز۔ عقلی معاملات میں مصروف رہنے کی عادت یہ سب ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دینے میں ہی عمل میں آتی ہیں + جو شخص اپنے سب کام محض پابندی رسم ہی کرتا ہے اسے ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دینے کا کام ہی نہیں پڑتا + افعال پسندیدہ کی انگ اُسکے دل میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اسکو نیک کاموں کے پہچاننے کی عادت ہی نہیں ہوتی + انسان کے عقلی اور اخلاقی قوائے جسمانی طاقت کی طرح استعمال ہی سے ترقی پاتے ہیں۔ دوسروں کی نقل کرنا اور بعض کام اسلئے کرنے کہ لوگ ان کاموں کو کرتے ہیں ویسا ہی مضرت رسان ہے جیسا کہ بعض مسائل کو صرف اس خیال سے صحیح ماننا کہ لوگ انکو صحیح مانتے ہیں۔ اس سے قوائے انسانی کی شکفتگی

میں کسی طرح کی مدد نہیں ملتی * اگر کوئی شخص کسی رائے کو اپنی عقل و فکر کے رو سے صحیح نہیں سمجھتا تو اس رائے پر عمل کرنا اس کی عقل و فہم کو طاقت بخشنے کے بجائے اور بھی ضعیف کر دیتا ہے۔ اور اگر کسی فعل پر پرستش و انجائے کے کہ جب وہ فعل یا پس محبت یا بلحاظ حقوق دیگر ان کیا جائے گا ادا کرنے والے بوجہ اس قسم کے ہیں جنکو ایک شخص اپنی طبیعت کے رو سے پسند نہیں کرتا تو اس فعل کے کرنے سے اس کی طبیعت بجائے تیز اور چالاک ہونے کے سست اور بیکار ہو جاتی ہے *

جو لوگ اپنی اوقات بسر کرنے کے طریقے اپنی عقل و فکر کے استعمال کے بغیر دوسروں کے کتاب کو جتنے ہیں انکو سوا سے نقالی کی طاقت کے لئے کسی طاقت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ برعکس اس کے جو شخص سوچ سمجھ کر ایک طریقہ کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے اور پسندیدہ طریقہ کو محنت سے اپنا کرتا ہے اس کو اپنی تمام طاقتوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اسے ہر ایک پیش نظر معاملہ کو غور و فکر سے دیکھتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے اور عقل اور قوت استدلال کی بھی حاجت پڑتی ہے تاکہ وہ ہر ایک کام کے مال انجام کو سوچے۔ اس میں مصروفیت کی عادت کا ہونا بھی لوازمات سے ہے تاکہ وہ ایسی دلائل و واقعات کے فراہم کرے جو سب سے سچے ہیں۔ جب تک کہ وہ حالات و مہذب سے نکل کر فیصلہ پر قائم ہو۔ قوت تمیز بھی اس میں ضرور چاہئے کیونکہ ایک بات کو دوسری

ترجیح دینا اور ایک طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں
 اسکی طبیعت میں استقلال بھی چاہئے تاکہ وہ اپنے نتائج عقلی پر ثابت قدم
 رہے۔ اور کبھی طبیعت کو اپنی رائے پر عمل کرنے سے منحرف نہ ہونے دے۔
 اپنے مشاغل اور اوضاع و اطوار کے اختیار کرنے میں جس قدر وہ اپنی عقل
 فکر کو زیادہ دخل دیگا اور اپنی طبیعت کا زیادہ لحاظ رکھے گا اسی قدر اسے ان
 طاقتوں کے استعمال کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ ممکن ہے کہ وہ بغیر اس قدر
 درد سر کے راہ راست پر چلتا ہو اور ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہا ہو اور
 رہے۔ لیکن پھر اس کے صاحب عقل ہونے اور حیوان ناطق کہلانے سے کیا فائدہ
 ہے؟ ہمیں صرف لوگوں کے اعمال ہی نہیں دیکھنے چاہئیں۔ بلکہ اس امر کا
 لحاظ بھی رکھنا چاہئے کہ آیا وہ ان کاموں کو سوچ سمجھ کر بالارادہ کرتے ہیں۔
 جیسے اور پتھروں و کمال پر پہنچانا اور خوبصورت بنانا انسان کا فرض ہے ویسا
 ہی اپنے قوائے کی تکمیل میں ساعی ہونا اور ان میں حسن انتظام قائم رکھنا
 انسان کے لئے لازم ہے۔ اپنے آپ کو ہر طرح سے کامل بنانا بھی
 انسان کا ایک فرض ہے۔ بغرض محال اگر تعمیر مکان۔ کاشت غلہ
 میدان جنگ میں لڑنا۔ گرجا وغیرہ کی تعمیر اور نمازیں پڑھنا۔ کلموں کے
 ضمیمے۔ (دینی عمل انسان کی سی ہو اور دینی حرکت اور جنبش سکے لئے
 کسی اور چیز کی ضرورت نہیں) جو ممکن۔ تو یہی ممکن اس زمانہ کے بہت سے مردوں

اور پورے دن سے جن کو ایک ہندو قوم میں پیدا ہونے کا فخر حاصل ہے وہ جہاں
 بہتر ہوگی + آجکل کے لوگ تو غایت کمال انسانی کا نہایت بد نمونہ ہیں +
 انسان مانند ایک کل کے نہیں جو ایک خاص نمونہ پر بنائی جاتی ہیں۔ اور
 جن سے صرف یہی غرض ہوتی ہے کہ وہ وقت مقررہ تک ایک خاص کام
 دیتی رہیں۔ بلکہ انسان کی مثال ایک درخت کی سی ہے جو اندرونی طاقتوں
 کے ذریعہ سے خود بخود بڑھتا جاتا ہے اور سب طرف پھیل جاتا ہے +

اتنا تو غالباً بہت سے شخص مان لیں گے کہ انسان کو اپنی عقل و فکر
 سے کام لینا چاہئے اور رسم و رواج کی پیروی منہج سمجھ کر کرنی چاہئے۔ اور اگر کبھی
 کوئی بدسم نہایت نامعقول معلوم ہو تو اسکو ترک کرنے کی جرات کرنی پھر کے فقیر
 بنے رہنے سے بہت بہتر ہے + یہ تو اکثر مانتے ہیں کہ انہیں باتوں کو
 صحیح سمجھنا چاہئے جو اپنی عقل و فکر کو صحیح معلوم ہوں۔ اور رسم کی پابندی
 بے سوچے سمجھے نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ رسوم کی پیروی میں بھی عقل سے
 اس طرح کام لینا چاہئے کہ جن رسوم کی پابندی نقصان مند ہو۔ ان کو
 ترک کرنا اور جن کی پیروی مفید ہو ان کو اختیار کرنا چاہئے + لیکن
 ایک رسم کو دوسری رسم پر فقیہت دینے کی آزادی بیجا ہے۔ یہ کوئی نہیں مانتا کہ
 ہر ایک کو اپنے میلان طبعیت کے موافق ہمیشہ عمل کرنا چاہئے اور ایسے کاموں کی طرف مائل
 ہونا جو عام لوگوں کی پسند کے خلاف ہوں نقصان دہ نہیں مگر جس طرح ہر ایک انسان کی

یہ ضروری ہے کہ اکثر معاملات میں وہ اپنی رائیں اور یقینات رکھتے ہو
 اس طرح یہ بھی لوازمات میں سے ہے کہ ہر ایک انسان کا خاص کاموں کی
 طرف طبعی میلان ہو یعنی ہر ایک کو صرف ایسے ہی کاموں کا شوق نہ ہو
 جو باقی سب کرتے ہیں۔ بلکہ ایسے کاموں کی بھی خواہش ہو جن کے ساتھ
 انکی طبیعت کو اور وہاں سے بڑھ کر کچھ خصوصیت ہے + بہت سے شخصوں کی
 طبیعت کا خاصہ ہے کہ جس کام کی طرف انکی طبیعت کا میلان ہوتا ہے اسی
 کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اکثر اعتدال کا خیال نہیں رکھتے + یہ عادت
 البتہ نقصان مند ہے + لیکن یہ نقص انکی ادھوری تربیت کا ہے جس سے
 صرف چند طاقتیں ہی سنگتہ ہوتی ہیں باقی کی طاقتیں بچی ترقی بھی ویسی ہی
 ضروری ہے مقابلہ بالکل ضعیف رہ جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا
 ہے کہ انکے مذاق میں افراط و تفریط کا نقص پایا جاتا ہے + لوگوں کا افعال
 ذمہ کے ارتکاب پر مائل ہونا انکی اس عادت کا نتیجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے مذاق طبعی کو
 (جس کا میلان خاص انکی حالت میں برے کاموں کی طرف ہے) پورا کرنے
 میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرنے اور جن کاموں کی طرف انہیں
 رغبت دلی ہوتی ہے انکو کبھی کے چھوڑتے ہیں بلکہ اس باعث ہے
 کہ انکی اخلاقی تربیت ناقص ہوتی ہے اور اخلاقی اصولوں کی ہدایت کے بموجب
 عمل کرنے کی ان میں چندان خواہش نہیں ہوتی۔ یعنی انکے مذاق میں اعتدال

نہیں پایا جاتا۔ بُرے کاموں کا شوق انکی طبیعت میں حد سے زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور نیک کاموں کا شوق بالکل نہیں ہوتا۔ یہ غلط ہے کہ جو لوگ اپنے مذاق کو پورا ہی کر کے چھوڑتے ہیں انکا مذکر اخلاقی (کائنات) ضرور ضعیف ہوتا ہے۔ ان باتوں میں اس طرح سے تعلق ہے کہ جن لوگوں کا کائنات ضعیف ہوتا ہے۔ وہ اکثر اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے سے باز نہیں رہتے۔ جو شخص بہت سی باتوں کا مذاق رکھتا ہے اور اپنے مذاق کو پورا کرنے کا از حد خواہشمند ہوتا ہے اسکی طبیعت کو مادہ ہیولانی سے جس میں اکتساب صورت ہر شے کی قابلیت موجود ہے تشبیہ دیکھتے ہیں۔ ایسا شخص اگر بُرے کاموں کی طرف مائل ہو تو بیشک خرابیاں پیدا کرے گا۔ لیکن اگر نیک کاموں کی طرف اسکو رغبت دلائی جائے تو وہ انکو بھی کمال ہی تک پہنچا کر چھوڑے گا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے طبعی شوق کو پورا کرنے بغیر نہیں چھوڑتا اور جو کام کرنا چاہتا ہے اسکو کئے بغیر نہیں ہٹا تو اسکی یہی معنی ہوتے ہیں کہ اس میں استعداد مزاحیہ اور سعی و کوشش کی خواہش کی خواہش جاتی ہے۔ ایسے شخصوں میں بُری عادات کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اگر انہیں نیک کاموں کی طرف مائل کیا جائے تو ان سے بہ نسبت ان لوگوں کے جن میں یہ خوبی نہیں ہے یقیناً زیادہ فائدہ پہنچے۔ جن لوگوں کی طبائع میں اپنے

میلان طبعی کے موافق عمل کرنے کا جوش ہے۔ اُنکو تعلیم و تربیت سے حبا
 کاموں کی طرف مائل کیا جائیگا۔ اُنکے انجام میں وہ انتہا درجہ کا شوق ظاہر
 کریں گے۔ جن جذبات انفعالی کے اثر سے انسان اپنی موجودات طبعی کے
 طرف دل سے راغب ہوتا ہے۔ انہیں کے باعث سے اس میں خیر و
 سعادت کی محبت قلبی پیدا ہوتی ہے اور طبیعت کو برائیوں سے روکنے میں
 عجیب مقدرت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ حسن الخلق اور حفاظت عامہ کے
 لئے جن کا موبعا کرنا سوسائٹی کا فرض ہے انکا عمل میں آنا صرف انہیں جذبات
 کی ترقی سے ممکن ہے۔ جن لوگوں کی طبائع میں یہ جوش پایا جاتا تھا
 انہوں نے دنیا میں بڑی مشکل مہم کو سر کیا۔ ایسی طبیعتیں یکدم نتیجہ
 نہیں ہیں۔ یہ ایک قدرتی مادہ ہے اور سوسائٹی نہیں جانتی کہ یہ خوبیاں
 کس طرح پیدا ہو سکتی ہیں۔ پس جن لوگوں میں یہ وصف پایا جائے
 اُنکی راہ میں مزاحمت قائم کرنا کمال نادانی ہے۔ اور اس سے سوسائٹی کا
 کوئی کام نہیں نکلتا۔ جو شخص خاص کاموں کی طرف طبعی میلان
 رکھتا ہے { یعنی جس کی دلی رغبت اپنی طبیعت کے قدرتی خواص اور خاص
 قسم کی تربیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ دوسروں کی تقلید سے نہیں }
 اُنکی ظاہری اوصاف کو ہم اسکی طبیعت سے منسوب کر سکتے
 ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسکی طبیعت کا نتیجہ ہیں

برعکس اسکے جس شخص کے مذاق و دوسروں کی تقلید سے موضوع ہوئی نہیں
جسے کسی غیر معمولی کام کا جسکی طرف اس کی طبیعت کو ایک خاص مناسبت
ہو شوق ہی نہیں۔ اسکی مثال ایک کل کی سی ہے۔ جیسے ریلوے انجن
اسکے اوصاف اسکی اپنی طبیعت کا نتیجہ نہیں + علاوہ
اس رجحان طبعی کے جس شخص میں اس رجحان کو قوت سے فعل میں لانے کا
جوش بھی موجود ہے۔ اور اسکی طبیعت اس جوش سے مغلوب بھی نہیں
اس میں استقلال پایا جاتا ہے۔ اس میں ترقی و کوشش کا مادہ بھی موجود
ہے۔ اور وہ اپنی طبیعت پر خود قادر ہے۔ انہیں اوصاف کے مجموعہ
کو انگریزی میں فورس او ف کیوکٹر کہتے ہیں + جن
لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہر ایک کو اپنے طبعی میلان کے مطابق عمل کرنے
کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ انکی گویا یہ رائے ہے کہ ملک میں ایسے
شخصوں کی ضرورت ہی نہیں جو خاص معاملات کے انجام دینے میں کمال
جوش کے ساتھ ساعی ہوں۔ یعنی ایسے شخصوں کے وجود سے کسی طرح
کا فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ اور عام لوگوں میں کوشش و سعی کا مادہ
پھیلانا ایک فعل عبث ہے +

زمانہ سلف کے لوگوں میں اپنی طبائع کے موافق عمل کرنے کی
عادت حد مناسب سے بڑھ کر تھی۔ اور سوسائٹی کو اپنے قواعد کی اپنی

کرانے اور لوگوں کو رجحان طبعی سے باز رکھنے کا بہت کم اختیار تھا۔
ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ جب لوگوں میں شخصی آزادی کا مادہ افراط کی جانب جھکا
ہوا تھا۔ تب وقت یہ تھی کہ قومی سیکل اور آزاد مزاج شخصوں کو ان قواعد
کا بنگی پابندی سے اُن کو مبہم نفس کرنا پڑے کیونکہ کریم طبع کیا جائے
اس مشکل کے رفع کرنے کے لئے قانون اور پابندی قواعد کے حامی تمام
افعال متعلقہ زندگی انسانی پر اپنا اختیار چاہتے تھے تاکہ لوگوں کے
چال چلن کے وضع کرنے کا انہیں پورا اختیار حاصل رہے۔ کیونکہ سوسائٹی
کو افراد کے اذنیاع و اطوار ایک خاص طور پر موضوع کرنے لئے اور کوئی
طریقہ سوائے اسکے معلوم نہ تھا کہ تمام افعال انسانی اپنے زیرِ نگرانی رکھے
جائیں۔ چنانچہ پوپ اور اُنکے جانشین اس غرض سے کہ فرمانروایان
ملک مذہبی اعتقادات و یقینات اُنکی اپنی مرضی کے مطابق ہوں اُنکے
تمام افعال اعمال پر اختیار رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن ایسی آزادی
کی بلا سے سوسائٹی کا پیچھا چھوٹا۔ اور اب شخصی آزادی کی افراط کا خوف
انہیں نے بلکہ تفریط کا۔ چونکہ اُن لوگوں کا جوش طبیعت جو بلحاظ
حیثیت عرفی یا باعتبار اوصاف ذاتی اور دون کے مقابلہ میں مستاتہو
اُنکو قوانین و قواعد مقررہ کے خلاف سازش کرنے پر مجبور کرتا تھا اور
انکار و کٹنا دوسروں کے امن و آسائش کے لئے لازمی تھا۔ اسلئے وقتاً فوقتاً

اُنخورد کا گیا۔ اور آہستہ آہستہ اب زمانہ کا حال بالکل بدل گیا۔ آجکل اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ تک سب کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنے آپ کو کسی محتسب کے زیر نگرانی سمجھتا ہے اور اپنے قول و فعل میں حراسانِ ہرہ و جن افعال کے نتائج کا اثر دوسروں پر ہو وہ تو درکنار ذاتی معاملات میں بھی کوئی متفر د اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کرتا کہ میں کن کاموں کو پسند کرتا ہوں؟۔ اور کون سے افعال میرے مزاج یا طبع کے موافق ہیں؟ یا ایسے کون سے مشاغل ہیں جن میں مصروف رہنے سے میدوی وہ طاقتیں بگھٹتے ہیں اور عمل میں آئیں جو اُردو طاقتوں کی بہ نسبت مجھ میں بڑھکر ہیں؟ بلکہ لوگ اپنے آپ سے اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ میرے منصب و حیثیت کے لحاظ سے مجھ کو کیا کرنا چاہیے؟ میرے ہم رتبہ شخص عموماً کس قسم کے فعل کرتے ہیں؟ اور ان سے بدتر حالت انکی سے جو اپنے آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ مجھ سے اعلیٰ رتبہ والے شخص کن باتوں کو پسند کرتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ میری یہ غرض نہیں کہ وہ لوگ مروجہ طریق اوقات بسر ہی کو ان طریقوں پر ترجیح دیتے ہیں جنکی طرف انکی طبیعت کا میلان ہے۔ بلکہ انکی طبیعت سوائے مروجہ کاموں کے۔ اور کسی طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ انکو بجز مروجہ کاموں کے کسی نئے کام کا شوق ہی نہیں۔ اُنکے قواسم عقلی بنیاد پرست ہوتے ہیں۔

ذاتی خطا کے لئے جو کام وہ کرتے ہیں اُن میں بھی توافق کا خیال سب سے پہلے کر لیتے ہیں + جب کوئی چیز انہیں اچھی معلوم ہوتی ہے تو سب کے سب اسے اکٹھے ہی پسند کرتے ہیں + معمولی کاموں میں سے ہی ایک کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ سب سے بڑا لالچ رکھنا یا سب سے علیحدہ طرز اوقات بسر کرنا اختیار کرنا انکی نظروں میں جبرم ہے + اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی طبع کے موافق عمل نہیں کرتے تو کسی خاص طرز پر عمل کرنے میں نا جستہ دم نہیں رہتے۔ انکی تمام انسانی طاقتیں مرجھا جاتی ہیں اور پشورہ ہو جاتی ہیں کسی کام کا جوش یا ان میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور اُن تمام لذائذ سے وہ محروم رہتے ہیں جو اُن شخصوں کو حاصل ہیں جنکی طبائع خاص کاموں کے کرنے کی طرف مائل ہیں اور انکی سرانجامی میں کامیاب ہونے سے محفوظ ہوتی ہیں + کوئی فعل انکے لئے اس قسم کا نہیں جسکے جواز یا غیر جواز پر انکی اپنی رائے بغیر دوسروں کی رائے سننے کے پیدا ہوئی ہو اور اُن کو اپنی رائے کے مطابق خود عمل کرنے کی آرزو نہایت جوش کے ساتھ ہو یا یہی تمنا ہو کہ اور لوگ اس رائے پر عمل کریں + اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا نوع انسانی کی یہ حالت پسندیدہ ہے یا نہیں +

ڈیٹھون کے مسئلہ کے رد سے تو انسانوں کی یہ حالت نہایت قابل تعریف ہے اسکی رائے میں انسان کا بڑا باری جرم اپنی مرضی کے موافق

عمل کرنا ہے * دنیا کی تمام خوبیوں کا حصر انسان کی اطاعت اور فرمانبرداری پر ہی ہے۔ اپنی پسند اور رائے کا ہرگز دخل نہیں دینا چاہئے۔ جو فعل داخل فرض نہیں وہ جرم اور گناہ ہے * چونکہ انسان طبعاً مائل شر ہے اسلئے نفس کشی ہر ایک کا فرض ہے * جو لوگ اس مسئلہ کے قابل ہیں انکی رائے میں کسی وصف یا طاقت انسانی کا متا صل کرنا داخل عیب نہیں انسان کو صرف رضا الہی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق ہونی چاہئے۔ اور کسی قابلیت کی ضرورت نہیں * اور اگر کوئی شخص اپنے قوائے روحانی کو رضا الہی کے پورے کرنے کے سوائے کسی اور کام کے لئے عمل میں لاتا ہے تو ان قوائے کا عدم وجود ہی بہتر ہے * یہ مسئلہ کھلون کی ایجاد ہے اور جو کھلون کے پیر و نہیں ہیں وہ بھی اسے ایک خاص حد تک تسلیم کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا یہ نہیں چاہتا کہ ہم تمام لذائذ سے کنارہ کش رہیں۔ بلکہ اپنی بعض خواہشیں پوری کرنی چاہئیں۔ لیکن ان طریقوں سے نہیں جو ہمارے پسند طبع ہوں بلکہ ان طریقوں سے جو ہماری قوم کی قبولیت سے مشرف ہو چکے ہوں۔ یعنی جس کو سب مانتے ہوں اور جو سب میں یکساں ہوں *

آجکل کے لوگ اس مسئلہ کو مذکورہ بالا پیرایہ میں ماننے کے بڑے شائق ہیں اور اسکے بموجب انسانی طاقتوں کو دبائے رکھنا پسند کرتے ہیں

بہت سے لوگ صدقِ دل سے مانتے ہیں کہ انسان کی یہ حالت خدا کو
 بہت پسند ہے اور اُس کا مشابہہ ہے کہ انسان کے مختلف قوائے نشوونما پر
 اپنے قول کی توضیح کے لئے وہ اکثر درخون کی مثال پیش کرتے ہیں اور کہتے
 ہیں کہ جس طرح درخون کو طبعی حالت میں رکھنا اچھا نہیں اور اُن کو خوبصورت
 بنانے کے لئے اُن کو قلم کرنا اور انکی بعض شاخوں اور پتوں کو تراش کر
 کسی حیوان کی شکل میں باندینا ضروری ہے۔ اسی طرح انسان کی بہت سی
 طاقتیں بھی زایل کرنے کے قابل ہیں۔ لیکن اگر خدا کو اوصافِ حسنہ کے
 کمال کا جمع تسلیم کرنا مذہبی عقائد کی ایک شاخ ہے تو میری رائے میں احکامِ مذہبی
 کے زیادہ تر مطابق عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے ہمیں مختلف اوصاف و قوائے
 شگفتہ کرنے اور ترقی دینے کے لئے عطا کی ہیں اسلئے ہمیں کہ وہ بیکار پڑے
 ہیں یا انکی ریخ کنی کی جائے اور وہ اُن طاقتوں کو کمال پر پہنچانے کی
 کوشش سے یعنی ہمارے قوائے عملی و عملی کی ترقی سے خوش ہوتا ہے
 اور جب قدر ہمارے مخلوق و لذائذ کے سامان بڑھتے جاتے ہیں اُسی قدر
 اُسے مسرت ہوتی ہے۔ مگر انسانی ترقی کا اعلیٰ نمونہ یہی نہیں ہے جو
 کھلونے میں کیا ہے۔ انسان کی اعلیٰ ترقی تمام طاقتوں کے
 زایل اور مستصل کرنے کے سوا اُنے اور باتوں میں بھی ہے۔ انسانی ترقی کے
 لئے کچھ اُن اصولوں سے بھی مددینی چاہئے جو بیگیں تو سن میں مرقع تھے۔

اور جنگ کے رو سے تمام نفسانی خواہشوں کو بے سوچے سمجھے پورا کرنا جائز تھا۔ اور عیسائی مذہب کے اُن مسائل کو زیر نظر رکھنا بھی ضروری ہے جو رہبانیت کے اصولوں پر مبنی ہیں + یونانیوں میں انسانی ترقی کا غایت درجہ سمجھا جاتا تھا جس میں عیسائی مذہب اور اخلاطون کے (انضباط نفسانی) اصول شامل ہیں + جان ناکس کی عادات کے کتاب میں ساعی ہوتا شاید ایلسی بائیڈیز کی پیروی سے بہتر ہو لیکن افضل و انسب تو یہ ہے کہ لوگوں میں پر کلیز بننے کی آرزو ہو۔

فٹ نوٹ * جان ناکس - سکاٹ لینڈ کا مشہور ریفاہر تھا اس نے سینٹ ایڈریوز کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی + ابتدا سے یہ رومن کیتھولک مذہب سے نفرت ظاہر کرنے لگا۔ اور آخراً اُس نے یہ مذہب ترک کر دیا + اسکو بہت سی مصیبتیں اس آزمای کے باعث برداشت کرنی پڑیں + اُس کی طبیعت نہایت سادہ اور سچائی کو پیچانے والی تھی - ظاہری تجمل اور نمائش اس میں بالکل نہ تھی سچی بات کی حمایت میں وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا - سخت گیری اور مذہبی بھی اس کے مزاج میں نہایت درجہ تک تھی اور اپنے پیروں سے نفس کشی کا بہت طالب ہوتا تھا + مترجم

فٹ نوٹ + ایلسی بائیڈیز - ایٹھنز کا باشندہ اور سفر ط کا شاگرد تھا - اس میں ہر طرح کی قابلیت و لیاقت پائی جاتی تھی + میدان جنگ میں سپاہی کامل تھا اور انتظام علیٰ میں شیر باتدبیر + یہ عالمی حوصلہ اور بلند ہمت شخص اپنے شہر کے بہت بڑے مالداروں میں سے تھا + ان سب باتوں کے ساتھ زندہ دلی اور نیک نیتی اس میں ایسی تھی کہ ہر کہ و مد کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا + آخر کار وہ عیش میں پڑ گیا - اور اپنے استاد کے اخلاقی نصائح سے آہستہ آہستہ مغرور ہونے لگا + مترجم

فٹ نوٹ + پر کلیز - ایٹھنز کا باشندہ فوجی علیٰ انتظام اور فصاحت کلام میں لائق تھا + غیر بڑا اور بے کمون کے حقوق بڑا ماننے کے لئے اس نے بہت سی تدابیر وقتاً فوقتاً پیش کیں + اُن کے اوضاع و احوال میں تجمل و شوکت نمایاں تھی - اس نے بہت سی ہموں کو سر کیا - اور بہت سی میدان جنگ مارے + مترجم

اور اگر آجکل کوئی شخص پر کلینر جیسا ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ اُس میں جان ناکس کی حقیقی خوبیاں اور اوصاف نہ پائے جاویں +

اُن عادات اور خصائل کی ترقی میں سعی کرنا جو کسی میں عام لوگوں سے نرالی ہوں یا ایسے افعال کی آرزو کو بر لانے کی ہر طرح سے گنجائش دینا جو عام لوگوں میں نہ پائی جاتی ہوں (بشرطیکہ ان سے دوسروں کو کسی طرح کی ناواقب یا اذیت پہنچنے یا انکی حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو) انسانی ترقی کے اعلیٰ وسائل کو فراہم کرنا ہے۔ نوع انسان کی جو حالت اس ترقی سے ہوگی اُسکے خیال سے ہی انسان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ برعکس اسکے سب کو ایک جیسی عادات و خصائل کے اکتساب پر مجبور کرنا اور غیر معمولی کاموں کے وقوع میں مراعات پیدا کرنا انسان کو اس اعلیٰ ترقی کے حصول سے باز رکھتا ہے + ایک شخص کی کسی خاص عادت یا خصلت کا اثر عقیدت نامہ افعال پر جو اُس سے صادر ہوں ہوتا ہے اسلئے جس قدر نئی عادات اور نئی خصائل لوگوں میں پائی جائیں گی اُسی قدر نئے کاموں کے وقوع پذیر ہونے کی امید کی جاسکتی ہے کیونکہ ہر ایک نئی عادت کا اثر ہر ایک کام پر ہوگا اور اُنکو ایک نئی شکل دیگا + اس سے اعلیٰ خیالات کو ترقی ہوتی ہے۔ اور ان عمل کرنے کا جوش لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے + جس قوم میں یہ عمدہ اصول مروج ہیں اُنکا ہر ایک متفرد اپنی قوم سے زیادہ تر مانوس ہے

کچھ تو اس وجہ سے کہ اُسکو ایک ایسی مہذب قوم میں ہونے کا فخر ہو اور کچھ اس باعث سے کہ اُسکی قوم کے رواج اُسکی آزادی میں کسی طرح سے مزاج نہیں + جس قدر کسی شخص میں اُسکی عادات و خصائل جو اور سب سے نرالی ہیں ترقی پائینگی اُسی قدر اُسکا فائدہ ہوگا۔ اور قوم کو بھی اُس سے اتنا ہی فائدہ فائدہ ہوگا + مگر اتنی روک ٹوک تو ضروری ہے کہ جو شخص اور فکری بہ نسبت عقل یا رعب یا دولت میں زیادہ ہیں وہ اُن لوگوں کے حقوق میں جو اُن سے ان باتوں میں کم ہیں کسی طرح کی دست اندازی نہ کریں۔ اس بندش سے اگرچہ کچھ نقصان ہے مگر انسانی ترقی کو اس سے اتنا فائدہ پہنچتا ہے جو اس نقصان کے مقابلہ میں کچھ کم نہیں + دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کرنے سے اگر کوئی شخص کسی طرح کی ترقی حاصل کر سکتا ہے تو بے شک یہ فائدہ اُسکو تب ہی حاصل ہوگا جب دوسروں کی ترقی میں ایک نقصان عظیم واقع ہو۔ کیونکہ اگر ایک شخص کی ترقی اس امر پر موقوف ہو کہ اُسکی شخصی آزادی میں کسی طرح کا خلل نہ آئے تو دوسروں کی ترقی بھی اسی پر منحصر ہے۔ پس اگر کسی کی ذاتی ترقی دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کرنے سے حاصل بھی ہو تو دوسروں کے فائدہ عظیم کے لئے ذاتی فائدہ ترک کرنا اُسکے لئے عین مناسب ہے + علاوہ برین میری رائے میں اس طرح سے اپنا ذاتی فائدہ ترک کر دینے میں اُسکی اپنی ترقی بھی متصور ہے۔ یعنی ان طاقتوں کی

ترقی اور شگفتگی جن کا وجود انسان کو ذاتی اغراض کے ترک کرنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے پر مائل کرتا ہے + اُن قواعد و قوانین کا لحاظ رکھنا جنکی پابندی بنظر انصاف اول ضروری ہے۔ حب انسان کو بڑھاتا ہے + لیکن جنکی پابندی محض دوسروں کی ناراضگی کے خوف سے کی جائے اُن سے انسان کی کسی طاقت کو ترقی حاصل نہیں ہوتی۔ اگر کچھ ترقی ہوتی ہے تو صرف طاقتور کی جو انسان کو کبھی اُن قواعد کی پابندی سے منحرف ہونے نہیں دیتی + یہہ طاقتیں اگر شگفتہ ہو گئیں تو باقی کی سب نایل ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم یہہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک شخص کی مختلف طاقتیں جو ترقی دہن پیدا کی ہیں اپنے اصلی کمال پر پہنچ جائیں تو یہہ ضروری ہو کہ ہر ایک کو پوری آزادی دین تاکہ جو طریقہ اوقات بسر کی کا وہ چاہے اختیار کرے + جس زمانہ کے لوگوں نے اس آزادی کی مستحکم وہ اخلاف کی نظروں میں قابل عزت ہوئے اگر شخصی آزادی قائم رہے تو شخصی حکومت سے بھی چند ان نقصان نہیں پہنچتے اور جن باتوں سے شخصی آزادی کو زیان پہنچے۔ اُن سے بعینہ وہی نقصانات پیدا ہوتے ہیں جو شخصی حکومت سے + پس جن قوانین کے رائج ہونے سے لوگوں کی شخصی آزادی قائم نہ رہے انہیں کو شخصی حکومت کہنا چاہئے جن قواعد کی پابندی کے لئے لوگوں کو مجبور کیا جائے وہ انسان کو بتائے ہوئے کہلائیں یا خدا کے۔ نتیجہ ایک سا ہی بد پیدا ہوتا ہے +

پس جب یہ بیان ہو چکا کہ حریت طبعی (یعنی شخصی آزادی) اور انسانی ترقی باہم مترادف ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ شخصی آزادی کے قیام رہنے کے بغیر ایسے شخصوں کو پایا جانا جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی ترقی حاصل کی ہو۔ یعنی جتنی ہر ایک طاقت اپنے اصلی کمال پر پہنچی ہو محال ہے۔ یہ سلسلہ دلیل کو ختم کرنا ہی مناسب تھا۔ کیونکہ کسی اصول کی نسبت اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے انسان اپنے اصلی کمال پر پہنچ سکتا ہو۔ اور جس قاعدہ کی پابندی انسان کو اس کمال کے حصول سے باز رکھے۔ اس بڑھ کر اور کوئی چیز زیادہ نقصان مند ہو سکتی ہے۔ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان دلائل سے وہ لوگ قائل نہ ہونگے جن کا قائل کرنا ہماری اصل غرض ہے۔ یہہ جتنا بھی ضروری ہے کہ جو لوگ اس عمدہ اصول پر عمل کریں گے وہ اُنکے لئے جو اس اصول کا لحاظ نہ رکھیں گے منفع فیض ہونگے۔ جو لوگ شخصی آزادی نہیں چاہتے اور اس پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے وہ اگر اور دن کو بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے آزادی سے مستفیض ہونے دیں تو یقین ہے کہ اُن کو اس عنایت کا عوض ملے گا۔

اول تو میں یہہ کہتا ہوں کہ ان لوگوں کو آزادی پسندوں سے شاید کچھ سیکھنے کا موقع ملے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ نئی حقایق کی دریافت یا نئے طریقوں کی ایجاد میں معاملات انسانی کی اعلیٰ ترقی مقصود

ہے اور اسلئے نئی باتیں دریافت کرنے والے قابل قدر ہیں *۔ جیسے اُن بزرگوں کا وجود نعمتات میں سے ہے جو نئی باتیں دریافت کریں یا جو پرانی دریافتوں کو غلط ثابت کریں۔ ویسے ہی اُن اصحاب کا وجود بھی ضروریات میں سے ہے جو اوقات بسری کے نئے طریق عمل میں لائیں اور زندگی کو زیادہ لطف اور عمدہ اصولوں کے ساتھ بسر کرنے کی مثال قائم کریں *۔

اس سے صرف وہ ہی انکار کر سکتا ہے جس کا یہ خیال ہو کہ نوع انسان ان باتوں میں کافی ترقی کر چکے ہیں اور اس سے زیادہ ترقی محال ہے۔ یا اسکی ضرورت نہیں *۔ بے شک ہر ایک شخص کے فعل سے جو آزادی پسند ہو یہ فواید مساوی طور پر حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔ نوع انسان کی تعداد کثیر پر خیال کرنے سے معلوم ہو گا کہ ایسے بہت کم ہیں جنکے تجربات کی پیروی سے مروجہ برتاؤ میں کسی طرح کی ترقی دکھائی دے۔ لیکن انکی تعداد گویا قلیل ہے مگر انکا وجود دنیا میں گویا بقامت کہتر و بعقیمت بہتر کا مصداق ہے *۔ ان آزادی پسندوں سے صرف یہ ہی فائدہ متصور نہیں ہے کہ کبھی کبھی انہیں کے ذریعہ سے نئی باتیں دریافت ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ان کا وجود اس وجہ سے بھی قابل قدر ہے کہ اگر یہ نہ ہوں تو موجودہ رسوم اور مروجہ طریقوں کی خوبیاں لوگوں کے صفحہ دل سے محو ہو جائیں۔ اور لوگوں کو وہ دلائل جن سے انکا مفید ہونا ثابت ہو سکتا ہو بھول جائیں۔ یعنی اگر ایسے شخص جو ذمہ

تو کوئی بھی اُنکے حسن و قبح کے سوچنے پر مجبور نہ ہو۔ مرد و جہ رسوم اگر سب مانتے چلے جائیں تو کس کو مصیبت پڑی ہے کہ وہ انکی خوبیاں سوچنے بیٹھے۔ اگر معلومات انسانی کمال پر پہنچ جائیں اور نئی دریافتوں کا سلسلہ قائم ہو تو عقل انسانی کا وجود محض حاصل نہیں ہوگا۔ کیا یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ جو شخص اُن پرانی رسوم کے پیروین جنگی پابندی واقع میں مفید رہے وہ اُن دلائل سے آگاہ نہوں جن سے اُنکا مفید اور عمدہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور ان پر حیوانوں کی طرح عمل کریں۔ افسوس ہے کہ اکثر وہ دلائل جن سے نہایت عمدہ مسائل کی صحت ثابت ہوتی ہے یا وہ وجوہات جن سے بعض عمدہ طریق معاشرت کا مفید ہونا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے محو ہو جاتی ہیں۔ تاوقتیکہ ایسے شخصوں کا وجود نہ پایا جائے جو اپنی جودت طبع سے نئی نئی رائیں مرد و جہ رایوں کے خلاف عام پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا نئے نئے رواج مرد و جہ رسوم کے خلاف عام میں رائج کرتے رہیں۔ لوگوں کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اُن وجہ سائل کو سنا سنا یا سنی سنی اور رسوم کی پابندی تقلید اسی کئے جاتے ہیں۔ آخر کار انکی طبیعت عقل و دلیل کا سامنا بالکل نہیں کر سکتی جس کا انجام تہذیب کا تزلزل ہے۔ جیسے بایزنٹائن ایمپائر میں ہوا۔

فٹ نوٹ۔ تھیوڈور دسیس اعظم نے مشرقین سلطنت روم کو جبکا وہ فرمانروا تھا اپنے دو بیٹوں کے حکمران آریکس اور ہنڈریس تھا تقسیم کیا۔ آریکس کے حصہ میں تمام مشرقی حصہ سلطنت کا بیٹا ایشا۔ کوچک و مصر وغیرہ آیا۔ اسی کو بایزنٹائن ایمپائر کہتے ہیں۔ مترجم

اعلیٰ درجہ کے ذہین شخص تو ہمیشہ محدود ہے چند ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ذہین شخصوں کا وجود مقدمات میں سے ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ وہ باتیں بھی قایم رہیں جن سے کہ ایک ذہین کا ذہن ترقی پائے۔ جیسے ایک شخص کی جسمانی زندگی کے لئے گرہ ہوائی (جو آکسیجن اور واٹسٹ مر و جن سے مرکب ہو) کا ہونا لازمی ہے۔ ویسے ہی ذہن و عقل کی بقا کے لئے یہ لابد ہے کہ آزادی کی ہوا اُسے ہر وقت ملتی رہے۔ اعلیٰ درجہ کے ذہین کے سامنے ہی یہ ہیں کہ اُس کے عادات و اطوار یا اس کی رائیں عام آدمیوں کے عادات و اطوار یا عام آدمیوں کی رایوں سے کیسے قدر زالی ہوں۔ ایسے شخص اپنی ترقی کو روکنے اور ہضم نفس کے بغیر ان اوضاع و اطوار کی پیروی نہیں کر سکتے جو سوسائٹی نے عام آدمیوں کے لئے موضوع کئے ہیں اور جس سے اُنکو خود اپنی عقل و فکر کے استعمال کی تکلیف نہیں ہوتی۔ اگر یہ ذہین اور عقیل شخص بھی سوسائٹی کے ڈر کے مارے انہیں باتوں کی پیروی کئے جائیں اور اپنی غیر معمولی طاقتوں کا رسم و رواج کے دباؤ میں دبا رہنا گوارا کریں تو سوسائٹی کو ایسے شخصوں کی وجود سے کیا فائدہ ہے؟ ایسے شخصوں میں اگر شجاعت اور دلیری بھی پائی جاتی ہے تو وہ سوسائٹی کی ان عام قید کو توڑ دیتے ہیں۔ اور خود انکشت نہا بن جاتے ہیں۔ ہر ایک اُنکو سڑی اور خطی کہتا ہے۔ عام آدمیوں کی شکایت انکی نسبت ایسی ہے جیسے کوی شخص

اس امر کی شکایت کرے کہ دریا ئے ناگرا۔ کا بہاؤ ڈنارک کی نہروں کی طرح کیوں نہیں؟ اور اس نہایت تیز دریا کا پانی ان نہروں کی طرح آتشگی سے کیوں نہیں بہتا؟ پس میں اعلیٰ درجہ کے ذہن آدمیوں کے وجود کی اور انکو آزادی رائے فعل دینے کی اشد ضرورت سمجھتا ہوں۔ مگر ساتھ ہی اسکے میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ دلائل کے لحاظ سے تو میری یہ رائے سب تسلیم کرتے ہیں۔ مگر عملاً لوگ اسکا کچھ لحاظ نہیں رکھتے۔ اگر کوئی اپنے ذہن خدا داد کی مدد سے ایک نظم تصنیف کرے یا ایک ٹی عمده تصویر کھینچے تو عام لوگ اسکے ذہن کو اچھا سمجھتے ہیں۔ لیکن ذہن کے جو اصل معنی ہیں یعنی نئے خیالات کے ایجاد کی طاقت اور نئے کاموں کے کرنے کی قابلیت اسکی نسبت اگرچہ کسی نے یہہ رائے نہیں دی کہ یہہ وصف قابل تعریف نہیں ہے۔ مگر عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بغیر ایسے شخصوں کے وجود کے بھی جن میں یہہ اوصاف پائے جائیں دنیا کا کام بخوبی چلا چلتا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگوں میں اس خیال کا پیدا ہونا کیا طبعی امر ہے اور لوگوں کی یہہ حالت کسی طرح سے حیرانی بخش نہیں۔ طاقت ایجاد (یعنی نئے خیالات کو پیدا کرنے کی طاقت یا نئے کاموں کے کرنے کی قابلیت) ہی ایک ایسا وصف انسانی ہے جسکی مستند ان لوگوں سے ہونی ناممکن ہے جن میں یہہ وصف نہیں پایا جاتا۔ عام لوگ نہیں

سمجھ سکتے کہ اس طاقت سے کیا فواید حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور کوئی نیا خیال کس طرح سے صحیح ہو سکتا ہے۔ یا کوئی نیا کام کیونکر مفید ہو سکتا ہے؟ اور یہ ممکن ہی کب ہے۔ اگر وہ یہ سمجھ جائیں تو وہ خیال یا وہ کام ہی نیا نہ ہو۔ طاقت ایجاد کی ترقی سے سب سے پہلے تو عام لوگوں کو یہی فائدہ پہنچتا ہے کہ انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور انہیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مرد جب خیالات یا رسوم سے بہتر بھی بعض خیالات یا رسوم ہو سکتی ہیں۔ اسکے بعد پھر ان میں یہی اس طاقت کا پیدا ہو جانا ممکن ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں ہے جسکی ابتدا کسی نہ کسی نے نہ کی ہو۔ اور جتنی عمدہ باتیں آجکل دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ اسی طاقت ایجاد کا نتیجہ ہیں۔ پس جب اصل حقیقت یہ ہے تو لوگوں میں اتنا انگسار ضرور چاہئے کہ وہ مانیں کہ ابھی اس طاقت کا وجود فضول نہیں ہے۔ اور ابھی بہت فائدہ اسی کے ذریعہ سے نکلنے ہیں۔ اور یہ بھی یقین رکھیں کہ جس قدر انکو اسکی ضرورت کم معلوم ہوگی اسی قدر وہ اس طاقت کے محتاج ہونگے۔

سچ تو یہ ہے کہ اگرچہ لوگ حقیقی یا فرضی ذہن کو انسان کا ایک قابل تعریف وصف سمجھتے ہیں۔ اور جن میں یہ خوبی پائی جاتی ہے انکو قابلِ ادب بھی خیال کرتے ہیں۔ مگر آجکل تمام دنیا کے لوگوں کا میلان اس طرف ہے کہ متوسط درجہ کے لوگوں کی پیروی کرنی چاہئے اور جس رائے کو ایک

گروہ کثیر مانے اسی کو ماننا چاہئے + زمانہ سلف میں اور مدلل ایجنز میں اور کثرت اُس زمانہ میں جبکہ لوگ فیوڈل سسٹم کو ترک کرتے جاتے تھے۔ لوگوں کے شخصی اختیارات بہت وسیع تھے۔ اور اگر کسی شخص کی لیاقت اور حیثیت اعلیٰ ہوتی تھی تو اُس کے اختیارات کی کچھ حد ہی نہ تھی + آجکل معاملہ بالکل برعکس ہے سوسائٹی کے اختیارات میں حیثیت اجتماع اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ افراد کو کوئی پوچھتا ہی نہیں شخصی آزادی حکم عفا رکھتی ہے + پولیٹیکل معاملات کی نسبت یہ کہنا کہ جو کچھ ہوتا ہے پبلک اوپنن یا عام رائے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ ایک بے ثبوت دعویٰ + عام آدمیوں کے گروہوں کو ہی اس قسم کے تمام اختیارات حاصل ہیں۔ اور کارکنان سلطنت کی بھی تب ہی چلتی ہے جب وہ اپنے اعمال کو اُن لوگوں کی خواہشیں بر لانے کا ذریعہ بنائیں + جیسا ملکی اور انتظامی معاملات میں حال ہے ویسا ہی ذاتی اور اخلاقی معاملات اور سنج کی کاروائیوں میں دستور ہے + وہ گروہ جنکی رائے پر پبلک اوپنن کا لفظ اطلاق

فٹ نوٹ + نوین صدی سے لیکر تیرہویں صدی کے آخر تک انگلستان میں یہی دستور تھا کہ بادشاہ ملک یا اراکین کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ اپنے امور میں بہت سادہ زمین کا بغیر انکی غذا کے ہاں دیتا تھا۔ اور لوگ پہلے پڑھتے اور پھر تھوڑے میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے علاوہ پیداوار کا بڑھتی ہوئی قیمت بادشاہ کو یا خود امیروں کو جنگ وغیرہ کے لئے سپاہیوں کی ضرورت ہوتی تھی تو انکے ماتحت انہیں سپاہی بھیجا کرتے تھے اسی کو فیوڈل سسٹم کہتے تھے + مترجم

ہوتا ہے مختلف ملکوں میں مختلف ہیں + امریکا میں تو تمام گورن کی آبادی سے مراد پبلک کی ہے + اور انگلستان میں یہ لفظ علی الخصوص درجہ اوسط کے لوگوں کے گرد و پر عاید ہوتا ہے + ہر حالت میں یہ لفظ اُن گرد و ہون کی واسطے استعمال کیا جاتا ہے جس میں متوسط درجہ کی قیادت کے شخص جو بلحاظ منصب غیرہ بھی اوسط درجہ کے ہوں شامل ہوں + اور اسپر طرہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی رائیں چیخ کے سر گرد و ہون یا ملکی افسروں یا اعلیٰ درجہ کی کتابوں سے نہیں سیکھتے۔ اگر کوئی معاملہ درپیش آتا ہے تو یہ سب کے سب اسپر بجائے خود غور نہیں کرتے۔ بلکہ اُن میں سے کوئی ایک یا دو جو لیاقت میں اُنکے مساوی ہی ہوتے ہیں اپنی رائے اخباروں کے ذریعہ سے عین موقع پر ظاہر کرتے ہیں اور یہ باقی سب کے سب انہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی رائے پبلک اپنے نین کے نام سے مشہور ہو جاتی ہے + میں ان باتوں کی شکایت نہیں کرتا اور میں یہ نہیں کہتا کہ عقل انسانی کی ادنیٰ حالت میں جیسی دنیا میں اس وقت موجود ہے اس سے کوئی بہتر صورت ممکن ہے۔ لیکن یہ توصفہ وہی ماننا پڑے گا کہ معمولی قیادت کے آدمیوں کی رائے معمولی وقعت کی ہی ہوگی۔ اور اگر تمام معاملات میں انہیں لوگوں کے عقل و فکر کا دخل رہے تو تمام معاملات کی حالت بلحاظ حسن انتظام اوسط درجہ کی ہی ہوگی + گورنمنٹ جمہوری میں ایسا

اُن سلطنتوں میں جہاں ملک کا بندوبست چند برگزیدہ امیروں کے ہاتھ میں تھا بہت تک عام لوگوں کے گروہ نے کسی غیر معمولی لیاقت والے شخص کی نصیحت پر یا کسی ایسی کونسل کی ہدایات پر جو اعلیٰ درجہ کی لیاقت والوں سے بنی ہوئی ہو عمل نہیں کیا۔ ملکی انتظام کی حالت یا لوگوں کی عقلی اور اخلاقی حالت جو کسی حد تک طرز سلطنت و حکومت پر منحصر ہو اوسط درجہ سے کبھی بڑھ کر نہیں ہوئی۔ سب نیک کام اور معقول باتیں ابتداء میں افراد سے ہی نکلتی ہیں اور افراد ہی انکو سوسائٹی میں رواج دیتے ہیں۔ بلکہ اصل میں تو کوئی شخص واحد ہی پہلے وجود ہوتا ہے۔ اُن نئی اصلاحوں یا تجاویز کو سمجھنا اور آزادی کے ساتھ اُن پر عمل کرنا ہی معمولی آدمیوں کی تعریف میں داخل ہے۔ مگر ہیر و شاپ یعنی اعلیٰ درجہ کی لیاقت والوں کا حد سے زیادہ ادب کرنا اور انکی رایوں پر بلا سوچے سمجھے عمل کرنا یا انکو حد سے زیادہ اختیارات دینا میں پسند نہیں کرنا ایسے شخص صرف اسی بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ انکو ہدایات دینے کی اجازت دیجائے۔ دوسروں کو اُن ہدایات پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرنا صرف لوگوں کی ترقی ہی کا مانع نہیں بلکہ انکی اپنی اعلیٰ لیاقت کے لئے بھی مضر ہے۔ جب ہر ایک معاملہ میں عام آدمیوں کے گروہوں کی رائے پر سب کاموں کا انحصار ہو تو اسکا علاج یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو اشخاص کسی تدریج صاحب عقل و فکر ہوں وہ اپنے اوضاع و اطوار اور رایوں میں نرالا پن خست یار کریں۔

جو حالت لوگوں کی آجکل ہے اُسکے لحاظ سے تو یہی ضروری ہے کہ خاص خاص
 شخصوں کو اپنے اوضاع و اطوار میں نرالا پن ظاہر کرنے سے روکنے کے بجائے
 اور بھی ترغیب دیجائے کہ کسی اور زمانہ میں تو یہی شرط یہی لازمی ہوتی کہ
 مروجہ رسوم سے انحراف اختیار کرنے کی کوئی معقول وجہ ہونی چاہئے یعنی
 اگر کوئی شخص سب سے علیحدہ طرز پر اپنی اوقات بسر کرنا چاہتا تو یہ بھی ضرور ہوتا
 کہ طرز اوقات بسری معمول سے کسی قدر بہتر ہو لیکن حال کے زمانہ میں مروجہ
 طریقوں سے صرف انحراف ہی لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا سکتا ہے چونکہ عام
 رائے کا جبر ظلم کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے یہاں تک کہ مروجہ رسوم کو چھوڑ کر نیا
 راستہ اختیار کرنا ہی ایک شخص کو مورد طعن و تشنیع بناتا ہے۔ اس واسطے
 مروجہ طریقوں سے خواہ مخواہ منحرف ہونا ہی صرف اسلئے مفید ہے کہ لوگ
 رفتہ رفتہ اس ظلم پر غالب آجائیں + جہاں لوگوں کے دلوں میں انہی طبیعت
 کے موافق عمل کرنے کا جوش ہوتا ہے۔ وہاں مروجہ طریقوں سے انحراف
 اختیار کرنا تو ایک عام بات ہے۔ اور جس گروہ میں بہہ خوبی جب قدر زیادہ پائی
 جاتی ہے اُسی قدر لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کی جرات زیادہ ہوتی ہے
 اور ذہانت و تیزی طبیعت بھی ترقی پاتی ہے۔ زمانہ حال میں ایسے شخصوں کا
 شاد و نامدار پایا جانا ہی تو اس زمانہ کی خرابی ہے +

میں نے بیان کیا ہے کہ لوگوں کو غیر مروجہ کاموں پر اقدام کرنے کی

پوری اجازت دینا بہت ضروری ہے تاکہ رفتہ رفتہ تجربہ سے یہ معلوم ہو کہ کن کاموں کو رواج قرار دینا مناسب ہے۔ لیکن آزادی فعل اور رسم و رواج کا پابند نہ رہنا محض اس لئے ضروری نہیں ہے کہ اس سے عمدہ باتوں کے دریافت ہونے کا موقع ملتا ہو۔ اور ایسے طریق معلوم ہوتے ہیں جن کو رسم قرار دینا بہت مروجہ رسوم کے زیادہ تر مفید ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اُن لوگوں کو ہی آزادی حاصل ہونی چاہئے جو بلحاظ ذہانت و بیاقت دوسروں سے افضل ہیں بلکہ میری رائے میں تمام نوع انسان کو ایک خاص قسم کے طرز اوقات بسر کرنے پر مجبور کرنا یا انکو سوائے معددی چند طریقوں کے کسی اور طریقہ کے اختیار کرنیکی آزادی نہ دینا بعید از عقل ہے۔ اس دست اندازی کی کوئی وجہ ہی نہیں اگر کوئی شخص ذرا ہی عقل رکھتا ہو اور اُس نے تھوڑا سا بھی تجربہ حاصل کیا ہے تو جو طریق اوقات بسر کرنے کا اُس نے خود اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ اس کے لئے ”ہی انسب“ نہ اس لئے کہ وہ طریقہ واقع میں ایک بہترین طریقہ ہے۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ اُس نے خود پسند کیا ہے۔ نوع انسان بھیڑ بکریاں نہیں ہیں کہ جس طرح دوسرے چلا میں اُسی طرح چلیں۔ اور بھیڑ بکریاں بھی تو سب ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ کسی شخص کو کوئی چوغہ جب تک اُس کے قد کے مطابق نہ بنایا جائے یا اُسکو طرح طرح کے نمونے بنائے ہی نہ دکھائے جائیں اپنے قدر پر رست نہیں آسکتا۔ ویسے ہی کوئی طریقہ اوقات بسر کرنے کا

ایک شخص کی طبیعت اور طبعی شوق کے مطابق نہیں ہو سکتا جب تک اس نے خود چن کر خست یا نہ کیا ہو۔ یہ ہمارا امتیاز ہے کہ اگر کوئی شخص قد و قامت یا جسمانی بناوٹ میں اتنا فرق نہیں جتنا کہ ان کی طبائع اور خواہش میں ہے۔ اگر لوگوں کے مذاق ہی باہم متباہین ہوں اور مختلف کاموں کی نظر مایل ہوں تو یہی ایک وجہ معقول اس بات کی ہو سکتی ہے کہ انگو اوقات بسری کے مختلف طریق اختیار کرنے کی آزادی دیجائے۔ لیکن سب آدمیوں کی روحانی طاقتوں کی ترقی کے لئے بھی ایک جیسی حالتیں اوقات بسری کی نہیں۔ جیسے مختلف قسم کے پودوں کی نشوونما کے لئے مختلف قسم کی آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے ویسے ہی سب آدمیوں کی روحانی طاقتوں کی شگفتگی بغیر سوشل حالات کے مختلف ہونیکے ممکن نہیں۔ جو باتیں ایک شخص کی روحانی ترقی کے لئے مفید ہیں وہ ہی دوسرے کے لئے مضر۔ جو شغل ایک شخص کی طبائع و خواص کے مطابق ہے۔ اُسکی طاقتوں کو مضبوط رکھتا ہے اور اُسکے لئے باعث مسرت ہے۔ وہ ہی ایک دوسرے کے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ اور جو طاقتیں اُس میں قابل ترقی ہیں انکو زایل کر دیتا ہے۔ جن کاموں سے ایک شخص کو نفرت ہے وہ ہی دوسرے کو لئے بہت دلاویز اور دلچسپ ہیں۔ اسی طرح سے لوگوں کی طبائع پر سوشل حالتوں کا یکساں اثر نہیں۔ پس جب تک ان کے مشاغل و مصارف

میں ویسا ہی اختلاف نہ ہو تب تک وہ نہ تو اس قدر لذت سے اور نہ اس قدر عقلی و اخلاقی ترقی سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں جو ان کے لئے ممکن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پہلک صرف ایسے مذاق کے اختلاف کی ہی اجازت دے۔ جن کا یکساں کرنا مختلف مذاق والوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے محال ہو؟ اتنی آزادی تو ہر جگہ جائز سمجھی جاتی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کشتی پر سوار ہونا۔ گانا سننا۔ حقہ پینا۔ شطرنج کھیلنا یا تاش کھیلنا پسند یا ناپسند کرے تو اسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ کیونکہ ان کاموں کے پسند کرنا یا ناپسند کرنا بھی اور ناپسند کرنا بھی اس قدر ہیں کہ ان سب کو کسی خاص متاع کا پابند کھانا محال ہے۔ لیکن اگر کوئی مرد یا شامت اعمال سے عورت کوئی ایسا کام کر بیٹھے جسکی نسبت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کوئی اور نہیں کرتا یا کسی ایسے قاعدہ کی پابندی سے منحرف ہو جیسے وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اور سب عمل کرتے ہیں۔ تو اس پر اس قدر طعن و تشنیع ہوتی ہے کہ گویا اس نے کوئی بہاری جرم کیا ہے۔ بغیر بے عزت ہونیکے ان قواعد سے گریز کر نیکے مستحق صرف وہی ہیں جو ذمی رتبہ و ذمی عزت ہیں۔ یا وہ لوگ جنکی خاص وجوہات سے دولت مند عزت کرتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی تھوڑا سا ہی گریز کر سکتے ہیں کیونکہ جو اس سے بڑھ کر آزادی فعل عمل میں لاتے ہیں وہ صرف مورد طعن و تشنیع ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ اور بڑی نائن بھی انکو ملتی ہیں۔ انکو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں پاگل نہ ٹھہری جائیں

اور اپنی جائداد سے محروم نہ کئے جائیں +

زمانہ حال کی عام رائے کا ایک خاص میلان ہو جس کی وجہ سے لوگوں کی حریت طبعی ذرا بھی ظاہر نہیں ہو سکتی + آجکل کے لوگوں کی صرف عقل ہی متوسط درجہ کی نہیں بلکہ ان کے ارادہ بھی ویسے ہی ہیں - یعنی سوائے مروجہ کاموں کے اور کسی طرف انکی رغبت ہی نہیں + اور اگر کسی کے دل میں کچھ جوش بھی ہو تو اس قدر نہیں کہ وہ غیر معمولی کاموں پر اقدام کرے + اسی وجہ سے لوگ نہیں سمجھ سکتے کہ جن لوگوں کی طبیعتیں اس بارہ میں ان جیسی نہیں - انکو آزادی نہ دینے سے کس قدر نقصان اور بیخ پہنچتا ہے - چنانچہ وہ ایسے شخصوں کو خطی اور کوتاہ اندیش کہتے ہیں اور انکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں + اس صورت میں اگر لوگوں کی اخلاقی ترقی کے لئے کسی قسم کی تحریک ہو تو ظاہر ہے کہ کیا نتیجہ ہوگا + آجکل اس قسم کی تحریک شروع ہوئی ہے - اور لوگوں کے افعال و اعمال کو ایک قاعدہ پر رکھنے اور حد اعتدال سے تجاوز نہ ہونے دینے کی بہت کوشش کی گئی ہو + بہت سے لوگوں کی حب انسانی جوش میں آرہی ہے - ہمارے مہوطنوں کی اخلاقی اور عقلی حالت بہت قابل اصلاح سمجھی جاتی ہو + اس میلان کی وجہ سے زمانہ حال کے لوگ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی بہ نسبت اس امر کے بہت شائق ہیں کہ سب کے لئے افعال پسندیدہ کے قواعد موضوع کریں - اور سب کو

معیار مقررہ کو مدنظر رکھنے پر مجبور کریں + وہ معیار اصل میں تو یہ ہے کہ کسی فعل کی آرزو کمال جویش کے ساتھ نہ ہونی چاہئے۔ اُس قاعدہ کے بموجب ہر ایک شخص کو اپنے اوضاع و اطوار میں یہی زیر نظر رکھنا چاہئے کہ کوئی انوکھی بات یا زالی عادت ظاہر نہ ہونے پائے۔ اور حتی الوسع ہر ایک شخص کی اُن طاقتوں کو جو اُس میں اور دوسروں میں مابہ الامتیاز ہیں زائل کیا جائے جس طرح چین کی عورتوں کے پائون کو دبا کر چھوٹا کر دیا جاتا ہے +

مختلف معاملات میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کا ایک نمونہ ہوتا ہے جسکو پیش رکھ کر ترقی کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس نمونہ کو قرار دینے میں اگر تمامہ اُن اوصاف کا خیال نہ رکھا جائے جسکو زیر نظر رکھنا مناسب اور ضرر نہ چنداں ہوگی کا لحاظ کیا جائے تو اسکے مطابق افعال و اعمال کے موضوع کرنے میں یہ قیامت ہوتی ہے کہ لوگوں میں وہ اوصاف بھی جسکو مدنظر رکھا جاتا ہے ادھورے پائے جاتے ہیں *۔ آجکل کے

فٹ نوٹ * مثلاً قوائے عقلی کی اعلیٰ درجہ کی ترقی تب ہی ممکن ہے جب قوت حافظہ - قوت فہم اور قوت واسطہ کی یکساں ترقی ہو۔ اگر صرف قوت فہم و قوت واسطہ کی ترقی کو زیر نظر رکھا جائے اور حافظہ کی ترقی کو نظر انداز کیا جائے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ قوت فہم و قوت واسطہ کی ترقی ہی ادھور سی ہی ہوگی۔ کیونکہ جب تک قوت فہم کے سامنے مختلف واقعات قوت حافظہ پیش نہ کریں گی۔ تو وہ اپنا عمل نہ کر سکے گی اور اُسکی ترقی ظہور پذیر نہ ہوگی + اسی طرح اور بہت سی مثالیں بہت سے معاملات کی پیش کی جا سکتی ہیں + وجہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام حالات باہم پیوستہ ہیں۔ ایک چیز دوسری پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ اور خود اثر پذیر ہوتی ہے۔ حافظہ کا قوت فہم پر اور قوت فہم کا حافظہ پر اثر ہے +

منتہی

لوگوں نے جو معیار پسند لگی عام کا قرار دیا ہے اُس میں اسی طرح کا نقص پایا جاتا ہے + انسان میں اپنے میلان طبعی کے مطابق عمل کرنے کا جوش اسی کو کوشش کا مادہ بھی ہونا چاہئے۔ اور ساتھ ہی اس کے اس جوش کو (اپنی عقل اور اپنے مقررہ اصولوں کے مطابق) روکنے کی قدرت بھی بخوبی حاصل ہونی چاہئے + زمانہ حال کے لوگ جوش طبعیت کو روکنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ نتیجہ اسکا یہ ہے کہ لوگوں میں کسی فعل کی آرزو کمال جوش کے ساتھ نہیں پائی جاتی۔ اور قواعد مقررہ کی پابندی بھی عجیب طرح سے عمل میں آتی ہے۔ بظاہر تو سب قوانین مقررہ کے پابند معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن انکی پابندی میں وہ ثابت قدمی اور وہ انضباط نفس نہیں پایا جاتا جو ان لوگوں میں دیکھا جاتا تھا جنکے ارادے اپنی عقل و طبعیت کے تقاضا سے مستحکم تھے + جوش والی طبعیتیں تو ابھی سے کمیاب ہیں۔ اور اگر لوگ کچھ جوش ظاہر کرتے ہیں تو صرف کاروبار دنیاوی میں ہی۔ ان کاموں میں تو لوگوں کا خاصہ جوش ظاہر ہوتا ہے۔ اسکے سوائے جن کاموں کی بعض شخصوں کو ایک دُہن ہوتی ہے اُسکی سرانجامی میں ہی بہت سرگرمی ظہور میں آتی ہے۔ یہ دُہن کبھی تو رفاہ عام کی ہوتی ہے مگر عموماً ایسے کام کی نہیں جسکا اثر عام اور وسیع ہو۔ انگلستان کی بڑائی آجکل اس میں ہے کہ یہاں کے لوگ من حیث الجماعت بہت طاقتور ہیں۔ من حیث الافراد اگرچہ ہم بالکل ضعیف اور بیچ ہیں مگر بل جُل کر

اور سب ایک ہو کر بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں۔ ہمارے مصلحان قوم اور مذہبی
ریکارم بھی ہماری اس حالت پر قانع ہیں * لیکن یاد رہے کہ جو کچھ ترقی
انگلستان نے آج تک کی ہے وہ ایسے شخصوں کی بدولت نہیں ہوئی بلکہ وہ
بالکل اور ہی قسم کے لوگ تھے جنکے فیض سے انگلستان نے یہہ رتبہ حاصل کیا
ہے جو اب اسے حاصل ہے۔ اور تترل سے آئندہ بچانکے لئے بھی اسی قسم
کے آدمیوں کی ضرورت ہے *

رسم و رواج کا ساحر انہ اثر انسانی ترقی کا ہمیشہ مزاحم رہتا ہے کیونکہ
رسوم کی پابندی اور نئی باتیں جو مروجہ رسوم کی بہ نسبت بہتر اور مفید تر ہوں جاری
کرنے کی خواہش باہم متصاد ہیں * یہہ غیر معمولی کاموں کی خواہش کبھی تو
آزادی اور کبھی ترقی کا جوش کہلاتی ہے * ترقی کی خواہش اور آزادی کا جوش
ہمیشہ مترادف نہیں ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات ہم ایک قوم کو جبراً ایسی تدابیر
اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں جو انکی ترقی کا باعث ہوں۔ اور آزادی کا
جوش جب ایسی تجاویز کو عمل میں لانے کا مزاحم ہے تو اسوقت کے لئے ترقی
کا مانع ہے * مگر صرف شخصی آزادی ہی ایک دوامی اور مستقل ذریعہ
ہمیشہ کی ترقی کا ہے کیونکہ اسکے وسیلہ سے ترقی کی اتنے ہی جداگانہ مرکز یا تہہ
لگتے ہیں جتنی افراد کی تعداد ہوتی ہے * لیکن ترقی کا جوش خواہ آرزوئے ترقی
خواہ نہا آزادی کی صورت میں ظاہر ہو یہی چاہتا ہے کہ رسم و رواج کی

قید توڑ دیجائے اور اسکی اطاعت سے انحراف نہ کیا جائے۔ جو تنازعہ زمانہ سلف میں رسم و رواج کی پابندی اور جوش ترقی کی وجہ سے ہوئے انکا ذکر۔ نوع انسان کی تاریخ کو خاصکر قابل توجہ بناتا ہے * دنیا کی بہت سی قوموں کی تو کوئی تواریخ ہی نہیں۔ یعنی انکے حالات میں رسم و رواج کے اثر کے باعث کچھ ایسا انقلاب ہی نہیں آیا کہ انکی موجودہ حالت گذشتہ حالات سے بہت مختلف ہو۔ تمام مشرقی ملکوں کا یہی حال ہے۔ رسم و رواج سے ہی سب باتیں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ عدل انصاف یا انکی سب رسم و رواج کی پابندی پر ہی منحصر ہیں کسی شخص میں اتنی دلیری نہیں کہ رسم و رواج کے واجب الاطاعت ہونے کی دلیل کو توڑ سکے۔ اگر کچھ جرات ہے تو بعض خود مختیار اور آزاد بادشاہوں کو جو حکومت کے نشہ میں سرشار ہیں * ان باتوں کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے * ان قوموں میں کہی تو طاقت ایجاد ہوگی ورنہ جس قدر تہذیب اب ان میں ہے وہ انہیں پیدائش کے ساتھ ہی تو حاصل نہیں تھی۔ انہوں نے سب ترقی اپنی محنت و کوشش سے حاصل کی اور کسی زمانہ میں وہ دنیا کے اعلیٰ درجہ کی مہذب قوموں میں سے تھیں * اب دیکھو انکی کیا حالت ہے۔ اب وہ ان قوموں کے زیر حکومت ہیں جنکے آباؤ اجداد اُس زمانہ میں جنگلوں میں پھرتے تھے جب انکے بزرگ عالیشان محلوں میں بیٹھتے تھے اور خوبصورت معبدوں میں سجدہ کرتے تھے * دیکھ یہی

ہے کہ ان قوموں پر رسم و رواج کا اثر بہت تھوڑا تھا اور ساتھ ہی ترقی کی خواہش اور آزادی کا جوش بھی موجود تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایک قوم کچھ عرصہ تک ترقی کر سکتی ہے۔ اور بعد ازاں ممکن ہے کہ اس کی ترقی بند ہو جائے۔ لیکن ترقی تب ہی بند ہوتی ہے جب لوگوں میں حریت طبعی نہیں رہتی۔ اگر اقوام یورپ میں حریت طبعی نہ رہے تو ان کی حالت بالکل وہی نہیں ہو جائیگی جو مشرقی اقوام کی ہے۔ رسم و رواج کا بد اثر ان پر یہ نہیں ہوگا کہ ان کی ترقی بند ہو جائے۔ ہم لوگوں میں نرالا پن تو منع ہے لیکن تبدیلی حالت منع نہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ ایک دفعہ ہی سب کے سب چولہ بدلیں۔ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کا لباس چھوڑ دیا لیکن اب سب لوگوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ایک سال لباس رکھیں۔ فیشن خواہ سال میں ایک دو بار بدلتا رہے مگر سب ایک دفعہ ہی اس فیشن کو اختیار کریں تو تب ہی بدل سکتا ہے۔ اسی طرح ہم میں سے غریب سب ہمیشہ اس امر کی ازبیں احتیاط رکھتے ہیں کہ جب کبھی کسی قسم کی تبدیلی کی جرات کی جائے تو محض اس غرض سے ہو کہ اور نے پرانا طریق چھوڑ دیا ہے۔ اس واسطے نہیں کہ اس حالت کے بدلنے میں کی سطح کا آرام یا خوبی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ سب کے سب ایک ہی وقت میں اس آرام کو سمجھ جائیں اور ایک ہی آن میں پُرانے طریق کے ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ با این ہمہ ہم ترقی ہی کرتے ہیں اور ہماری

حالت ہی بدلتی رہتی ہے۔ ہم ہمیشہ کلون وغیرہ میں نئی ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ جیت تک کوئی نئی اور عمدہ کل نہ نکل آئے پُرانی کلون سے کام لیتے رہتے ہیں۔ پولیٹیکل معاملات و طریقہ سلیم اور اخلاقی معاملات میں بھی ترقی کرنے اور نئے طریقوں کے جاری کرنے کے ہم شائق ہیں۔ لیکن اخلاقی معاملات میں ترقی کے ہم ہی مغسے سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اپنے قدم بقدم چلنے پر مجبور کریں * ترقی کے تو ہم خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ ہم اسپرنازان ہیں کہ ہمارے جیسی ترقی کرنے والی قوم صفحہ ہستی پر گزری ہی نہیں * شخصیت کو ہم البتہ پسند نہیں کرتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کبے سب ایک نیا اور عمدہ طریقہ جستیا کر لیں تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ گویا کہ سب کو ایک حالت پر رکھنا ہمارا غایت مدعا ہے * ہم کو یہ نہیں نظر آتا کہ ایک شخص کا اور دن سے نرالا ہونا سب سے پہلے اُس شخص کے ادنیٰ اور دن کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید ہمارا اپنا اپنا طریقہ غیر مکمل ہو۔ اور جانیں کو یہ دکھاتا ہے کہ شاید ان دونوں طریقوں کو ملا کر تیسرا طریق جو ان دونوں سے بہتر ہو نکالنا ممکن ہو * چین کے لوگوں کی مثال ہمارے لئے عبرت دہ ہے۔ اس قوم میں قدرتی ذہانت اور بعض امور میں اکتسابی مادہ بھی پایا جاتا ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ خوش قسمتی سے ابتدا میں اُنکے بعض بزرگوں نے جنکو دیوسرہیں بھی کسی حد تک دانا اور ناسفراتے

میں ان میں چند ایسی رسمیں جاری کیں جو ان کے لئے نہایت مفید تھیں *
 انہیں بڑی خوبی کی بات بھی تھی ہے کہ ان کے یہاں بعض ایسے طریقے رائج ہیں جن کے
 ذریعہ سے وہ بہت عمدہ باتوں کو جو انہیں حاصل ہوں ہر فرد قوم پر نقش کر سکتے
 ہیں۔ اور ان لوگوں کو جنہوں نے اور ان کی نسبت زیادہ ترقی کی ہو ہر فرد
 عہد و ن پر ممتاز کر سکتے ہیں۔ پس جس قوم کا یہ حال ہے اُسے ضرور انسانی ترقی
 کے اصل اصول کو سمجھ لیا ہوگا۔ اور اُسے نوع انسان کی نہایت ترقی یافتہ
 اقوام میں سے ہونا چاہئے تھا * لیکن برخلاف اسکے اس قوم کی ترقی بالکل
 بند ہے۔ اور اس کی یہی حالت ہزار برس سے ہے۔ اگر انہیں کبھی ترقی
 نصیب ہوگی تو غیر ہاک کے لوگوں کے وسیلہ سے ہوگی * انگلستان کے مہمانوں میں
 بات کو انگلستان میں پہلایا جاتے ہیں (یعنی سب کو ایک ہی حالت میں رکھنا
 اور سب کے لئے خیالات و افعال کا ایک ہی معیار مقرر کرنا) اس میں تو انہوں نے
 مدت سے کمال حاصل کیا ہے۔ وہاں سب کی ایک سی ہی باتیں ہیں۔ اور
 سب ہر طرح کے کاموں میں ایک سے ہی قواعد کے پابند ہیں * اس کا
 نتیجہ یہ ہے صاف نظر آتا ہے * آج کل انگلستان میں رائے جمہور کے ذریعہ سے
 جس قسم کا انتظام قائم ہے وہ بالکل اس طرح کا ہے جو چین کے باشندوں میں
 سے چلا آتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ چین میں وہ انتظام ایک باقاعدہ طور
 جاری ہے یہاں اس قاعدہ سے کبھی کبھی انحراف کرنا بھی جائز سمجھا جاتا ہے

اگر یورپ کی اقوام میں شخصیت نہ پھیلے گی اور اسکا اثر کامیابی کے ساتھ ظہور نہیں
 نہ آئیگا تو انہیں اپنے اسلاف کا خواہ کتنا ہی ناز ہو اور عیسائی مذہب پر خواہ
 کتنا ہی فخر ہو انکا بھی وہی حال ہو گا جو چین والوں کا ہوا ۔

یورپ اس بد حالت سے ابھی تک کیون بچا ہوا ہے اور اس کا کیا
 باعث ہے کہ اقوام یورپ کی ترقی ابھی تک جاری ہے ؟ کئی خاص عقلی خوبی
 تو اسکا باعث نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ یہ خوبی عمر و ترقی کا باعث نہیں ہوتی ۔ بلکہ
 نتیجہ ہوتی ہے ۔ میری دانست میں انکے اوضاع و احوال کا ایک دوسرے
 سے مختلف ہونا اور انکی تعلیم و تربیت کا یکساں نہ ہونا ہی باعث قرار دیا جا سکتا
 ہے ۔ یورپ کے مختلف فرقہ اور قومیں یا افراد ہر ایک بارہ میں ایک دوسرے
 سے کبھی نہیں ملے ۔ انہوں نے بہت راستہ اپنے لئے قرار دئے جن میں
 ہر ایک کا منزل مقصود ایک دوسرے سے جدا رہا ۔ اگرچہ ہمیشہ وہ سب
 اس اختلاف کو پسند نہیں کرتے تھے اور ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ باقی کے
 سب اس ہی کا طریق خست یا ر کر لیں ۔ لیکن انکی کوشش سب کو یکساں
 کرنے میں بالکل کامیاب نہیں ہوئی ۔ ہر ایک نے کچھ عرصہ تک اپنا اپنا
 شغل جاری رکھا اور ایک دوسرے کی مدد سے فائدہ اٹھایا ۔ میری دانست
 میں یورپ کی ترقی کا مدار اسی پر ہے کہ یہاں لوگ ایک ہی قسم کے
 کام نہیں کرتے بلکہ طح طح کے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں ۔ لیکن

اب یہ خوبی ان میں کم ہونے لگ گئی ہے۔ اب یکے بعد دیگرے لوگوں کی طرح سب کو یکساں کرنے لگے ہیں * مان شرعی ٹاٹ ول اپنی ایک نئی تصنیف میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ آجکل کے فرانسیسی بہت پہلی نسل کے لوگوں کے اپنے طریقوں میں باہم بہت متشابہ ہیں۔ انگریز دن کا میری دانست میں اس سے بھی بدتر حال ہے * جو فقرہ میں نے دہم وان ہو سے سچے نقل کیا ہے اُس میں نے دو باتیں اس کی ترقی کے لئے نہایت ضروری متراوی ہیں۔ اور یہ دونوں توافق حالات کی برہم زن ہیں۔ یعنی اول آزادی۔ دوم طرح طرح کے مشاغل میں مصروف رہنا۔ اس دوسری شرط کا پورا ہونا اب روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ وہ حالات جن سے مختلف فرقوں اور جماعتوں میں اختلاف قائم رہ سکتا ہے۔ وہ روز بروز یکساں ہوتے جاتے ہیں۔ اور تب ان کم ہوتا جاتا ہے * پہلے یہ حال نہ تھا۔ مختلف رتبہ کے آدمی اور ایک ہی شہر کے مختلف حصوں میں رہنے والے طرح طرح کے تاجر اور اہل فن اپنے اوضاع و اطوار اور دیگر حالات میں اس قدر متباہن تھے کہ گویا وہ دنیا کے مختلف حصوں کے رہنے والے تھے آجکل ان کے طریقے اس قدر متوافق ہیں کہ گویا وہ ایک ہی ملک کے باشندے ہیں اور ایک ہی حالات میں ہیں * زمانہ حال کی نسبت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ کے مقابلہ میں آجکل کے لوگ سب ایک ہی سی کتاب میں

پڑھتے ہیں۔ ایک ہی سی رائیں سنتے ہیں۔ ایک ہی سی چیزیں دیکھتے ہیں۔ سب ایک ہی سے مقاموں پر آمد و رفت رکھتے ہیں۔ وہ چیزیں جو انسان کے لئے باعث امید و بیم ہو سکتی ہیں سب کے لئے یکساں ہیں۔ سب کے حقوق اور آزادی یکساں ہیں اور سب کو اُن آزادیوں کے عمل میں لانے کے ایک ہی سے ذرائع و وسائل حاصل ہیں۔ اگرچہ ابھی تک لوگوں کے طریقوں میں بہت اختلاف ہے۔ مگر مثلاً اُس تباہی کے جو پہلے تھا وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ توافق حالات میں دُور ترقی ہے۔ اس زمانہ کے پولیٹیکل انقلاب سے یہ توافق بڑھتا ہے کیونکہ ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ رتبہ کے آدمی ادنیٰ رتبہ کے ہو جاتے ہیں اور ادنیٰ رتبہ کے ترقی پا کر اعلیٰ رتبہ کے بن جاتے ہیں جس سے اصلی حالت یکساں رہتی ہے۔ آج کل جس طرح سے تعلیم پھیل رہی ہے ان کا نتیجہ یہی ہے۔ کیونکہ تعلیم سے لوگ ایک سے باعث سے متاثر ہوتے ہیں ایک خیالات اور ایک سی رائیں اُن کے کانوں سے گزرتی ہیں۔ آمد و رفت کے ذریعہ اور ایک دوسرے پر اپنے خیالات ظاہر کرنے کے وسیلہ بھی دُور بڑھتے جاتے ہیں اور اُن سے لوگوں کو باہمی میل جول کے زیادہ موقع ملتے ہیں۔ اور اُن کو نقل مکان میں آسانی ہوتی ہے۔ توافق حالات پیدا کرنے کے یہ بھی بہت بڑے باعث ہیں۔ صنعت و حرفت تجارت

کی ترقی کا آخری نتیجہ یہی ہے۔ کیونکہ ان سے فارغ البالی لوگوں میں پستی ہے۔ اور فارغ البالی میں سب فرقوں کے لوگ اُن باتوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو سب کے لئے محروص ہو سکتی ہیں۔ جس سے اپنی عزت و جاہ کے بڑھانے کی خواہش سب کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی خاص فرقہ و ملت سے مخصوص نہیں رہتی۔ * لوگوں میں توافقی حالات کے بڑھنے کا سب سے بڑا باعث یہ ہے کہ کیا اس ملک اور کیا اور آزاد ملکوں کے پولیٹیکل سائنس میں سب باتوں کا مدار رائج جمہور پر ہی ہو۔ جس سے وہ اعزاز و امتیاز جس کے حاصل کرنے سے بعض شخص اس قابل ہو جاتے ہیں کہ بہت سونکی مخالفت رائے گوارا کریں لوگوں میں کم ہوتا جائیگا۔ اور افسران انتظامی کے دل سے عوام کی مرضی کے خلاف (جس حالت میں انہیں معلوم ہے کہ عوام کی رضامندی کس میں ہے) عمل کرنے کا خیال دور ہوتا جائیگا۔ اُسی قدر اختلاف رائے و اوضاع و اطوار قائم نہ رہیگا۔ اور سوسائٹی کے اس حصہ کو جسے یہ منظور نہیں کہ برگزیدہ چند پر عوام غالب آجائیں یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ اُن خیالات کو جو خلاف عام ہوں اپنے ظل حمایت میں لے لے اور لوگوں کو کسی نزاع کے مذاق کی ترغیب دے۔ *

ان سب بواعث کا مجتمع اثر اس قدر بڑا ہے اور ان سے شخصیت کو

اتنا صدمہ عظیم پہنچتا ہے۔ کہ اگر یہی حالت رہی تو شخصیت کا قیام رہنا محال

نظر آتا ہے + یہ نقصان اسوقت تک روز افزون رہیگا جب تک کہ عام آدمیوں میں سے سوچ سمجھ والے شخصیت کی تدریجی طرح نہ جانیں گے اور یہ نہ سمجھیں گے کہ اختلاف اوضاع و اطوار کا قائم رہنا بہتر ہے اور یہ مناسب ہے کہ لوگ ہمیشہ پرانے طریقوں کو چھوڑ کر نئے طریق اختیار کرتے رہیں خواہ وہ نئے طریق پرانوں سے بہتر نہ ہوں۔ بلکہ بعض اوقات بدتر ہی ہوں + شخصیت اور شخصی آزادی کے فوائد لوگوں کو سمجھانے کا اب عین موقعہ ہے کیونکہ لوگوں کے حالات میں ابھی توافقِ کامل پیدا نہیں ہوا + ہم ابتداء ہی میں اس نقصان سے بچنے کی کوشش میں کامیاب ہو سکتے ہیں + سرخپہ شاید گرفتِ سبیل۔ جب قدر ہماری یہ تہہ تہا کہ سب لوگ ہمارے ہی سے ہو جائیں پوری ہوتی جائیگی۔ اسی قدر ہماری یہ آرزو بڑھتی جائیگی۔ اگر ہم اسوقت تک کہ جب عنقریب سب ایک سے ہی طریق اختیار کر لیں خاموش رہیں تو مروجہ طریقوں سے ذرا سا انحراف بھی نہایت بُرا بلکہ ایک گناہِ عظیم اور نیچر کے خلاف سمجھا جائیگا + نفع انسان اگر کچھ عرصہ تک توافقِ حالات کے دیکھنے کے خوگر رہیں تو تب ان کا پھر وہ خیال بھی نہیں کر سکتے +

فصل چہارم

سوسائٹی کو من حیث الجماعت اپنے اوپر کس حد تک اختیارات حاصل ہونے چاہئیں
اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص کو اپنی ذات پر کس حد تک اختیار حاصل
حاصل ہونے چاہئیں؟ اور سوسائٹی کے اختیارات من حیث انہماک
افراد پر کہاں سے شروع ہوتے ہیں؟ یعنی افعال انسانی کے کون کون سے
حصے افراد کی اپنی مرضی پر چھوڑ دینے چاہئیں۔ اور کون کون سے سوسائٹی
کے ماتحت ہونے چاہئیں؟

میری دانت میں جو افعال افراد سے خاصکر علاقہ رکھتے ہوں
افراد کے زیر اختیار ہونے چاہئیں۔ اور جو سوسائٹی کے مطالب و
اغراض سے زیادہ متعلق ہوں وہ سوسائٹی کے ماتحت ہونے چاہئیں
اگرچہ یہ رائے غلط ہے کہ سوسائٹی کی بنا ایک قسم کے معاہدہ پر ہے۔
اور اس قسم کا معاہدہ فرض کر لینے سے یہی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ سوسائٹی
کے بعض حقوق افراد پر واجب الادا ہیں۔ لیکن تاہم اس میں کچھ شبہ نہیں

کہ ہر ایک شخص پر جو سوسائٹی کے زیر سایہ رہتا ہے۔ اس محافظت کا
 کچھ حصہ ملے اور اگر بالفرض نہ ملے + یہ نہ ممکن ہے کہ ایک شخص سوسائٹی کا ممبر ہو
 اور پھر لوگوں کے ساتھ باہمی برتاؤ میں خاص قواعد کا لحاظ رکھنا اسکا
 فرض نہ ہو + جن قواعد کا لحاظ ہر ایک کو رکھنا چاہئے وہ ان اہل و عیون پر
 مبنی ہیں کہ اول تو ہر ایک شخص اپنے روزمرہ کے برتاؤ میں یہ خیال
 رکھے کہ دوسروں کے مطالبہ اغراض کو صدمہ نہ پہنچے۔ خصوصاً اُن مطالبہ
 اغراض کو جنکو قانون نے صریحاً یا کنسیٹا اُن لوگوں کا حق قرار دیا ہو +
 دوم ہر ایک شخص ایثار و محنت کے اُن کاموں کا کیتھ حصہ لے جو سوسائٹی
 کو بہریت مجموعی یا سوسائٹی کے ممبروں کو سب و عذاب یا دوسروں کی
 فائدہ سی ہے بچانے کی غرض سے کئے جائیں۔ اس امر کا فیصلہ بہت خورد
 انصاف کے ساتھ ہونا چاہئے کہ ہر ایک پر اس محنت کا کس قدر بوجھ ڈالا
 جائے + یہ مناسب ہے کہ سوسائٹی اُن لوگوں پر جو ان قواعد کے بموجب
 عمل کرنے سے گریز کریں جبر کرے نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو + سوسائٹی کے
 اختیارات صرف یہاں تک ہی محدود نہیں + ایسے کام بھی ہیں جن سے
 گو کسی کے قانونی حقوق میں کسی طرح کی دست اندازی نہیں ہوتی تو
 بھی ان سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ یا اُن سے یہ پایا جاتا ہے
 کہ فاعل کو دوسروں کے فائدہ کا کچھ بھی لحاظ نہیں + انکی سزا ملنی بھی

قرین انصاف ہے۔ اس حالت میں سوشل مین بدنام ہونا کافی سزا سمجھی جانی چاہئے۔ قانونی سزا واجب ہے۔ اگر ایک شخص کے کسی کام سے دوسرے کا کسی طرح کا نقصان ہوتا ہے تو سوشل فاعل سے پرسش کرنے کی مجاز ہے۔ اور پھر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا اس قسم کے کسی خاص معاملہ میں سوشل کی مداخلت دیگر مطالب انسانی کے لحاظ سے ضروری ہو یا نہیں۔ مگر ان افعال کا اثر دوسروں پر (بشرطیکہ وہ بالغ ہوں اور معمولی عقل کے آدمی ہوں) بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ وہ خود اثر پذیر ہونا چاہیں۔ وہ بے شک سوشل کے حیطہ اختیار سے باہر ہیں۔ ان میں ہر طرح کی آزادی ہونی چاہئے نہ قانونی کسی قسم کا دخل دے اور نہ سوشل بدنام کرنے کا ڈر دکھائے افعال ذاتی کا نتیجہ فاعل کی ذات کو ہی پہنچنے دینا چاہئے۔

اس مسئلہ سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ لوگوں کو خود غرض بننا چاہئے اور دوسروں کے ذاتی نفع و نقصان سے اپنے تئیں بے تعلق سمجھنا چاہئے اور جتنک کسی طرح کا ذاتی فائدہ یا ضرر متصور نہ ہو دوسروں کے کاروبار میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ افراد کا ایک دوسرے سے بے تعلق رہنا تو درکنار میری رائے میں یہ ضروری ہے کہ لوگوں میں انہائے جنس کی بغیر خیر خواہی اور ہی زیادہ ترقی پائے۔ لیکن ایک شخص دوسروں کو تشدد و جبر (صریحا یا کنایتاً) کئے بغیر بھی۔ اچھے کاموں کی جانب ترغیب و تحریص دلا سکتا

ہے۔ اور اپنی بیغرضانہ خیر خواہی ظاہر کر سکتا ہے۔ میں لوگوں کے اوصاف تو
 کو جن سے ایک شخص کی ذات خاص ہی مستفید ہو سکے کم وقت نہیں جستا
 یہاں اوصاف اُن خوبیوں سے جگے نواید متعدی ہوں (اور جنہیں اوصاف
 مدنی کہنا چاہئے) اگر کچھ کم ہیں تو دوسرے درجہ پر ہیں۔ تعلیم سے فائدہ
 حاصل ہونا چاہئے کہ یہ دونوں قسم کے اوصاف لوگوں میں پیدا ہوں اور ترقی
 پائیں۔ لیکن تعلیم بھی دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ جبر و تشدد سے اور دلائل کے
 ذریعہ سے قابل کر کے اور سمجھا کر۔ جب معمولی زمانہ تعلیم کا گذر جائے تو اوصاف ذاتی
 کی تلقین اس پچھلے طریقہ سے ہونی چاہئے + ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ وہ
 دوسروں کو حق و باطل اور نیک و بد کی تمیز میں مدد دے اور نیک راستے کے
 اختیار کرنے اور بد راستہ کے ترک کرنے کی ترغیب دے۔ ہر ایک کو چاہئے
 کہ وہ ہمیشہ دوسروں کو ان طاقتوں کی ترقی کی ہدایت دے جو باعث شرف
 انسانی ہیں۔ اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ بیوقوفی کی باتوں سے
 کنارہ کریں اور دانائی کی باتوں کی طرف متوجہ ہوں۔ ادنیٰ خیالات کو
 چھوڑیں اور اعلیٰ خیالات کو اختیار کریں۔ لیکن کوئی شخص (بذات خود
 یا باتفاق دیگران) اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو جو سن و علم
 کو پہنچ چکا ہو۔ ایسے کام کے ترک کرنے پر مجبور کرے جسے فاعل اپنی ذات
 کے لئے مفید سمجھتا ہو۔ مگر جسے ماصح اچھا نہ سمجھے + جس میں فاعل کے

اپنی بہبودی کا خیال پر اس قدر اور کسی کو (سوائے اُن لوگوں کے جن کو اسے خاص حالات کی وجہ سے کمال افس ہر) ہو گا۔ دوسرے کو اُسکی بھلائی کا اتنا خیال نہیں ہو سکتا جتنا خود اُسکو ہر۔ سوسائٹی کے اغراض (سوائے ایسے کاموں کے جن کا اثر دوسروں پر بھی ہو) بہت ہی کم پیوستہ ہیں۔ حالانکہ ایک معمولی درجہ کو مرد یا عورت کو بھی اپنے حالات اور خواص سے آگہی حاصل کرنے کی جس قدر سامان حاصل ہیں اس قدر کسی اور کو نہیں۔ سوسائٹی کو ایک شخص کے ذاتی حالات خواص محض قوانین و قیاس سے عام طور پر معلوم ہو سکتے ہیں۔ اُسکے ہنشین اور بھائی بندوں کے حالات کو جانچ کر ہی سوسائٹی اُسکے حالات کا اندازہ کر سکے گی۔ اور اگر وہ اُسکے ذاتی معاملات میں دخل دینا چاہے تو اُسے اپنے قوانین و قیاس پر ہی بھروسہ ہو گا۔ ممکن ہو کہ یہ قیاس بالکل غلط ہو۔ اگر صحیح بھی ہو تو ممکن ہو کہ وہ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے ذاتی معاملات میں انکی پسند کو بموجب عمل کرے اُسکے خاص حالات کو اُسکے بھائی بندوں کے مطابق سمجھنے میں غلطی کرتے ہوں۔ کیونکہ وہ صرف اُسکے ظاہری حالات سے ہی واقف ہیں اُسکی اندرونی کیفیات کی انہیں خبر نہیں۔ بنا بریں ذاتی معاملات میں لوگوں کی شخصی آزادی قائم رہنی چاہئے۔ لیکن اُن افعال کی نسبت جن کا اثر دوسروں پر بھی ہو یہ ضروری ہو کہ خاص قسم کے قوانین کی پابندی سب پر لازم ہو۔ تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ وہ ایک

دوسرے سے کہہ کر قسم کے سلوک کی امید کہیں نہ ذاتی معاملات میں کسی
 دائرہ کے مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ جس کا جو بی چاہے سو کرے۔
 اور میں ہر ایک شخص پر دوسرے کو اپنی رائے سے دوسے سکتا ہوں۔ اور میں
 التجار و استاد عام سے کسی خاص ارادہ پر قائم رکھنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ بلکہ
 اگر کوئی شخص نصیحت سے ناراض بھی ہو تو بھی اسے نصیحت کر دینی واجب ہے
 لیکن آخری فیصلہ اسی کے اختیار میں چھوڑنا چاہئے۔ اگر وہ باوجود ہند نصیحت
 کے غلط رائے پر چلے اور ضرر اٹھائے تو یہ نقصان اتنا نہیں جتنا کہ اس
 صورت میں تصور ہی جبکہ دوسرے کو اس کی ذاتی صلاح و فلاح کے لیے جارحانہ
 مداخلت کا ختم یار ہو۔

میری یہ غرض نہیں ہے کہ لوگ اُن اوصاف کو جس کا اثر صرف ایک شخص
 کی ذات خاص پر ہو پسند یا ناپسند کریں ہی نہیں۔ اور کوئی شخص اپنے
 ذاتی فضائل و ذرائع کی وجہ سے لوگوں کے آگے قابل تعریف یا مذموم
 نہ سمجھا جائے۔ اور یہ ممکن بھی نہیں۔ اگر کوئی شخص اُن اوصاف میں
 جن سے صرف وہی استفادہ ہو سکتا ہو بہ نسبت اور دن کے بہرہ وافر رکھتا
 ہے تو بے شک وہ قابل تعریف ہوگا۔ اُس کا اُن اوصاف میں اور دن سے
 اچھا ہونا اُس کو کسی قدر کمال انسانی پر فائز کرتا ہے۔ اگر اُس میں یہ دھنا
 بہت کم پائے جاتے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں اس کی مذمت کا جوش پیدا

ہوگا۔ اگر کسی شخص میں بیوقوفی و جہالت ایک خاص درجہ سے بڑھ کر پائی جائے یا اسکے مذاق و شوق ایک خاص درجہ سے بڑھ کر ادنیٰ و خراب ہوں (اگرچہ ان الفاظ پر مجھے اعتراض ہو کیونکہ اس امر کا فیصلہ شکل پر کہ جس شخص کو ایک خاص کام کا شوق ہو وہ اسکے لئے خراب کیوں ہو تو بہر حال وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوگا۔ اور گو اسکو کسی طرح کی اذیت پہنچانی دیا نہیں۔ تاہم اگر یہ رزائل اُس میں بہت بڑھے ہوئے ہوں تو لوگ اُس سے کراہت و نفرت ظاہر کریں گے۔ کیونکہ وہ لوگ جن میں مقابل کی فضائل ایک معقول درجہ تک پائی جاتی ہیں اپنے تقاضائے طبیعت سے مجبور ہیں کہ بیوقوفوں اور کمینوں سے نفرت ظاہر کریں۔ اور انکو حقیر سمجھیں۔ بعض افعال لوگوں سے اس قسم کے سرزد ہو جاتے ہیں جن سے گو دوسرے کو کسی قسم کا ضرر یا نقصان نہیں پہنچتا۔ تاہم لوگ انہیں بیوقوف سمجھتے ہیں یا ایک دنی جڑ کا شخص خیال کرتے ہیں۔ اور اُن سے اس طرح سے پیش آتے ہیں جس طرح ایسے شخصوں سے پیش آنا چاہئے۔ چونکہ وہ عموماً اس تھنک سے بچنا چاہیں گے اسلئے یہ مقرر کر دینا کہ ہم ان اوصاف کو پسند کرتے ہیں اور انکو نا پسند۔ گویا پیشتر سے انکو مطلع و متنبہ کرنا ہے کہ تم پسندیدہ اوصاف اختیار کرو اور نا پسندیدہ سے پرہیز کرو۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا انکو انکی بھلائی کیلئے کسی کام کے نقصانات سمجھانا اور نیا سچ بد سے آگاہ کرنا۔ آجکل کے مقررہ

اخلاقی قواعد کے مطابق ہم ایک دوسرے کو اس قسم کا بہت کم فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور اگر یہ نقص دور ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔ یعنی اگر کوئی شخص صاف دل سے کسی کو اُس کے نقائص و عیوب سے آگاہ کر دے تو اُس کا یہ فعل دخل گستاخی یا کج اخلاقی نہ سمجھا جائے۔ اگر کسی شخص کی نسبت ہم اچھی رائے نہیں رکھتے تو ہم ایک خاص طریقہ سے اپنی رائے پر عمل کر سکتے ہیں جو ہمارے شخصی حقوق کی حد سے بھی متجاوز نہ ہو۔ اور اُس کی شخصی آزادی میں بھی خلل نہ ہو۔ مثلاً ہم پر یہ فرض نہیں ہے کہ ہم خواہ مخواہ ہی ایسے شخص سے جسے ہم بُرا سمجھتے ہوں نشست و برخاست رکھیں۔ اور یہ کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ ہم اُس کے ساتھ ملنے جلنے سے کنارہ کریں (اگرچہ یہ واجب نہیں کہ ہم اس کنارہ کشی کو اُس پر ظاہر کریں) کیونکہ ہمیں یہ اختیار ہے کہ ہم ایسے شخصوں کے ساتھ میل جول رکھیں جن کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہم کو بار خاطر نہ ہو۔ اگر ہم لوگوں پر اُس کی صحبت کا بُرا اثر پڑتا دیکھیں اور یہ سمجھیں کہ اُس کے ساتھ گفتگو کرنا یا نہ کرنا اُن کو بھی خراب کرے گا تو ہم اس امر کے مجاز ہیں بلکہ بعض اوقات ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اور وہ کو اُس کی صحبت سے بچے رہنے کی نصیحت کریں ہم کو یہ بھی اختیار ہے کہ ہم اور وہ کو یہ نسبت اُس کے اُن عنایات و مہربانیوں کا زیادہ مستحق سمجھیں جو ہمارے جو دو تفضل کا نتیجہ ہیں اور جو ہم پر فرض نہیں ہیں یہ مناسب نہیں کہ اگر ہم اور وہ کی ترقی عقل اور تعلیم میں کوشش کرتے

ہوں اور ہمارے پاس اس شخص کی اصلاح طبیعت کے بھی ویسے ہی سامان موجود ہوں تو ہم اُسے فیض پہنچانے سے پہلو تہی کریں + ان طریقوں سے لوگوں کو ان اوصافِ بد کی پوری سزا مل جاتی ہے۔ جنکا اثر بد انہیں تک محدود رہتا ہے۔ لیکن انکا اس قسم کی تکالیف سہنا اور نقصان اٹھانا ان اوصافِ بد کا قدرتی نتیجہ ہے۔ یہ تکالیف انہیں جان بوجھ کر سزا کے طور پر نہیں دی جاتی + جس شخص کے مزاج میں سرکشی صند اور خود پسندی پائی جاتی ہے جس سے ہمیشہ ایسی بے اعتدالیان سرزد ہوتی رہتی ہیں جن سے کسی نہ کسی طرح کا نقصان ہی ہو۔ اور جس میں بہیمیت نسبتِ وحاشیہ کے زیادہ تر ہے۔ اُسے ہی امید رکھنی چاہئے کہ لوگ مجھے پسند نہیں کریں گے اور عزیز نہیں سمجھیں گے۔ اور نہ اُسے اس امر کی شکایت کرنی واجب ہے + ہاں اگر اسکا برتاؤ لوگوں سے اچھا ہے۔ اور اس برتاؤ پر اُس کے ذاتی عیوب کا کچھ اثر نہیں پڑتا تو البتہ وہ انکی مہربانی کا مستحق ہے +

میرا یہ مطلب ہے کہ اُن افعال کے صلہ میں جن کا اثر صرف فاعل کی ذاتِ خاص پر ہی محدود ہوا اور جن سے دوسروں کی آزادی میں کسی طرح کا خلل واقع نہ ہوا اگر کوئی شخص کبھی ہو تکلیف پہنچا تو سوائے اس رنج کے جو دوسروں کے اچھا نہ سمجھنے کا قدرتی نتیجہ ہے اُسے کسی اور قسم کی ایذا نہ دی جائے + جس شخص سے اس قسم کے افعال سرزد ہوں جن سے دوسروں کو ایذا یا ضرر

پہنچے اس سے اور ہی سمجھ کر نہ چاہتے ۔ دوسروں سے تقویٰ پر دست اندازی
 کرنا دوسروں کو (سودے میں نہ ملنے کے لئے کہہ کر) کوئی شخص باعث سبب
 حقوق خود مجاہد ہو کر ضابطہ اعمال پر ناؤین کو کون کو فریب اور دھوکہ دینا
 یا اُن موقعوں سے ناگزیر ہونے پر کمینوں کی طرح فائدہ اٹھانا جو خوش قسمتی سے
 ایک ہی شخص کو حاصل ہوں اور خود غرضی میں ڈوب کر دوسروں کو نقصان سے
 بچانے کی کوشش نہ کرے اور اگر نہ کرنا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے لوگ لعنت و ملامت
 کے مستحق اور بعض حالات میں مستوجب سزائے سخت ہونے چاہئیں ۔
 یہ اعمال ہی نہیں بلکہ وہ طبائع بھی جو ان افعال کے صادر ہونے کا باعث
 ہیں ناپسندیدہ اور بعض اوقات قابل تنفر سمجھی جانی چاہئیں ۔ بے رحمی
 شرارت ۔ ایذا رسانی کی خواہش (جس کو تمام جذبات انسانی میں نہایت
 کمینہ اور سوسائٹی کا بیخ کن سمجھنا چاہئے) ریا کاری اور فریب ۔ زور بختی
 کسی ناچیز معاملہ پر ناراض ہو کر کمینہ توزی کی عادت ۔ تحکم و تجبر کی خواہش
 اس بات کا آرزو مند رہنا کہ جو فائدے ہوں مجھے ہی حاصل ہوں اور
 کسی کو نہ ہوں ۔ غور جس سے لوگ دوسروں کی تہتک پر خوش ہوتے ہیں ۔
 اپنے متعلق کے ذکر پر خوش ہونا ۔ اور کسی بات کو جو دوسروں سے متعلق ہو
 توجہ سے نہ سننا ۔ یا اُن معاملات کو جو دوسروں سے علاقہ رکھتے ہوں
 کچھ ضروری نہ سمجھنا ۔ تمام فیصلہ طلب مسائل کا اس طور سے تصفیہ کرنا کہ

اُس میں اپنے آپ ہی کو فائدہ رہے۔ یہہ ایسی برعادات ہیں جن کو اخلاقی رذائل کہہ سکتے ہیں اور جو چال چلن پر دھبہ لگاتی ہیں + یہہ اُن عیوب کی طرح نہیں جکا ذکر پہلے کیا گیا۔ اور جن سے صرف وہی لوگ نقصان اٹھا سکتے ہیں۔ جن میں وہ عیب پائے جائیں۔ اُن سے کوئی شخص چلن نہیں کہلا سکتا۔ اُن عیوب سے صرف فاعل کی ہیوقوفی ظاہر ہوتی ہے۔ یا یہہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی عزت کا کچھ خیال نہیں رکھتا۔ اور اُس میں ایچھے کاموں کی کچھ خواہش ہی نہیں۔ لیکن اُن عیوب کی سزا تب ہی دی جاسکتی ہے جب اُن سے ایسے حقوق کے ادا کرنے میں کوتاہی واقع ہو۔ جسکا ادا کرنا اس شخص پر بحیثیت مدنی فرض ہو۔ کیونکہ ہر ایک پر یہہ واجب ہے کہ وہ اپنے برتاؤ میں دوسروں کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ اور اپنے افعال و اعمال میں محتاط رہے + فرائض ذاتی کے ادا کرنے کے لئے سوسائٹی مجبور نہیں کر سکتی بشرطیکہ خاص حالات کی وجہ سے ان میں دوسروں کے حقوق ہی شامل نہ ہوں + ذاتی فرائض یہہ ہیں کہ انسان ہمیشہ احتیاط و عاقبت اندیشی سے چلے۔ پاس عزت کو نہ چھوڑے۔ اور قوائے عطیہ قدرت کو شگفتہ نہ کرے ہمیشہ زیر نظر رکھے۔ ان امور میں کوئی شخص اپنے ابنائے جنس کے آگے جوابدہ نہیں کیونکہ ان میں اُسکے ذاتی مفاد و ضرر ہی متصور ہیں۔ ان معاملات کی باز پرس کرنے سے قوم کو کسی طرح کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا +

جو لوگ اپنے افعال میں نا عاقبت اندیشی ظاہر کرینگے یا پاس عزت کو ضروری نہ سمجھینگے انکی عزت میں لوگوں کے آگے فرق آئیگا۔ اور جو درجہ کے حقوق میں دست اندازی کریں گے ان پر لعن ملعن ہوگی۔ یہ دونوں باتیں واجب ہیں مگر ان میں بہت فرق ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے افعال سے ہمیں ناراض کرتا ہو جسکے روکنے کا ہمیں اختیار ہو تو ہماری طبیعت میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا ہوتا ہے اور ہم اس سے ایک خاص طرح کا سلوک کرتے ہیں۔ اور اگر ہمیں کسی شخص کے ایسے افعال برے معلوم ہوں جسکے روکنے کا ہمیں اختیار نہیں۔ تو ہماری طبیعت میں اور ہی طرح کا جوش پیدا ہوتا ہے اور ہمیں اس سے کچھ اور ہی سلوک کرنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص ایسا فعل کرے جو ہمیں ناگوار ہو تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم اپنی نفرت ظاہر کریں اس شخص سے کنارہ کش رہیں۔ اور اسکی حرکت کو پھر نہ دیکھیں۔ لیکن یہ مناسب نہیں کہ ہم اسے کسی طرح کی تکلیف پہنچائیں۔ ہکو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اپنے اعمال کی سزا بھگتا ہے یا بھگتے گا۔ اگر کوئی اپنے تئیں بد انتظامی اور اسراف سے بچ و مصیبت میں پھنساتا ہے تو ہمیں مناسب نہیں کہ ہم اسے اور بھی تکلیف پہنچائیں۔ بجائے اسکے کہ اسے سزا دینی چاہیں۔ ہمیں یہ مناسب ہے کہ اسکے فعل کی خرابیاں بجا کر اسے ان برائیوں سے بچائیں۔ اور جو رنج و مصیبت وہ سزا کے طور پر بھگتا ہے۔ اسے کم کریں۔ کسی کو

اُس پر رحم آئے یا کسی کو نفرت پیدا ہو لیکن اُس پر غصہ کبھی نہیں آنا چاہئے +
 اس سے وہ سلوک روا نہیں جو سوسائٹی کا انتظام بگاڑنیوالوں سے جائز
 ہے۔ اُس کو اپنی بُری حالت میں رہنے دینا اور اُس کی اصلاح کی کوشش نہ کرنا
 یہی اُس کے لئے بڑی مصیبت ہے۔ اس سے زیادہ تکلیف پہنچانی انصاف کا
 خون کرنا ہے + اگر کسی شخص نے اُن قواعد کو توڑا ہے جو اسکے ابنائے جنس کی
 شخصی اور نوعی حفاظت کے لئے ضروری ہیں۔ تو اس سے اور ہی سلوک
 کرنا چاہئے + اسکے نتائج فعل اُسی کے حال پر متاثر نہیں۔ بلکہ اور دن پر بھی
 اثر ڈالتے ہیں۔ اور چونکہ سوسائٹی سب کی محافظ ہے اس لئے واجب ہے کہ وہ
 اس سے انتقام لے اور محض بغرض سزا اُس کو کسی طرح کی تکلیف یا سزا پہنچائے
 اور خیال رکھے کہ وہ سزا اُس کے جرم کے مقابلہ میں کچھ خفیف نہ ہو + اس
 میں وہ شخص بحیثیت مجرم ہماری عدالت میں پیش ہے۔ اور ہم کو صرف یہی
 فیصلہ نہیں کرنا ہے کہ آیا وہ مجرم ہے یا نہیں۔ بلکہ اُس کے لئے سزائے مناسب
 بھی تجویز کرنی ہے۔ دوسری حالت میں اُس کو کسی طرح کی تکلیف پہنچانی ہمارا
 کام نہیں۔ ہاں اگر ہماری آزادی سے جسکی اجازت ہماری طرف سے
 اُس کو حاصل ہے۔ اُسے کسی طرح اتفاقیہ سزا پہنچ جائے تو مضائقہ نہیں +
 ہم نے افعال انسانی کے دو حصے کئے ہیں اور اُن میں فرق بتایا
 ہے۔ ایک وہ جس سے فاعل کی ذات واحد ہی متاثر ہو۔ اور دوسرا وہ :

جس کے نتائج متعدی بغیر ہوں۔ اس سے بہت سے لوگوں کو انکار ہو گا +
 سوال ہو سکتا ہے کہ یہہ کیونکر ممکن ہے کہ سوسائٹی کے کسی ممبر کو کوئی فعل
 دوسروں پر کچھ بھی اثر پیدا نہ کرے؟ کوئی متفرد باقی کے سب لوگوں سے
 علیحدہ نہیں ہے۔ بنی آدم اعضائے یکدیگر اندہ + یہہ ناممکن ہے کہ کوئی
 شخص اپنی ذات مستقل نقصان پہنچائے اور اسکا اثر بہر کیف اُس کے قریب و دور
 اور متعلقین تک اور بعض اوقات اس سے بھی دور تک نہ پہنچے + اگر کوئی
 اپنی جائد اوصیاع کرتا ہے۔ تو وہ اُن لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے (جو بالواسطہ
 یا بلا واسطہ) اپنی معاش کیلئے اُس کے دست نگر ہیں۔ مزید برآں افراد کا
 مستعمل ہونا قوم کا طاقور ہونا ہے۔ افراد کے متول سے قوم میں یہہ مقدت ہوتی
 ہے کہ وہ مصیبت عامہ کے وقت چارہ جوئی کر سکے۔ پس جو شخص اپنا مال
 ضائع کرتا ہے وہ سوسائٹی کو اس فائدہ سے محروم کرتا ہے + اگر کوئی اپنا جسم و
 دماغ خراب کرتا ہے تو وہ صرف اپنے وابستگان پر ہی مصیبت نہیں ڈالتا
 جنگی سترت اور مرفع الحالی کسی حد تک اُس پر منحصر ہے بلکہ اپنے تئیں ان
 خدمات کے ناقابل کرتا ہے جن کا بجالانا اپنے ابنائے جنس کے فائدہ کو لئے
 اُس پر واجب ہے۔ وہ بھائی بندہ وں کی سخاوت و شفقت کے لئے بارگراں ہوتا
 ہے۔ اگر اس قسم کے لوگ بہت ہوں تو دنیا میں کسی جرم سے سترت انسانی کو
 اس قدر زیان نہ پہنچے جس قدر کہ ان لوگوں کی نادانی اور بے حمیتی سے +

علاوہ برین اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی شرارت اور بیوقوفی سے دوسروں کو (براہ راست) برباد نہ پہنچائے تو بہر حال وہ اپنے فعل سے اور ان کے لئے ایک بری مثال قائم کرتا ہے۔ اس شخص کو روکنے کیلئے جرم کرنا ان لوگوں کے فائدہ کے لئے مناسب ہو جن کو اسکے کاموں کا علم یا مشاہدہ خراب کرتا ہے۔

معتراض یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر بُرے کاموں کا اثر ضرر دینا ہے تو فون پر ہی ہوتا ہو تو بھی کیا سوسائٹی کے لئے یہ واجب ہو کہ ان لوگوں کو جو اپنے نیک و بد سمجھنے کے لئے بدیہیانا قابل ہیں خود مختار رکھے اور دوسروں کے افعال بد کی مثال سے متاثر ہونے سے؟ اگر بچوں اور نابالغوں کو اپنے کاموں کے بُرے نتائج سے بچائے رکھنا مناسب سمجھتے ہیں تو کیا سوسائٹی کے لئے اسی طرح یہ واجب نہیں کہ بالغ آدمیوں کو جو خود اپنی نگرانی کے ویسے ہی قابل ہوں اپنی حفاظت میں رکھے؟ اگر قانونی شراب خواری، بد چلنی، پیکاری اور غلاظت سے مسرت انسانی اور قبیح قوم میں اتنا ہی خلل واقع ہوتا ہے جتنا کہ ان جرائم سے جو فائدہ ناممکن ہے تو سوال ہو سکتا ہے کہ ان برائیوں کا انسداد قانون کے ذریعہ سے جہاں تک ممکن ہو کیوں نہ کیا جائے؟ قانون کی غیر مکمل حالت تو ناگزیر ہے۔ قانون سے تو ہر جگہ کام نہیں لیا جاسکتا اس پر مستزاد کرنے کیلئے رائی جھوٹے کام

لینا چاہئے۔ یعنی پبلک اپنی ذہن ایسے کاموں کی پولیس کی طرح نگران رہے۔ تاکہ اُن لوگوں کو جو ایسے کام کریں سزائے مناسب دی جاوے۔ اسپر یہ اعتراض بھی عاید نہیں ہو سکتا کہ حریت طبعی کو روکنا یا اوقات بصری کے نئے طریقوں کے تجربوں میں مزاحمت پیدا کرنا برا ہو۔ اس سے صرف اُن کاموں کے روکنے کا تدارک کیا جاتا ہو جن کا تجربہ ابتدائے دنیا سے ہوتا آیا ہو۔ اور جن کو سبے بالاتفاق بُرا کہا ہو اور جو کسی شخص کی خاص حالت کے مطابق یا مفید ثابت نہیں ہوئے ہیں، کسی اخلاقی یا عقلی مسئلہ کو صحیح یا غلط قرار دینے کے لئے کچھ عرصہ درکار ہو بعد اسکے وہ مسئلہ مسلم ہو جانا چاہئے۔ معترض صرف یہہ چاہتے ہیں کہ مختلف نسل کے آدمیوں کو بار بار پُرانے رنج و تکالیف میں جن میں کہ اُنکے اسلاف پھنسے ہوئے تھے مبتلا کرنا نہیں چاہئے۔

میں مانتا ہوں کہ اگر کوئی شخص خود اپنے تئیں کسی طرح کا ضرر پہنچاتا ہو۔ تو اسکے متعلقین پر اُنکے ہمدردو ہم خیال ہونے کے باعث یا اُن کے مختلف تعلقات کی وجہ سے اثر پہنچتا ہو اور کسی حد تک سوسائٹی پر بھی اثر پڑتا ہو۔ اگر کوئی اپنے ذاتی فعل سے کسی ایک یا بہت سے شخصوں کے مقررہ حقوق میں دست اندازی کرتا ہو تو اس کا وہ کام افعال ذاتی کے حد میں نہیں رہتا۔ اور اس لئے مناسب ہے کہ اُسے جائز طور پر ملامت کی جائے

مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بد چلنی یا سراف سے اپنا فرض ادا نہیں کر سکتا نہ اپنے کنبہ کی پرورش کر سکتا ہو اور نہ انکی تعلیم کے سامان بہم پہنچا سکتا ہو تو البتہ وہ ملامت کا مستحق ہو اور اُسے سبزا دینی واجب ہو۔ لیکن یہ ملامت اور سزا اسکے اسراف کے لئے نہیں ہو بلکہ اسلئے ہو کہ وہ اپنے کنبہ کی پرورش وغیرہ کا فرض ادا نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اپنا وسیعہ اور جائداد جو کنبہ کے گزارہ کے لئے ضروری تھا اُن سے لیکر کسی ایسے کام میں صرف کرتا جس کا فائدہ آخر کار اسے ہی حاصل ہوتا تو بھی وہ قصور وار تھا۔ جب کہ بلکہ دل نامی ایک شخص نے اپنے چچا کو اس غرض سے قتل کیا کہ وہ اپنی معشوقہ کے لئے کچھ روپیہ چل کرے۔ لیکن اگر وہ اپنے آپ کو کسی کاروبار میں لگانے کے لئے یہ فعل کرتا تو بھی اسکو پھانسی کی سزا دیجاتی۔ علاوہ بریں اگر کوئی شخص بعض بد عادات اختیار کرنے سے عیال و اطفال کو تکالیف و مصائب میں پھنساتا ہو تو اسکی بے حیثی و ناشکر گذاری کے صلہ میں طعن و تشنیع اسپر واجب ہو۔ اور اگر وہ ایسی عادات اختیار کر لے جس سے اپنی نفسہ بُری نہیں بنے لیکن اُن لوگوں کو رنج پہنچانے والی ہیں جنکے ساتھ وہ اپنی عمر کاٹتا ہو۔ یا جنکے آرام و مسرت ذاتی تعلقات کی وجہ سے اسی پر منحصر ہیں۔ تو بھی ملامت اسپر روا ہو۔ جو شخص دوسروں کے مطالب کا غماخ نہ رکھے جیسے دوسروں کی پاس خاطر منظور نہ ہو وہ { بشرطیکہ کوہی واجب الادا فرض سے

مجبور نہ ہو یا اپنی ذات خاص کے آرام و آسائش کو بعض وجوہات کے باعث ترجیح دینے کا مجاز نہ ہو کہ اپنی اس لا پر والی کے عوض میں لعن و طعن کا مستحق ہے مگر اُس کو یہ ملاست اُس کے ذاتی عیوب کے لئے جو بالواسطہ دوسروں کی حق تلفی کا باعث ہو ہوں نہیں کیجاتی۔ بلکہ اسلئے کیجاتی ہے کہ اُس نے ان عیوب کو اس درجہ تک کیوں بڑھنے دیا کہ اُس سے دوسروں کے حقوق کو صدمہ پہنچا۔ سبیل جو شخص افعال ذاتی سے اپنے تئیں ہلک کر بعض مقررہ فرائض کے ادا کرنے کے ناقابل کر دیتا ہے وہ بھی سوسائٹی کا مجرم ہے + کسی شخص کو غوثی کی عادت کے لئے سزا نہیں دینی چاہئے۔ لیکن ایک سپاہی اگر اپنے لئے کیوقت بدست رہے تو وہ مستوجب سزا ہے + غرضیکہ جب کسی فعل کے متفرد کو یا سپیک کو صریح نقصان پہنچے۔ یا نقصان پہنچنے کا صریح اندیشہ ہو تو اُس فعل کی آزادی نہیں دینی چاہئے۔ اور وہ فعل قانون یا راجی جہو کے حیطہ اختیار میں آجاتا ہے +

لیکن ان افعال کی نسبت جن کا اثر دوسروں پر مشتبہ ہو جن سے نہ تو کسی خاص فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی واقع ہو۔ اور نہ کسی خاص شخص کو سوائے فاعل کے کسی طرح کا صریح نقصان پہنچے۔ سوسائٹی کی مداخلت بیجا ہے۔ یہ نقصان اس قسم کا ہے جو سوسائٹی کو آزادی فعل

کے فوائد کے لحاظ سے برداشت کر لینا چاہیے۔ اگر بالغ آدمیوں کو ان کی بے احتیاطی کے لئے سزا دی جائے تو انہیں کے ذاتی فائدہ کے لئے اس سزا کا عمل میں آنا زیادہ تر مناسب ہو جائے۔ اسکے کہ سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کا بہانہ کیا جائے اور اس مداخلت کی یہ وجہ بیان کی جائے۔ کہ لوگوں میں سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کی قابلیت زایل نہ ہونے دینا ہمارا فرض ہے۔ کیونکہ میری رائے میں سوسائٹی کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ وہ اس قسم کے فوائد کی طالب ہو۔ لیکن میں اس بحث میں یہ نہیں مانتا کہ نالائقی افراد کو لائقی بنانے اور ان کے معمولی معیار کے مطابق معقول کام لینے کا سوسائٹی کے پاس کوئی اور ذریعہ ہوئے اسکے نہیں کہ جب تک اُن کے کوئی ناشایستہ فعل سرزد نہ ہو سوسائٹی خاموش رہے۔ اور جہاں کوئی نامعقول کام ہو۔ وہاں ہی قانونی یا اخلاقی سزا دینے کو طیار ہو جائے۔ ہر فرد بشر کی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں سوسائٹی کو اس پر طرح کا اختیار حاصل ہے۔ زمانہ طفولیت اور ایام نابالغی میں سوسائٹی کو موقع ملتا ہے کہ اُن لوگوں کو اس قابل بنانے کی کوشش کرے کہ اُن سے ہمیشہ معقول کام سرزد ہوں۔ آئندہ نسل کے لوگوں کی تربیت اور بہتین موجودہ نسل کے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ بیشک جیکل کے لوگ آئندہ نسل والوں کو دانائے کامل و سعید مطلق نہیں بنا سکتے۔ لیکن اسکی وجہ یہ ہے

فٹ نوٹ * یعنی بذریعہ رائی بھور + مترجم

کہ ان میں خود نیکی اور دانائی کم ہے۔ جب کبھی انہوں نے بعض افراد کو سب سے
 سے کامل بنانے کی کوشش کی تو انہیں کچھ بہت کامیابی حاصل نہیں ہوئی
 لیکن تو بھی زمانہ موجودہ کے لوگ اس قابل ہیں کہ آئندہ نسل کے لوگوں کو بہت
 مجموعی اپنے جیسا یا اپنے سے بھی بہتر بنادیں۔ اگر سوسائٹی بہت افراد
 کو اس قسم کی تربیت دے کہ وہ بڑھکر بھی سچے ہی رہیں اور اس قابل نہ ہوں
 کہ اپنے افعال کے دور دراز باعث و تسایح کو معقول طور پر ذہن میں لائیں۔
 تو یہ سوسائٹی کا اپنا قصور ہے۔ جس حالت میں کہ قوم کی تعلیم و تربیت سائنسی
 کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ فائدہ بھی حاصل ہے کہ مسئلہ اور استدلالوں کا اثر ان
 لوگوں کے دل پر بہت ہوتا ہے جو خود اپنے لئے نیک و بد نہیں سوچ سکتے علاوہ
 جبکہ ان لوگوں سے جو ذاتی عیوب میں گرفتار ہیں انکے دوست اور بھائی بند نفرت
 بھی کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی عادات بد کی سزا بھگتے جاتے ہیں۔ اور اگر چاہیں
 تو اپنی اصلاح بھی کر سکتے ہیں۔ تو پھر سوسائٹی کا یہ دعویٰ محض بیجا ہے کہ لوگوں کے
 ذاتی معاملات میں دخل دینا چاہئے اور انہیں اپنی اطاعت پر مجبور کرنا چاہئے۔
 کیونکہ انصاف یہی چاہتا ہے اور مصلحت بھی اسی میں ہے کہ جن معاملات کو نتائج
 ایک شخص نے خود بھگتے ہوں انکا فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ لوگوں کے
 اعمال کو ایک خاص طرز پر لانیکے لئے اچھے اور بُرے دو طریقے ہیں۔ اور اچھے
 طریقوں کے عمل میں آنے کی اس سے بڑھکر اور کوئی بات مانع نہیں ہے کہ بُرے

طریقوں سے چارہ جوئی کی جائے + اگر ان لوگوں میں جنکو جبراً عاقبت انیش اور پرہیزگار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس قسم کا مادہ موجود ہے۔ جو ضرر بالبطع اور آزاد منش آدمیوں کیلئے لازمی ہے۔ تو وہ اس قید کو فوراً توڑ ڈالینگے۔ اور کبھی اسکی پرواہ نہیں کریں گے۔ ایسے شخص یہ کہیں گے کہ لوگوں کو ہمارے معاملات ذاتی میں آزادی فعل روکنے کا وہ خستہ کار حاصل نہیں جہ انہیں دوسری حالت میں ہے۔ یعنی جب ہمارے فعل سے دوسروں کو نقصان پہنچے + آہستہ آہستہ اس قلم کا مقابلہ کرنے اور سوسائٹی کی ہدایات کے عین برعکس چلنے میں لوگ بہادری سمجھنے لگیں گے۔ زمانہ پیورٹن میں لوگوں کو نیک چلتی اور پرہیزگاری کیلئے مجبور کیا جاتا تھا نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ اسکو چارلس دوم کے عہد میں بد چلتی و بد معاشی کا ایک عام رواج ہو گیا۔ اس سیرے قول کی تصدیق ہوتی ہے + یہ دلیل بھی بیان کی گئی ہے کہ شریر اور عیاش آدمیوں کو

فٹ نوٹ * پیورٹن عیسائی مذہب کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ یہ لوگ صرف انجیل کی آیتوں کی ہی اپنی ہدایات کا ایک مجموعہ سمجھتے ہیں۔ مفسروں کے قول پر نہیں ملتے + ابتدا میں انکے گانا سنا سنا کا ہونا میں جانا یا شان و تمجیل کے مختلف طریقہ اختیار کرنا بہت برا سمجھتے تھے + چارلس دوم کے عہد پہلے انکا بہت زور رہا۔ اور انہوں نے بہت سوانین بھی جاری کرانے جن سے گورنمنٹ لوگوں کو اس قسم کے مشاغل سے جنہیں یہ لوگ برا سمجھتے تھے باز رکھ سکتی تھی + مترجم

فٹ نوٹ + چارلس دوم شاہ انگلستان چارلس اول کا جھکورا یا نواسہ انگلستان نے فتویٰ منسلک تھا مٹا تھا + میل جول میں خلقت تھا۔ لیکن انتہا درجہ کا عیاش تھا۔ غیر منکوحہ عورتوں سے اسے بہت سے بچے ہوئے + مترجم

زور کرنے سے بُرے کاموں کی مثال قائم ہوتی ہے۔ اور سوسائٹی کو اس بُرے اثر سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ بیشک بُری مثال قائم کرنے سے نقصان پہنچتا ہو خصوصاً اُس حالت میں کہ جب بُرے فعل سے کسی اور کو ایذا پہنچے۔ اور فانی کرنے والے کو پاداش نہ ملے۔ مگر ہم یہاں اُن افعال کا ذکر کر رہے ہیں جن سے سوائے فاعل کے اور کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض لوگوں کی رائے میں ان کاموں کی بری مثال قائم کر نیکا اثر کس لئے بُرا زیادہ ہے اور اچھاکم۔ کیونکہ اگر اس مثال کے مشاہدہ سے انہیں اس کام کا شوق پیدا ہوتا ہے تو اُسکے بُرے اور تکلیف دہ نتائج ہی ساتھ ہی نظر آتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر وہ کام بُرا ہے تو اُس سے بُرے نتائج ضرور پیدا ہونگے۔

لیکن بہت بڑی دلیل جس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ پبلک لوگوں کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ یہ ہے کہ جب کبھی اس قسم کے معاملات میں مداخلت ہوتی ہے تو اکثر ناجائز طریقوں سے اور ناواجب موقعوں پر ہوتی ہے۔ اگرچہ پبلک کی رائے (یعنی پبلک کے حصّہ پر) کی رائے جو اسکی قدرت کی وجہ سے قابلِ وقت سمجھی جائے) اُن فرامین کے مقرر کرنے میں جن کا ادا کرنا دوسروں کے حقوق کے لحاظ سے مناسب ہے یا اکثر غلط ہوتی ہے۔ مگر بہت سے موقعوں پر صحیح بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ

ان معاملات میں قانون مستعمل کرنے والوں کو اپنے مطالب و خواہش کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اگر ایک خاص طرح کے کام جاری رکھے جائیں تو اس سے ان کے حالات پر کیا اثر ہوگا۔ لیکن اُسی حصہ کثیر کی رائے اگر ذاتی معاملات میں حصہ قلیل کیلئے قانون کا حکم رکھے۔ تو اس حالت میں اُس رائے کا غلط ہونا تو یہاں تک ممکن ہے جیسا اس کا صحیح ہونا۔ افراد کے ذاتی معاملات کی نسبت پہلے کی رائے کے یہ حصے ہیں۔ کہ بعض شخصوں کی اس امر میں کیا رائے ہے کہ اوروں کے لئے کون سی باتیں اچھی اور کون سی بُری ہیں۔ بلکہ اکثر یہ مراد بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کے افعال کو وہ قابلِ ملامت سمجھتے ہیں ان کے آرام و مسرت کا لحاظ نہیں رکھتے صرف اپنے ہی مذاق اور پسند کا خیال رکھتے ہیں۔ ایسے بہت سے ہیں جو کسی شخص کے ایسے فعل سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتے۔ اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے ہمیں رنج پہنچایا۔ چنانچہ جب کسی متعصب شخص پر براہِ اثر کیا جاتا ہو کہ وہ دوسروں کے عقائد کا لحاظ کیوں نہیں رکھتا اور کس لئے انہیں رنج پہنچاتا ہے۔ تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ اور مذہب والے اپنے اعتقاد میں قائم رہیں اور اپنے ناجائز اور مکر وہ طرزِ عبادت کے

جاری رکھنے سے مجبور بنج پہنچاتے ہیں + جس شخص کی ایک خاص رائے ہو اسے اپنی رائے پر قائم رہنے کا جوش ہوتا ہو۔ اور جو شخص اس بات سے ناراض ہوتا ہے کہ دوسرا اپنی رائے پر کیوں قائم ہے اسکی طبیعت میں بھی ایک خاص قسم کا جوش ہو۔ مگر ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ بلکہ ان میں کچھ مناسبت ہی نہیں۔ ان میں اسی قسم کی نسبت جو دولتمند کی آرزو اور چوکی خواہش میں پائی جاتی ہے۔ ایک یہہ چاہتا ہو کہ میرا سارا روپیہ میرے پاس ہی رہے اور دوسرے کی یہہ تمنا ہے کہ سارا مال میں لجاؤں + مذاق کو صاحب مذاق سے وہی نسبت جو دولت کو دولت مند سے۔ رائے کو رائے اور مذاق یہہ تینوں۔ اہل الرائے۔ دولتمند اور صاحب مذاق کی ذات واحد ہی تعلق رکھتی ہیں + تصویر میں تو اس قسم کی ایک پبلک کا وجود ممکن ہے جو تمام مشتبہ معاملات میں افراد کی آزادی فعل کا لحاظ رکھے اور صرف انہیں کاموں سے پرہیز کرانے جو کل زمانہ کے تجربہ سے قابل ترک قرار پائے ہیں + مگر اس قسم کا گروہ جس نے اپنے اختیارات نگرانی میں اس بات کا خیال رکھا ہو کس زمانہ میں تھا؟۔ پبلک کب اس قدر تکلیف اٹھاتی ہے۔ کہ تمام زمانہ کے تجربہ کا لحاظ رکھے۔ ذاتی معاملات میں دخل دینے کی قوت سوائے اسکے اور کسی بات کا خیال نہیں کیا جاتا کہ عام آدمیوں کے خلاف عمل کرنا یا سب سے مذالی آرزو میں رکھنی بہت برسی ہیں۔ علم اخلاق کے

مصنف اور فلاسفہ بھی (دس مین سے نو) اسی معیار کو مختلف پیرایوں میں نوع انسان کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں کہ یہ اصول مذہب اور فلسفہ کی ہدایات کے عین مطابق ہے + ان حکماء کے بموجب نیکی اور برائی کا معیار یہی ہے کہ جن کاموں کے بُرا ہونے کی ہماری طبیعت شہادت دے۔ وہ بُرے ہیں۔ اور جن کو ہماری طبیعت اچھا کہے وہ نیک ہیں۔ وہ یہہ کہتے ہیں کہ تمام اخلاقی قوانین کیفیات ذہنی کی تفتیش و تحقیق سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ پہر بیچاری پبلک سوائے اسکے کہ ان ہدایات پر عمل کرے۔ اور بہت سون کے پسند کرنے یا ناپسند کرنے کو ہی اچھے اور بُرے کاموں کا معیار قرار دے اور کیا کر سکتی ہو +

جو غرائبیہ مین نے یہاں بیان کی ہیں وہ محض خیالی ہی نہیں۔ شاید ناظرین مجھ سے یہہ توقع رکھیں کہ مین اس زمانہ اور اس ملک کی پبلک کے ظلم کی مثالیں پیش کروں۔ اور یہہ بیان کروں کہ کن کن باتوں میں پبلک نے محض اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کو دوسروں کے لئے بمنزلہ قانون مقرر کرنا چاہا + مین اس امر پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ کہ آجکل کے لوگوں نے کن کن باتوں کو ناجائز طور پر اصول اخلاقی کے زمرہ میں داخل کر دیا ہو + یہہ مضمون اس قسم کا نہیں کہ اس پر اس جگہ جملہ مختصرہ کے طور پر کچھ بحث کی جائے۔ تو بھی نظیر و نکاپیش کرنا اسلئے ضروری ہو کہ ان

اصولوں کی ضرورت جن کا مین حاشی ہوں آج کل کے حالات کے لحاظ سے ثابت ہوا اور یہ معلوم ہو جائے کہ مین کچھ مومومی نقائص کو دور نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اُن برائیوں کو رفع کرنا چاہتا ہوں جو فی الواقع موجود ہیں اس امر کی توضیح بہت سی مثالوں سے کچھ شکل نہیں ہے کہ راسے جمہور کے اختیارات کو وسیع کرتے جانا یہاں تک کہ لوگوں کی جائیز آزادی میں خلل آئے۔ انسانی طبیعت کا ایک عام خاصہ ہے۔

پہلی مثال۔ مین۔ یہ پیش کرتا ہوں کہ لوگ اکثر اُن اشخاص سے نفرت کرتے ہیں جو اختلاف عقاید مذہبی کی وجہ سے اُن قواعد کی پابندی نہیں کرتے جنکی پیروی انہر اپنے مذہب کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اور خصوصاً اُن سے جو انکی ممنوعات مذہبی سے کنارہ نہیں کرتے۔ ایک چھوٹی سی مثال بیان کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو جتنی نفرت عیسائیوں سے اس وجہ سے ہے کہ وہ لحم خنزیر کھانا رو رکھتے ہیں اتنی کراہت انکو اود کسی بائیسے نہیں ہے۔ جتنی نفرت مسلمانوں کو لحم خنزیر کھانے سے ہے اتنی کراہت عیسائیوں اور یورپیوں کو کسی فعل سے نہیں ہے۔ اول تو یہ اوج کے مان مذہباً ممنوع ہے۔ لیکن مذہبی مانعت انکی اس انتہا درجہ کی کراہت کا باعث نہیں ہے۔ کیونکہ شراب بھی تو انکے مان مذہباً ممنوع ہے۔ لیکن مے نوشی کو سب مسلمان برا سمجھتے ہیں۔ اس سے انکو کراہت نہیں۔ برعکس اس کے

لحم خنزیر سے انگو جلی اور طبعی کراہت ہے + بعض چیزوں کے غلیظ ہونے کا خیال جب ایک دفعہ طبیعت میں بیٹھ جاتا ہے تو وہ لوگ بھی جو دیکھنے میں خود ایسے صاف اور ستھرے نہیں ہوتے ان چیزوں سے کراہت کرنے لگتے ہیں۔ لحم خنزیر سے مسلمانوں کا نفرت کرنا بھی ایک اسی قسم کی مثال ہے۔ ہندوؤں میں مذہب کے رو سے ناپاک (بھڑشت) ہو جانے کا خیال بھی اسی کی ایک اور نظیر ہے + فرض کرو کہ ایک ملک میں جہاں کثرت مسلمانوں کی ہو قوم کا حصہ کثیر اس امر پر مصر ہو۔ کہ کوئی شخص لحم خنزیر اُس ملک کے مضافات میں ہی نہ کھائے۔ مسلمانوں کے ملک میں یہ کچھ نئی بات نہیں۔ کیا اس فعل کا پبلک کی طرف سے ظہور میں آنا واجب ہے؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟ حقیقت میں لحم خنزیر کا کھانا ان لوگوں کے دلوں میں نہایت نفرت پیدا کرتا ہے۔ اور وہ صدق دل سے مانتے ہیں کہ خدا نے یہ غذا منع کی ہے۔ ہم یہ ہی نہیں کہہ سکتے کہ پبلک کے اس فعل سے دوسرے مذہب والوں پر جبر و تشدد ہوتا ہے کیونکہ کسی شخص کے مذہب میں کاکوشت کھانا فرض نہیں + پس اس ممانعت کو اگر ناجائز قرار دیا جائے تو اسکی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ کھانا دنیا ایک ذاتی معاملہ ہے اور لوگوں کے ذاتی معاملات میں پبلک کو دخل دینے کا کچھ کام نہیں +

نور کیون جاتے ہوئے دیکھ کر کی مثال کے لو۔ ملک مسلمان ہیں بہت سے
 لوگ۔ خدا کی پرستش اور من گھڑت طریق کے سوا کسی اور طریقہ سے کوئی
 خدا کی نظر میں بہت ناپسندیدہ اور مکروہ خیال کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں
 میں قابو ناکسی اور طرز عبادت کی اجازت نہیں ہے۔ جنوبی یورپ کے لوگ
 ان پادریوں کو جن کی شادی ہوئی ہو بے ایمان ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ ناقص
 چمپن اور بے حیا خیال کرتے ہیں۔ اہل پروٹسٹنٹ ان لوگوں کے اس
 سچے جوش کو کیوں برا سمجھتے ہیں؟ اور جس طرح سے وہ اپنا سچا جوش ان
 لوگوں کے مجبور کرنے میں جو رومن کیتھولک مذہب کے پیرو ہیں ظاہر کرنا چاہتے
 ہیں، ان کو یاد رکھو۔ کیوں ناجائز قرار دیتے ہیں؟ اگر فروع انسان کا ایک دوسرے
 کی آزادی پر ان معاملات میں غل ہو جائے گا کہ دوسروں سے کچھ علاقہ
 نہیں۔ قرین انصاف ہے۔ تو پھر ان خاص حالات کے پیش نظر قرار دینا کس
 اصول پر مبنی ہے۔ پروٹسٹنٹ مذہب والوں کو یہ چار اصول یاد رکھو۔ ان کے
 مروجہ اصول کے بالکل متناقض نہیں تو اور کیا ہے؟ جس قوم کی یہ آرزو
 ہے کہ ان کاموں کو جبراً روکا جائے۔ جو خدا اور انسان کی نظر میں مکروہ
 ہیں۔ اُس کو کون تصور وار ٹھہرا سکتا ہے؟ ذاتی عیوب کا روکنا اس حالت
 سے زیادہ اور کس صورت میں واجب خیال ہو سکتا ہے جب کہ لوگ ان
 عیوب کو بد اخلاقی تو درکنار فسق و فجور سمجھیں، یا تو ہم اس اصول کو تسلیم

نہایت جتن کر کے جو کہ ہم سے سلوک کیا جائے تو ہم بے انصافی سمجھیں۔ یا
 یہ کہ اس قسم کے لوگوں کو اپنی نسبت میں قسم کا سلوک پسند نہ کریں جو ہم
 دوسروں سے روٹھ گئے ہیں (یہ بات یہ کہ ہمارے وطن میں ان لوگوں کا سا
 مسلک نہیں ہے زمانہ قدیم میں یہی مذہب والوں کو قتل کیا جنکی یہ بات
 تھی کہ ہمیں یہ مذہب والوں کو قتل کرنا واجب ہو۔ کیونکہ وہ ظالمی پر ہیں۔
 اور انکو یہ مناسب نہیں کہ وہ ہمیں قتل کریں کیونکہ حق بجانب ہمارے ہو
 جن کا قول گویا اس قسم کا تھا کہ جب تم ہمارے گھر پر آؤ گے تو کیا لاؤ گے
 اور جب ہم تمہارے مکان پر جائیں گے تو کیا دوں گے۔

مذکورہ بالا نظریہ پر شاید یہ نامقول اعتراض ہو۔ کہ اب اس
 قسم کے حالات ہم لوگوں میں نہیں پذیر نہیں ہو سکتے۔ غالب نہیں کہ اس
 ملک میں ایسے جمہور خاص قسم کے گوشت سے پرہیز کرنے پر لوگوں کو مجبور
 کرے۔ یا لوگوں کی طرز عبادت میں دخل دے۔ اور مختلف لوگوں کے
 عقاید و مذاہب کے مطابق شادی کرنے یا نہ کرنے میں مداخلت کرے۔
 مگر جو مثال میں اب بیان کرتا ہوں وہ اس قسم کی مداخلت کی ہر چیز کا
 اندیشہ ابھی تک ممکن ہو۔ جہاں فرقہ بندی میں نے طاقت پائی (یہ)
 کہ نیرولینڈ میں یا جزائر برطانیہ میں جب یہاں سلطنت جمہوری قائم ہوئی
 تھی تو وہاں انہوں نے بھی کوشش کی کہ عوام اور افراد کی تفریح طبع کے

تمام طریقہ بند کر دیئے جائیں۔ اور اس میں بہت کامیابی بھی انہیں حاصل ہوئی۔ خصوصاً قص۔ اور موسیقی کی مجلسوں۔ تماشہ گاہوں (تھی ایٹرون) کو جو لوگوں کی تفریح طبع کے لئے ہوتے ہیں۔ توڑ بھی دیا۔ آجکل ایسے بہت سے گروہ اس ملک میں ہیں جن کے مذہبی خیالات کے بوجب یہہ دل بہلانے کے طریقے بُرے ہیں۔ چونکہ ایسے شخص خصوصاً متوسط درجہ کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں جنکی پوسٹیکل اور سوشل معاملات میں آجکل بہت چلتی ہر اسلئے کچھ ناممکن نہیں کہ ان خیالات کے لوگ کسی زمانہ میں پارٹی منٹ میں کثرت سے جمع ہو جائیں۔ پھر باقی کے لوگ ان طریقوں سے کیونکر دل بہلائینگے + پھر لوگ یہی چاہیں گے کہ پرہیزگار جو انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں اپنا اپنا کام کریں اور ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں * جہاں گورنمنٹ یا پبلک کا یہہ دعویٰ ہو کہ لوگ تفریح طبع کے وہ طریقہ عمل میں نہ لائیں جنہیں ہم بُرا سمجھتے ہیں۔ وہاں اُنکو عام لوگوں کی طبیعتوں کا خیال کرنا چاہئے اور یہہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے دل میں کیا چاہتے ہوئے * لیکن اگر اس اصول کو مان لیں کہ سلطنت کو لوگوں کی تفریح طبع کے مختلف طریقوں میں دخل دینے کا اختیار ہو تو ان معاملات میں قوم کے حقہ کثیر کی رائے کے مطابق دخل دینا قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اگر اس قسم کے مذہبی عقاید جسکے رو سے لوگوں کو دل بہلانے کے بعض طریقوں سے

باز رکھنا مناسب ہے از سر نو رائج ہو جائیں۔ جیسے اور بہت سے پُرانی مذہب
نئے سرے سے زندہ ہو گئے۔ تو سب لوگوں کو ان خیالات کے مطابق
عمل کر نیکے لئے طیار رہنا چاہئے جو ہوانگلنڈ میں کر چکے ہیں۔ و لقمہ
کے قیام کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ *

اب ہم ایک اور حالت کا خیال کرتے ہیں جس کا یہاں ظہور میں آنا
بہ نسبت مندرجہ بالا صورتوں کے زیادہ تر ممکن ہو + سب مانتے ہیں کہ
آجکل کے لوگوں کا میلان سوسائٹی کو جمہوری اصول پر قائم کرنے کا ہی خواہ
جمہوری انسنٹی ٹیشنوں کا وجود ہو یا نہ ہو + لوگ کہتے ہیں کہ جس ملک
میں یہ میلان بوجہ اکمل ظہور پذیر ہے جہاں سوسائٹی اور گورنمنٹ دونوں
جمہوری اصول پر ہیں (یعنی اضلاع متحد امریکہ میں) وہاں قوم کے حصّہ
کے خیالات و جذبات کا افراد پر عجیب اثر موتا ہے اور انہیں امیرانہ طرز
کی بود و باش جس کی توفیق سب کو نہ ہو بری تسلیم ہوتی ہے۔ اُن کے
جذبات و خیالات لوگوں کے لئے صرف زر کے معاملات میں قانہ کا
نظم دیکھتے ہیں + اضلاع متحد کے بہت سے حصّوں میں جس شخص کی آمدنی

فٹ نوٹ * وہ خیالات یہ ہیں کہ سوسائٹی لوگوں کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی
مجاز ہے ادا افراد کے ہر قسم کے افعال کی نگرانی سوسائٹی کے ہی اختیار میں ہے۔ لوگوں کے
مذہبی اور اخلاقی معاملات سب اسی کے زیر تسلط ہیں + صہنر جہر

کثیر ہے اسے کوئی طریقہ صرف زر کا ایسا نہیں معلوم ہوتا جس سے عام لوگ ناراض نہ ہوں + اگرچہ ان تمام بیانات میں بہت سا مبالغہ ہو گا۔ اور اصل میں واقعات کی یہ حالت نہ ہوگی جو ظاہر کی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب باقی خیال میں آسکتی ہیں۔ اور ممکن ہیں۔ بلکہ ان خیالات کی اشاعت کا لازمی نتیجہ ہیں جن سے سوسائٹی کو جمہوری اصول پر قائم کرنا اور پبلک کو اس امر کا اختیار دینا۔ کہ وہ افراد کو صرف زر کے خاص طریقوں کی ہدایت دے مناسب ثابت ہو + اگر ہم فرض کریں کہ لوگوں میں مشورہ کے اصول کثرت سے پھیل جائیں۔ تو قوم کے حصہ کثیر کی رائے میں جائداد کثیر پر قابض ہونا یا دستکاری کے سولے کسی اور ذریعہ سے روپیہ حاصل کرنا بہت برا خیال کیا جائیگا + اس قسم کی رائے ابھی سو دستکاروں کے فرقہ میں پائی جاتی ہیں۔ اور ان لوگوں کو جن پر ان رایوں کا اثر ہو سکتا ہے (یعنی اس جماعت کے ممبروں کو) بہت صدمہ پہنچاتی ہیں + یہ سب جانتے ہیں کہ بڑے کاریگروں کی (جو صرف و صنعت کی بہت سی

فٹ نوٹ * مشاہیر میں رابوٹ ادین نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اُس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ سوسائٹی کے موجودہ اصول بالکل غلط ہیں۔ اور افراد ان اصولوں کی وجہ سے نہایت محبت میں ہیں + انکی رائے میں ملک کی تمام جائداد مشترک ہونی چاہئے۔ اور امیرون اور غریبوں کی حالت میں جو فرق ہے وہ بالکل نیست و نابود ہو جانا چاہئے +

مترجم

جماعتوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں (یہہ رائے ہو کہ ہمیں اتنی ہی مزدوری ملنی چاہیے جتنی کہ اچھے کاریگروں کو ملتی ہے۔ اور کسی شخص کو کسی حالت میں زیادہ محنت یا عمدہ کاریگری کے عوض میں اُن لوگوں کی بہ نسبت جن میں یہہ وصف نہیں پائے جاتے زیادہ مزدوری نہیں ملنی چاہیو۔ یہہ لوگ اپنی سوسائٹی کے دباؤ سے اور بعض اوقات جبر و قہر سے اچھے کاریگروں کو اپنے عمدہ کام کے عوض میں زیادہ مزدوری نہیں لینے دیتے۔ اور نہ مالکوں کو دینے دیتے ہیں * اگر سپلائی کو ذاتی معاملات میں دخل دینے کا اختیار جائز ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہہ لوگ کس لئے قصور وار ہیں۔ اور کسی شخص کی برادری اسکے ذاتی کاروبار میں اس قسم کا دخل دینے کیلئے جسکا دعویٰ تمام سپلائی بحیثیت مجموعی کرتی ہے کیوں قصور وار ٹھہرائی جائے *

لیکن ان فرضی معاملات سے قطع نظر کر کے بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ آجکل کے لوگوں کی شخصی آزادی پر بری طرح سے دست اندازی کیجاتی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ ناجائز دست اندازیوں کے عمل میں آنے کا اندیشہ ہے * اس قسم کی رآمین پیش کیجاتی ہیں جن سے سوسائٹی کو من حیث الجماعت قانون کے ذریعہ سے اُن باتوں کے روکنے کا غیر مؤثر اختیار دینا جنہیں یہہ برا سمجھتی ہو مناسب ہے۔ اور صرف یہی نہیں بعض

ایسی باتوں سے روکنے کا اختیار بھی واجب سمجھا جاتا ہے۔ جنہیں سب بے نقصان مانتے ہیں تاکہ سب بے تامل تسلیم کر لیں کہ ان باتوں کو روکنے کا حق تو سوسائٹی کو ضرور حاصل ہے جو حقیقت میں بری ہیں +

لوگوں میں اتنا، وپرہیزگاری پھیلائیے گئے ایک انگریزی کوئی اور نصف حصہ اضلاع متحدہ میں شراب کے استعمال کی قانوناً ممانعت ہے سوائے اس حالت کے کہ جب دوائی کے طور پر استعمال کی جائے۔ کیونکہ جب فروخت کی ممانعت ہو تو استعمال از خود ہی بند ہو جائیگا + اگرچہ اس قانون کو عمل میں لانیکی دقتوں کی وجہ سے اضلاع متحدہ کے بہت سے حصوں میں جہاں یہ طریقہ جاری کیا گیا تھا یہ قانون منسوخ ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس حصہ میں بھی جسکے نام سے یہ قانون مشہور ہے۔ تو یہی ہمارے ملک میں بہت سے شخصوں نے جو نام کو تو تھبان قوم کہلاتے ہیں اسی قسم کا قانون جاری کرنے کیلئے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیے ہیں + جو ایسی ہی ایشن اس غرض سے قائم کی گئی ہے اسکو کسی قدر شہرت حاصل ہو گئی ہے ایسے کہ اُسکے سرٹری اور انگلستان کے ایک سٹیمین میں جو خط و کتابت ہوئی وہ عام طور پر ظاہر ہو گئی۔ یہ محب قوم ان معدودے چند میں سے ہے جن کی رائے میں ایک پولیٹیشن کو ہمیشہ ایک اصول پر چلنا چاہئے۔

سیری مراد لاہور سیشن لی سے ہے۔ اُسکی رایوں سے جو ان خطوط میں

درج تھیں لوگوں کی امیدوں کو جو اُسکی قابلیت کے لحاظ سے اُنکے دل میں پیدا ہوئی تھیں تقویت پہنچی اور اُسکے مادرِ اوصافِ طاہر ہوئے۔ اُس رسالہ میں جو اس ایسی سی ایشن کی راہ میں ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے یہ درج ہے۔ کہ ہم ان اصولوں کی اشاعت بہت بُری سمجھتے ہیں۔ جن سے تعصب اور تشدد واجب ثابت ہو۔ اس میں اس امر کے ثابت کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ کہ ہماری ایسی سی ایشن کے اصول اور ان اصولوں میں صریح اور یہی فرق ہے۔ اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ تمام معاملات۔ جو رائے اور کائنات سے علاقہ رکھتے ہیں ہمارے خیال میں قانون کے اختیار سے باہر ہیں۔ اور وہ معاملات جو لوگوں کے باہمی تعلقات اور برتاؤ سے علاقہ رکھتے ہیں۔ سلطنت کی حیثیت اختیار میں ہیں اور افراد کے اختیار سے باہر ہیں۔ اگرچہ ان اختیارات کو عمل میں لانا یا نہ لانا گورنمنٹ کی مرضی پر منحصر ہے۔ مگر تیسرے قسم کے معاملات کا جو ان دونوں سے مختلف ہیں کچھ ذکر کیا نہیں یعنی افعال ذاتی کا جن کا اثر فاعل کی ذات تک ہی محدود رہتا ہے۔ چنانچہ شراب پینا اسی قبیل میں سے ہے۔ شراب پینا ایک طرح کی تجارت ہے۔ اور تجارت ایک ایسا فعل ہے جسکا اثر سوسائٹی پر پڑتا ہے۔ مگر فروش کی آزادی کو روکنے کی ہم شکایت نہیں کرتے۔ ہمارا اعتراض اس سوسائٹی کے اصولوں پر یہ ہے۔ کہ شراب خریدنے والوں کی آزادی

پر (وران حالیکہ انکا یہ فعل افعال ذاتی کی حد میں ہے) کیون دست اندازی
 کیجاتی ہے۔ کیونکہ شراب کو عدا نا ممکن الحصول بنا دینا ایسا ہی ہے بیسا
 لوگوں کو مو نوشی سے منع کرنا + اس آسوسی ایشن کا سکرٹری بیان کرتا ہے
 کہ ”سوسائٹی کے ایک ممبر ہونے کی حیثیت میں مجھے استغاثہ کرنے کا اُن
 حالت میں حق حاصل ہے۔ جب سیکرٹری مدنی کو (یعنی اُن حقوق کو جن کا
 ادا کرنا میرے فائدہ کے لئے اور دن پر فرض ہے) کسی کے ایسے فعل سے
 صدمہ پہنچے جسکے نتیجے متعدی بغیر ہوں“ اُن حقوق مدنی کی توضیح یوں
 کی گئی ہے۔ کہ شراب کی خرید و فروخت کے جاری رہنے سے بے شک
 تیرے اُن حقوق میں دست اندازی ہوتی ہے سب سے پہلے تو میرے حفظ
 امن میں خلل آتا ہے۔ کیونکہ اسکے استعمال سے اکثر جھگڑے اور لڑائیاں پیدا ہوتی
 رہتی ہیں۔ اور سوسائٹی کے امن میں خلل واقع ہوتا ہے + بہت سے شخص
 اسکے استعمال سے مفلس ہو جاتے ہیں یا روزی کمانے کو قابل نہیں رہتے۔
 اور آخر کار اُنکے گزارہ کے لئے ٹیکس دینا پڑتا ہے + شراب فروش ہی
 چاہینگے کہ لوگ شراب خوب پئیں۔ یہاں تک کہ مفلس ہو جائیں۔ ہم اُنکے
 گزارہ کے لئے روپیہ دینا پڑتا ہے۔ جو روپیہ ہم اپنی جانفشانی سے کمانے
 ہیں اُس سے وہ لوگ جو شراب خوری سے مفلس ہو جاتے ہیں بغیر ہاتھ
 پاؤں ہلائیے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس طرح مساوات حقوق قائم

نہیں رہتی + جہاں سے نوشون کی کثرت ہو وہاں لوگوں کی جان ہمیشہ خطرہ میں رہتی ہے۔ اور بے کھنگامہ ہو کر اخلاقی و عقلی ترقی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ علاوہ برین سوشلسٹ کے عام طور پر بدچلن ہونے کا اثر مجہد پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اپنی سوشلسٹ کے لوگوں میں ہی میسر ہی ہوتی نشست و برخاست اور انہیں سے میں ہر طرح کی اتہاد کا مستحق ہوں۔

ان باتوں سے میری عقلی و اخلاقی ترقی میں نقصان واقع ہوتا ہے اور حق ترقی میں خلل آتا ہے + حقوق مدنی کا یہہ ایک عجیب مسئلہ ہے اس قسم کا مسئلہ اس سے پہلے کبھی بھی صاف و صریح الفاظ میں بیان نہیں کیا گیا۔ اس کے معنی سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ سب لوگوں کو ہر ایک معاملہ میں مناسب طور پر عمل کرنیکے لئے مجبور کرنے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے۔ اور جو شخص اس طریقہ سے ذرا بھی متجاوز ہو گا وہ میرے اور ہر ایک کے حقوق مدنی پر ان حقوق پر جنکا ادا کرنا میرے فائدہ کے لئے اور دین پر فرض ہے، دست اندازی کرے گا اور میں اس حالت میں قانون کے ذریعہ سے استغاثہ و داد خواہی کا مجاز ہوں + ایسے وامہیات اور یہود اصول سے بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ کسی خاص معاملہ میں مستاندا کرنے سے اتنا نقصان نہیں ہوتا۔ اسکے مانتے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی فعل محل آزادی ایسا نہیں جو خلاف انصاف ہو۔ اسکے بموجب

کسی شخص کو کسی قسم کی آزادی کا حق سوائے اسکے حاصل نہیں کہ ہر ایک پوشیدہ طور پر خاص رائے رکھے اور کبھی انہیں ظاہر نہ ہونے دے۔ کیونکہ جس وقت کوئی ایسی رائے جسکو میں نقصان مند سمجھتا ہوں کسی کے زبان سے نکلے گی تو میرے اُن حقوق میں جو مجھے اس ایسی تاشین کے رد سے حاصل ہیں خلل واقع ہوگا۔ اس مسئلہ کے بموجب تمام نوع انسان کو ایک دوسرے کی عقلی اخلاقی اور جسمانی ترقی سے ایک قریب تعلق ہے۔ اور ہر ایک کا یہ حق ہے کہ دوسروں سے اپنے معیار کو بموجب ان باتوں میں ترقی کا طالب ہو۔

ایک اور مثال افراد کی جائز آزادی میں نامناسب دست اندازی کی جسکا صرف اندیشہ ہی نہیں بلکہ جو مدت سے عمل میں آچکی ہے پیش کرتا ہوں + میری مراد اس قانون سے ہے جو اتوار کے دن تعطیل منانے کی نسبت جاری ہے + اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ضروریات انسانی اگر مانع نہ ہوں تو ہفتہ میں ایک دن کاروبار روزمرہ چھوڑ دینا بہت مفید رسم ہے۔ اگرچہ یہ رسم مذہب کے لحاظ سے سوائے یہودیوں کے اور کسی پر فرض نہیں + لیکن تاوقتیکہ سب کارگیر اس دن کام نہ چھوڑ دیں اس رسم پر عمل ہونا محال ہے کیونکہ ملک میں ہمیشہ کارگیروں کے لئے ایک مقررہ مقدار کام کی ہوتی ہے۔ اگر اتوار کے دن بعض خوشرو

منائیں اور بعض کام میں مصروف رہیں تو خوش روزہ منانے والوں کو اس مقررہ کام کی تھوڑی سی مقدار حصہ میں آئے گی۔ اور جو مصروف رہیں گے وہ زیادہ کمال لینگے۔ سب کا ریگروں میں کام برابر تقسیم نہ ہوگا۔ کوئی کارگیر یہ نہیں چاہیگا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کمالے چونکہ بعض شخصوں کے مصروف رہنے سے دوسروں کو بھی ضرورتاً مصروف رہنا پڑتا ہے اسلئے مناسب ہے کہ قانون سب کے اس قاعدہ پر کاربند ہونے کا ذمہ اٹھائے۔ اور ہفتہ میں ایک دن بڑی محنت اور مزدوری کے کام سے چھوٹے لیکن اس اصول کے لحاظ سے جسکی اصل بنیاد یہ ہے کہ جب تک سب اس قاعدہ پر عمل نہ کریں کوئی بھی اسپر کاربند نہیں ہو سکتا۔ ہم ان مشاغل سے لوگوں کو باز نہیں رکھ سکتے جنہیں وہ اپنی مرضی سے اختیار کریں اور اپنی فرصت کا وقت اُس میں صرف کرنا چاہیں۔ اور نہ اس سے تفریح طبع کے مختلف طریقوں کی قانونی ممانعت کسی حد تک بھی جائز ثابت ہوتی ہے۔ بے شک بعض شخصوں کی تفریح طبع کے طریقے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان سے دوسروں کو ہرجا اپنے کام میں مصروف رہنا پڑتا ہے۔ اگر انہیں تفریح کی اجازت ہو تو بعض شخصوں کو مجبوراً مصروف رہنا پڑے۔ لیکن اگر اس خیال کو

فٹ نوٹ: مثلاً اتار کے روز جو لوگ تفریحاً تصویر کھانے چلے جاتے ہیں۔ وہ بیچارے مصروف کو اتار کا خوش روزہ منانے میں دیتے۔ اور جو گاڑیوں میں سوار ہو کر سیر و تماشائیں مل رہے ہیں وہ گاڑی والوں کو دین بہر مصروف رکھتے ہیں۔ مستحضر

نظر انداز ہی کرین کہ اس طرح بہت سے شخصوں کو صحت و مشقت کو کاہنوں سے آرام ملتا ہے تو بھی جو مسرت انہیں حاصل ہوتی ہو وہ ان لوگوں کی مشقت کے مقابلہ میں (بشرطیکہ انہوں نے دو پیشہ خود اپنی مرضی سے اختیار کیا ہو اور اُسکے چھوڑ دینے کی انہیں ہر وقت اجازت ہو) جنہیں مصروف رہنا پڑتا ہے اگر زیادہ نہیں تو برابر ضرور ہے ۔ کاریگروں کا یہ کہنا سچا ہے کہ اگر سب اتوار کے دن کام کریں تو چھ دن کی مزدوری کے عوض میں سات دن تک کام کرنا پڑیگا ۔ لیکن اگر بڑے بڑے کام سب بند رہیں اور چند شخصوں کو ہی دوسروں کے تفریح کے خاص طریقہ اختیار کرینے کی جگہ کام کرنا پڑے تو انہیں زائد صحت کے عوض میں کسی ہی زیادہ مزدوری بھی ملے گی ۔ اور اگر وہ فانی رہنا پسند کریں اور روپیہ کی چندان پرواہ نہ کریں تو انہیں کوئی مجبور بھی نہیں کرنا ۔ ایک اور علاج یہ بھی ہے کہ ہفتہ میں سوائے اتوار کے کوئی اور دن تعطیل کا اُن لوگوں کے لئے مقرر کیا جائے ۔ جو اتوار کے دن بیک کرشمہ و کا کرتے ہیں ۔ یعنی روپیہ ہی کھاتے ہیں اور دوسروں کا دل ہی ہلاتے ہیں ۔ اتوار کے دن تفریح کی ممانعت کے لئے سوائے اسکے اور کوئی دلیل نہیں کہ یہ مذہب کے روئے ناجائز ہے ۔ میری رائے میں مذہبی ممانعت ایک محقول وجہ قانونی ممانعت کی نہیں ہے ۔ عجیب اس بات

کے ماننے میں بہت تامل ہے کہ سوسائٹی پر یا کارکنان سلطنت پر لوگوں سے ان افعال کا انتقام لینے کے لئے آسمان سے کوئی حکم نازل ہے جس سے انہوں نے جس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے لیکن جو انکی راسخ و موجب فایہ مطلق کی نظروں میں گناہ ہوں * یہ خیال کہ دوسروں کو مذہب کا پابند بنانا ہر ایک شخص کا فرض ہے تمام مذہبی تشدد و جبر کی بنیاد تھا۔ اور اگر اسکے صحیح ماننے میں کچھ عذر نہ ہو تو تشدد و جبر کے وہ طریقہ جو پہلے زمانہ میں اختیار کئے گئے تھے قرین انصاف تھے۔ اتوار کے دن عجا خانوں کو بند رکھنے اور ریل کی آمد و رفت مسدود کر دینے کے لئے بارہا لوگ بہت جوش ظاہر کرتے ہیں اور اگرچہ ان باتوں سے وہ بی رحمی جو گذشتہ زمانہ کے تشدد و جبر سے ظاہر ہوتی تھی نہیں پائی جاتی لیکن تو بھی اس یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبیعت ابھی انہیں باتوں کی طرف مائل ہے لوگ کہہ باز دھکے اس بات کے پیچھے پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ اپنی انہوں نے جس کو ان کا مون کی اجازت نہ دین جو اپنے مذہب میں ناروا ہوں اور ان کے مذہب میں مباح۔ لوگوں کا یہ یقین ہے کہ خدا صرف منکروں ہی کے اعمال سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ اگر ہم انہیں ایذا نہ پہنچائیں تو ہم بھی اُس کی نطفہ میں بے قصور نہیں ہیں *

انسانی آزادی کو ناپ چیز سمجھنے کی ایک اور مثال پیش کرنے میں
 باز نہیں رہ سکتا۔ یعنی وہ درشت الفاظ جو اس ملک کے اخباروں اور
 رسالوں میں مکرر منظر کے عجیب و غریب مذہب کی نسبت دیکھنے میں
 آتے ہیں۔ اور جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ لکھنے والے اس مذہب کے
 پیروں سے ہر طرح کا تشدد و جبر روار کھتے ہیں + اس مذہب کا ظہور
 واقعات فیترتہ میں سے ہے اور بہت عبرت انگیز ہے۔ جس زمانہ میں اخبارات
 کی ایسی کثرت ہو۔ ریلوے اور تار ہر قی جاری ہوں اس نئے غیر الہامی
 مذہب کے ماننے والے جسکی بنا محض دعا بازمی پر ہو اور جسے اس بات کا
 یہی سہارا نہیں ہو کہ بانی مذہب میں کچھ بھی غیر معمولی اوصاف پائے
 جائیں۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں موجود ہیں۔ اور ایک فرقہ کی بنا اسی کے
 اصولوں پر قائم کی گئی ہے + ان باتوں سے ہم بہت نتائج کھالکتے
 ہیں۔ لیکن ان سے ہمیں کچھ بحث نہیں۔ یہاں ہماری غرض اس بیان
 سے یہ ہے کہ اور مذہبوں کی طرح اس مذہب کے لئے بھی لوگ شہید ہوئے ہیں
 اسکے بانی کو اپنی تعلیم و تلقین کے عوض میں عام آدمیوں کے ایک گروہ

فٹ نوٹ یہ ایک مذہب کا نام ہے جس کا بانی جو متہد کہلاتا تھا اس مذہب کے
 عقاید یہ ہیں کہ خدا ایک جسانی چیز انسان کی شکل میں ہے۔ انسان کو خدا نے پیدا نہیں کیا۔
 بلکہ اسکا وجود ازل سے ہے اور تابدار رہیگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کثرت اندواج اسکے یہاں جائز ہے +

نے قتل کر دیا۔ اور اسی طرح اسکے بہت سے پیروں کی جانیں ضائع ہوئی
 جس ملک میں اسکا آغاز ہوا تھا وہاں سے اُنکو بالآخر نکالا گیا۔ اور اب یہی
 جبکہ انکا پیچھا کر کے انہیں ایک بیابان کے سُن سان گوشہ میں نکال دیا ہو۔
 اس ملک کے بہت سے لوگ علانیہ بیان کرتے ہیں کہ اُنکے مغلوب کرنے
 کیلئے ایک دستہ فوج بھیجا جائے۔ تاکہ وہ ہماری رايوں سے اتفاق کر لیں
 مجبور ہوں۔ اگر اس تجویز پر عمل کرنے میں کچھ دقت اور تکلیف نہ ہوتی تو
 اس مسئلہ توقف ظہور میں نہ آتا۔ لوگوں میں مخالفت کا جوش چاہتین
 مجبور کرتا ہو کہ وہ مذہبی آزادی و رعایت کا کچھ خیال نہ رکھیں اس پر اسے
 پیدا ہوتا ہے کہ مذہب مورثیائٹ میں کثرت از دواج روا ہے۔ اگرچہ
 اسکی اجازت مسلمانوں۔ ہندوؤں اور چین والوں کو بھی ہے۔ لیکن جیسے
 شخص جو انگریزی بولتے ہوں۔ اور ایک طرح کے عیسائی ہونے کا دعویٰ
 رکھتے ہوں اس رسم پر عمل کرین تو لوگوں کی طبیعت میں بہت جوش پیدا
 ہوتا ہو۔ اس مذہب کے اس قاعدہ سے مجبوری نفرت ہے کہ مشرک
 کسی اور کو ہوگی۔ کیونکہ یہ رسم اصول آزادی کے مدار و معاون تو کیا بلکہ
 مفرد مخالف ہے۔ اس سے نوع انسان کے ایک فریق کو بالکل مغلوب کیا جا
 رہی۔ اور دوسرے کو اُن فرائض کے ادا کرنے سے بری کیا جاتا ہے جن کا
 واجب الادا ہونا اسلئے مسلم ہے کہ فریق اول اپنی طرف سے اُنکی خاطر نہیں

فرائض کو ادا کرتا ہے + تاہم اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایک طرح سے کثرت ازدواج کی رسم بھی ویسی ہی ہے جیسے شادی کے اور طریق۔ یعنی اس سے عورتوں کو جنہیں خصوصاً نقصان پہنچتا ہے کتنا ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ لوگ اس بات سے بہت حیران نہ ہوں۔ کہ عورتیں کسلے ایسے خاندان سے شادی کرتی ہیں جسکی پہلی بیوی موجود ہو۔ میری دوست مین اسکی وجہ یہ ہے کہ رسوم مروجہ اور عام خیالات نے یہ بات عورتوں کے دلوں میں نقش کر دی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے شادی ہی ہے کھدائی ہی انکا غایت مقصد ہے۔ چنانچہ بہت سی عورتیں جنہیں کوئی شادی کرنے والا نہیں ملتا یہ سمجھتی ہیں کہ بہت سی بیویوں والے شوہر کی بیوی ہونا ناکھنڈا رہنے سے بہتر ہے + مورمنائیٹ مذہب والے اور ملکوں سے اس امر کی التجا نہیں کرتے کہ وہ اس قسم کی شادی کو جائز قرار دیں یا اپنے ہاں کے باشندوں کو جو مورمنائیٹ مذہب کی رايوں پر عمل کرتے ہوں اپنے ہاں کے قانونی تئود سے بری کر دیں۔ لیکن جب ان چاروں نے ہماری مخالفت سے تنگ آکر وہ باتیں منظور کر لیں۔ جو از روئے انصاف ہم اُن سے کبھی طلب نہیں کر سکتے تھے۔ یعنی جس حالت میں کہ وہ اُس ملک کو چھوڑ کر جہان کے لوگوں کو انکی رائیں پسند نہ تھیں۔ دنیا کی ایک گوشہ میں جا بے اور سب سے پہلے اُسے نوع انسان کے قابل بود و باش

بنایا۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ انہیں دمان جس قانون کے ماتحت وہ رہنا چاہیں
اُسکے ماتحت نہ رہنے دینا (بشرطیکہ وہ کسی دوسری قوم پر کسی طرح کی
دست اندازی نہ کریں اور جو ان کے قوانین کو پسند نہ کریں انہیں انحراف
کی اجازت دیں) اگر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ حال کا ایک مصنف جو
بعض معاملات میں بڑا صاحب لیاقت ہی بہ تجویز پیش کرتا ہے کہ اس قدر
کے خلاف جو کثرت ازدواج کو روا رکھتا ہے تہذیب کی خاطر جنگ کرنی
واجب ہے (جس طرح پچھلے زمانہ میں مذہب کے لئے جہاد کیا جاتا تھا) تاکہ
تہذیب کا یہ تنزل موقوف ہو۔ بے شک کثرت ازدواج کی رسم کاجاری
ہونا تنزل تہذیب کی علامت ہے۔ لیکن میری رائے میں دوسری قوم کو
مذہب بننے پر مجبور کرنے کا استحقاق کسی قوم کو حاصل نہیں۔ جب تک کہ
وہ لوگ جن پر کسی بُرے قانون سے ظلم ہوتا ہو اور قوموں
سے مدد کی درخواست نہ کریں۔ ایک قوم کو دوسری
قوم کے اُن قوانین میں جن سے اُسکا کچھ تعلق نہ ہو دخل دینا واجب ہے۔ اسی طرح
میری رائے میں بعض رسوم کو (دران حالیکہ اُن رسوم کے برتنے والے
جن پر انکا اثر پہنچ سکتا ہے خوش ہوں۔ اور کسی طرح کی شکایت نہ کرتے
ہوں) اس دلیل سے چھوڑ کر نا مناسب ہے کہ ان کی باری رہنا ہزار میل کے فاصلہ
پر رہنے والوں کے لئے جن کا اُن سے کچھ بھی تعلق نہیں نفرت انگیز ہے

اگر یہ لوگ ان رسوم قبیحہ کے خلاف ان لوگوں کو تلقین دینا ہی چاہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ واعظ و مان پچھیں اور جائز طریقوں سے اس قسم کی نقصان مند راہوں کی ترویج اپنی قوم میں بھی مسدود کریں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ معاونین اسے کو بالآخر خاموش کرانا جائز طریقوں میں سے نہیں ہے + پرانے زمانہ میں ناشائستگی اور بد تہذیب دنیا کو گھیرے ہوئے تھی۔ اب تو تہذیب نے بد تہذیب کو بالکل مغلوب کر لیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ کہنا کہ ناشائستگی اور بد تہذیب کے پھر غالب ہو جائیگا اندیشہ ہی محض یہودہ ہے + اگر تہذیب اپنے زیر کردہ دشمن سے اس طرح مغلوب ہو جاوے۔ تو اسکی حالت پہلے ہی اتنی کمزور ہو گئی ہوگی کہ نہ اس کے معاون اور تلقین دینے والے اور کوئی اور اس قابل ہوگا کہ اسکی مدد کر سکے۔ اور نہ ان میں اتنی ہمت ہوگی کہ اس کے کام کا ذمہ اٹھائیں۔ اگر یہ حالت ہو تو بہت جلدی ایسی تہذیب سے پیچھا چھوڑے اتنا ہی بہتر ہے۔ ایسی حالت میں تہذیب بالکل منہدم ہو جائیگی + ممکن ہو کہ منہدم ہو جانے کے بعد متعدد مزاج و شیون کی کوشش سے جیسا کہ مالک مغربی میں ہوا تہذیب از سر نو زندہ ہو جائے

فصل پنجم

تمثیلات

جب تک ان اصولوں کی ترویج جن کا ذکر میں نے اس کتاب میں کیا ہے عوام میں زیادہ وسیع طور پر نہ ہو۔ اور بہت سے لوگ انہیں فروعات پر بحث کرنے کے لئے اپنا اصول قرار نہ دے لیں۔ اخلاقی قوانین اور سلطنت کے طریقوں پر ان سب کا اطلاق کرنا اور یہہ دریافت کرنا کہ کون سے طریقہ اور کون سے قانون ان کے رو سے عمدہ ثابت ہوتے ہیں کسی متفضل و فروعات کی نسبت جو خیالات میں اب ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے ان اصولوں کی توضیح ہو جائیگی + ان کے عمل میں لانے کے دور و دراز نتائج کو ظاہر کرنا میرا مدعا نہیں۔ میں تمثیلات نہیں بیان کرنا چاہتا ہوں بلکہ تمثیلات کے بھی صرف نمونے پیش کیا چاہتا ہوں۔ میں ان سب معاملات کی تشریح نہیں کروں گا۔ جن پر ان اصولوں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ میری تمثیلات سے ان دو مسائل کا فرق جو اس کتاب میں مندرج ہیں واضح طور پر ظاہر ہو جائیگا۔ اور انکی حد فاصل ذہن میں

آجائگی اور اُن معاملات کے فیصلہ میں مدد ملے گی جہاں صاف ظاہر ہو کہ دونوں مسائل میں سے کونسا اطلاق پاسکتا ہے +

وہ دو مسائل یہ ہیں کہ اول تو لوگ اُن افعال کے لئے سوسائٹی کے آگے جوابدہ نہیں ہیں جن کا اثر انہیں کی ذات پر ہو کیونکہ ان سے سوائے فاعل کے اور کسی کے مطالبہ و اغراض پیوستہ نہیں ہیں نصیحت تلقین - وترغیب یا اگر ضروری ہو تو دوسروں کا اپنے فائدہ کے لئے انکی صحبت سے کنارہ کش ہونا - انہیں طریقوں سے سوسائٹی از روئے اقتضا اپنا تنفر یا اپنی ناراضگی ان افعال کی نسبت ظاہر کر سکتی ہو جن کا اثر فعل کی ذات پر محدود ہو + دوسرے لوگ اُن افعال کے لئے سوسائٹی کی آگے جوابدہ ہیں جن سے دوسروں کے مطالبہ و اغراض کو نقصان پہنچے اور انکے صلہ میں قانونی سزا یا سوسائٹی کے طعن کے (جیسا سوسائٹی قرین خیال کرے) مستوجب ہیں +

اول تو یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جس حالت میں اور ونگواڈا پہنچے کا اندیشہ ہو سوسائٹی کو ضرور دخل دینا چاہئے - بہت سے حالات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص جائز مدعا کو واجب طور پر حاصل کرنے کی کوشش میں دوسروں کی ایذا رسانی یا نقصان دہی کا باعث ہو جاتا ہے اور مجبور ہوتا ہے کہ انہیں ایسے منفعیت محروم رکھے جس کی انہیں معقول

امید ہے * افراد کے مقاصد میں یہ متخالف اکثر بد رسوم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک ان رسوم کا قیام رہے گا لوگوں کے مقاصد کا باہم متضاد ہونا ایک امر ناگزیر ہے۔ بلکہ بعض نقائص اس قسم کے ہیں کہ رسوم کی خواہ کتنی ہی اصلاح ہو وہ موجود ہی رہیں گے جو شخص امتحان مقابلہ میں کامیاب ہوتا ہے یا کسی ایسے فن میں عروج حاصل کرتا ہے جس میں پہلے سے ہی اور بہت سے لوگ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں وہ دوسروں کے نقصان سے یعنی انکی محنت کے ضایع ہونے اور انکے مایوس ہونے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ دوا دیوں میں سے جو مددائے واحد کے لئے ساعی ہوں۔ جو شخص کامیاب ہوتا ہے وہ دوسرے کی ناکامی سے خوش ہوتا ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ مقاصد انسانی کے لحاظ سے یہی مناسب ہے کہ سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں اور اس قسم کے خیالات انکے مانع نہ ہوں * سو سائنٹی نہیں تسلیم کرتی کہ امیدواران امتحان کے مقابلہ میں سے ان لوگوں کا جو ناکامیاب ہوئے قانوناً یا اخلاقاً کوئی حق اس قسم کا ہے جسکے رو سے وہ اس رنج و تکلیف ناگزیر سے بچے رہنے کا دعویٰ کریں۔ سو سائنٹی تو صرف اسی حالت میں اپنی مداخلت جائز سمجھتی ہے جب کوئی شخص ایسے ذریعوں سے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جن کی اجازت بہبودی عام

کے لحاظ سے نہیں دیجا سکتی۔ یعنی فریب و دغا یا جبر سے +
 تجارت ایک ایسے قسم کا فعل ہے جس کا اثر صرف تاجر کی ذات پر
 ہی محدود نہیں۔ جو شخص کوئی چیز عام آدمیوں میں فروخت کر لے گا
 وہ ایک ایسا فعل کرتا ہے جس کا اثر اور دن کے مطالبہ و اغراض پر اور
 سوسائٹی پر بالعموم ہوتا ہے۔ پس بلحاظ اصول اسکا یہ فعل سوسائٹی
 کے ذریعہ اختیار ہونے کے قابل ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ تھا کہ جب گینٹ
 کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ وہ سب ضروری چیزوں کی قیمت مقرر کر دے
 اور ساخت اشیا کی بھی نگران رہے۔ لیکن اب کچھ وقت کے بعد لوگ
 ماننے لگے ہیں کہ اشیاء خریدنی کی ارزانی اور عمدگی صرف اسی طرح
 حاصل ہو سکتی ہے کہ مختلف چیزوں کے بنانے والوں اور بیچنے والوں کو
 ایک سی آزادی رہے اور مشتری کو بھی یہ اختیار رہے کہ وہ ایک چیز
 جہاں سے چاہے خریدے۔ اسکو آزادانہ تجارت کا مسئلہ کہتے ہیں اور
 اگرچہ اسکی بنیاد شخصی آزادی کے اصول پر نہیں جس کا بیان اس کتاب
 میں ہوا ہے۔ مگر ایک دینے ہی مستحکم اصول پر ہے + تجارت پر یا ان
 چیزوں کی پیداوار پر جن سے تجارت کیجائے قیود قائم کرنا آزادی میں
 خلل انداز ہوتا ہے۔ اور آزادی میں دست اندازی کرنے سے عموماً
 نقصان ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ مداخلت افعال انسانی کے اُس حصہ پر

جس کا اثر سوسائٹی پر ہوتا ہے۔ اور اسلئے سوسائٹی دخل دینے کی مجاز ہے۔
 اگر اس قسم کی دست اندازی نا واجب ہے۔ تو صرف اسلئے کہ اس سے وہ مدعا
 حاصل نہیں ہوتا جس کا حاصل کرنا اصل مقصد ہے۔ جس طرح شخصی آزادی
 کے اصول کو آزادانہ تجارت کے مسئلہ سے کچھ دخل نہیں ہے۔ اسی طرح
 ان مباحثوں سے بھی اسکا کچھ تعلق نہیں۔ جو اس مسئلہ کی حد مناسب مقرر
 کرنے کی نسبت پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ فریب اچھی اور گران قیمت
 چیزوں کو برمی اور ارزان چیزوں کے ساتھ ملا کر بیچنے کی ممانعت کرنا
 اختیار سوسائٹی کو کہاں تک ہے؟ اور کاریگروں کو جو خطرناک مشینوں میں
 مصروف ہوں۔ صحت جسمانی کا خیال رکھنے پر مجبور کرنا کس حد تک جائز ہے؟
 اس قسم کے معاملات میں آزادی قائم رکھنے کی نسبت یہ کہا جاسکتا
 ہے کہ لوگوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دینا انہیں مجبور کرنے کی بہ نسبت بہتر
 ہے۔ لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ان معاملات میں اصول کو لحاظ
 سے سوسائٹی جائز طور پر عمل میں لاسکتی ہے۔ بمقابلہ اسکے بعض حالات
 میں تجارت میں دخل دینا آزادی میں ناجائز مداخلت والسا ہے جس کی میں⁺

فٹ نوٹ۔ مین امریکا کے ایک صوبہ کا نام ہے جہاں ۱۸۵۰ء میں ایک

قانون موسومہ بہ مین لا اس غرض سے جاری کیا گیا تھا کہ کوئی مٹھی چیسر فروخت

ہونے پائے۔ مترجم

کا جاری کرنا جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ یا چین میں افیون لیجانے کی نعمت
سمتیات کے فروخت کی بندش۔ غرضیکہ وہ تمام معاملات جن میں مداخلت
سے یہ مقصود ہو کہ کوئی شخص ایک خاص چیز نہ خرید سکے یا مشکل سے خرید سکے
اس قسم کے معاملات میں مداخلت کرنے پر اسلئے اعتراض نہیں کیا جاتا کہ
بایع کی آزادی پر دست اندازی ہوتی ہے۔ بلکہ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ
مشتری کی آزادی کو کیوں روکا جاتا ہے ؟

فروخت سمیات کے مسئلہ سے ایک نیا سوال پیدا ہوتا ہے یعنی یہ
کہ پولیس کے اختیارات کی حد مناسب کیا ہے۔ ارتکاب جرایم یا وقوع حادثات
کے روکنے کے لئے لوگوں کی آزادی پر کس حد تک دست اندازی کی جاسکتی
ہے؟ اس میں کچھ کلام نہیں کہ جیسے مجرموں کا پتہ لگانا اور انکو سزا دینا
گورنمنٹ کا فرض ہے۔ ویسے ہی ارتکاب جرایم کے روکنے کی اختیار سلطنت
پر لازم ہے۔ مگر مجرموں کی سزا دہی کے اختیار کا ناجائز طور پر عمل میں آنے اور
اس سے لوگوں کی آزادی میں دست اندازی ہونے کا چندان اندیشہ
نہیں۔ تدارک انسداد جرایم کے اختیار سے اس قسم کا بہت اندیشہ ہے۔
کیونکہ بہت سے فعل جن کی جائز آزادی لوگوں کو حاصل ہے ایسے ہیں
جن کو کسی نہ کسی طرح سے ارتکاب جرایم کا وسیلہ یا ذریعہ قرار دیکتے ہیں
تاہم اگر ایک سرکاری افسر یا کوئی اور شخص کسی کو ارتکاب جرم کی تیاری

کرتے ہوئے دیکھے تو اُسکا یہ فرض نہیں ہے۔ کہ جیتک جرم نہ کیا جائے
 وہ خاموش رہے۔ بلکہ اُسکا اس امر میں دخل دینا جائز ہے۔ اگر سوائے
 ہلاک کرنے کے کسی اور مطلب کے لئے سمیات کی ضرورت ہوتی تو اُن کے
 بنانے اور فروخت کرنے کی مانگت گلی جائیہوتی لیکن انکی ضرورت
 کبھی صرف ایسے ہی کاموں کے لئے نہیں ہوتی جن سے کسی کو نقصان
 نہ پہنچے بلکہ فائدہ مند کاموں کے لئے بھی وہ اکثر استعمال میں آتی ہیں۔ اور
 قیود مقرر کرنے کا اثر دونوں حالتوں پر ہوتا ہے۔ علاوہ برین حواذات
 کے وقوع کو روکنا بھی سلطنت کا ایک فرض مناسب ہے۔ اگر کوئی سرکاری افسر
 یا کوئی اور شخص کسی کو ٹوٹے ہوئے پل پر سے عبور کرتا ہوا دیکھے اور اُسو اس
 خطرہ سے آگاہ کرنے کا وقت بھی نہ ملے تو اُسے اختیار ہے کہ وہ اُس شخص کو
 پکڑ کر زبردستی سے پیچھے ہٹا دے۔ اس سے اُس شخص کی آزادی میں کوئی
 خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ آزادی اُس فعل کی ہونی چاہئے جسکی آزادی ایک
 شخص کو ہو۔ وہ شخص دریا میں ڈوبنا نہیں چاہتا۔ تاہم جس حالت میں
 کہ نقصان کا یقین کامل نہ ہو بلکہ اندیشہ ہی ہو تو فاعل کے سوائے کوئی اور
 شخص اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ آیا اُسے اپنے تئیں خطرہ میں ڈالنا
 چاہیے یا نہیں۔ اسلئے میری دانست میں ایسے موقعوں پر اُسے خطرہ
 سے صرف آگاہ کر دینا ہی کافی ہے۔ خطرہ میں ڈالنے سے جبراً روکنا صرف

اُسی حالت میں جائز ہے جب وہ شخص سچے یا پاگل ہو۔ یا اس قسم کے جوش سے مغلوب ہو۔ کہ اپنی عقل سے کام نہیں لے سکتا + اسی قسم کے خیالات کے لحاظ سے جب ہم فرد ختمیات کے معاملہ پر غور کریں گے تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ اس معاملہ میں کون تیسروں کا مقرر کرتا ہمارے اصول کے مطابق واجب ہو کر کون کا قیام کرنا واجب ہو۔ مثلاً حفظ ماتقدم کے لئے عطاروں کو اس امر پر مجبور کرنا مناسب ہے کہ وہ زہریلی چیزوں پر پرچیاں لگا رکھیں جس سے خریداروں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ختمیات کی قسم میں سے ہے۔ اس سے انکی جائز آزادی میں کوئی خلل نہیں آتا۔ کیونکہ کسی حالت میں مشتری کی یہ آرزو نہیں ہو سکتی کہ وہ شرعاً قبضہ کے زیرِ قبضہ خواص سے آگاہ نہ ہو۔ لیکن اگر ہم یہ چاہیں کہ مشتری ہر موقعہ پر کسی کا سارٹیفیکٹ لے آئے تو اس سے بعض اوقات جائز کاموں سے بھی اُس شے کا حاصل کرنا ناممکن ہوگا۔ اور ہمیشہ خریدنے والے کو زیادہ خرچ کا متحمل ہونا پڑیگا + میری دہشت میں اُن لوگوں کی آزادی میں ختمیات بڑے کاموں کے سوا اور مطالب کے لئے درکار ہونے والے ختمیات کے بنیہ ارتکاب جہائم کے انسداد کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں رینٹیم کی اصطلاح کے بموجب شہادت مقررہ طبقہ کے ہم پہنچانے کا تدارک کیا جائے + معاہدوں میں تو اس قسم کی شہادت

کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے اور ہر ایک اس سے بخوبی واقف ہے۔ جب کوئی معاہدہ کیا جائے تو مناسب ہے کہ فریقین کو اس کے پورا کرنے پر مجبور کرنے کے لئے بعض باتیں عمل میں لانی قانوناً لازمی ہوں۔ جیسے دستخط کرنا گواہی ڈولانی وغیرہ وغیرہ۔ تاکہ بعد میں اگر کچھ تنازعہ ہو تو اس امر کے ثابت کرنے کے لئے شہادت بہم پہنچ سکے کہ معاہدہ کیا گیا تھا اور حالات اس قسم کی نہ تھی جس سے عہد نامہ قانوناً ناجائز قرار پائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرضی معاہدوں کے عمل میں آنے یا ایسی حالات میں معاہدہ کئے جانے میں جس کے ظاہر ہونے سے عہد نامہ قانوناً ناجائز ہو جائے مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے + اُن اشیاء کی فہرست میں جو ارتکاب جرم کا ذریعہ ہو سکیں اسی قسم کی احتیاط عمل میں لانے پر مجبور کرنا واجب ہے۔ مثلاً بائع کو یہ چاہئے کہ وہ ایک رجسٹر میں خرید کا ٹھیک وقت مشتری کا نام۔ پتہ۔ اُس شے کا ٹھیک مقدار۔ اور قسم۔ ورج کر لے۔ اور یہ پوچھ لے کہ وہ زہریلی چیز کس مطلب کے لئے چاہئے۔ اور سوال کا جواب بھی لکھ لے۔ اگر کسی حکیم کا نسخہ پیش نہ کیا جائے تو ایک تیسرے شخص کی گواہی لکھو اے تاکہ اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ اُس چیز کو ناجائز مطالب کے لئے استعمال لیا گیا۔ تو مشتری کو قابل کرنا ممکن ہو + اس قسم کے قواعد سے شے کے خریدنے میں تو عموماً کچھ وقت نہ ہوگی لیکن اُس کو ناجائز کاموں کے لئے مخفی طور پر بغیر اخذ ہونیکے استعمال کرنا مشکل ہو جائے گا +

اس مسئلہ کی کوئی حد ہونی چاہئے کہ لوگوں کی ذاتی بدچلنی میں مداخلت ناجائز ہے۔ اور انکار و کنایا ان کے صلہ میں سزا دینا جائز نہیں۔ کیونکہ حفظ مائتدیم کے طور پر انسداد جرایم کا تدارک کرنا سوسائٹی پر واجب ہے۔ یوں تو شراب خوری سے باز رکھنے کے لئے قانونی مداخلت جائز نہیں لیکن میری دانش میں اس شخص کی نسبت بعض قیود مقرر کرنا جو حالت بدستی میں دوسروں پر تشدد کرنے کا مجرم ہو چکا ہو عین مناسب ہے۔ اگر وہ ایک بار سے زیادہ حالت سرشاری میں ٹپکھا جائے تو اسے سخت سزا دینا چاہئے جو شخص حالت بدستی میں دوسروں کو ایذا پہناتا ہے اس کا نشہ پینا ایک قسم کا فعل ہے جس سے دوسروں کا نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح سے بیکار رہنے کی قانوناً سزا دینا سوائے اس حالت کے کہ جب ایک شخص لوگوں کی خیرات پر زندگی بسر کرتا ہو یا بیکار رہنے سے کسی قسم کی عہد شکنی کا مجرم ہو ظلم ہے۔ اگر کوئی اپنی بیکاری سے یا ایسے باعث سے جس کا رفع کرنا ممکن ہو ان فرائض کے ادا کرنے سے قاصر ہو جو دوسروں کے فائدہ کے لئے اُسپر واجب الادا ہیں۔ مثلاً اپنے بال بچوں کی پرورش نہ کر سکے۔ تو اسے ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے محنت کرنے پر مجبور کرنا زیادہ ٹھیکہ کوئی اور طریقہ اس قسم کا نہ ہو جس سے کہ اسے اپنے فرائض کے ادا کرنے پر مائل کیا جائے (ظلم نہیں)۔

ایسے بہت سے افعال بھی ہیں جن سے فاعل کبھی نقصان پہنچتا ہے۔
 اور جبکو محضی طور پر کرنے کی قانوناً مانعت بھی نہیں۔ مگر انہیں کاموں کو اگر
 کوئی شخص سبکے سامنے کھلے طور پر کرے تو خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے۔
 مثلاً اس قسم کے فحش کام جن سے فاعل کی بے شرمی و بے حیائی ثابت
 ہو۔ انکی منہرا واجب ہے کیونکہ ان سے دوسروں پر بھی اثر ہوتا ہے + ان
 کچھ خیالات ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انکا ہمارے مضمون سے
 ایک بعید تعلق ہے۔ علاوہ بریں بعض فعل جو فی نفسہ بُرے نہیں ہیں۔
 جن سے نہ فاعل اور نہ کسی اور کا نقصان تصور ہے اس قسم کے بھی ہیں کہ
 انکو سب کے سامنے کرنا ناجائز ہے +

ایک اور سوال ہے جس کا جواب ہمیں اصول متذکرہ کے مطابق دینا
 چاہئے۔ افعال ذاتی میں سے بُرے کاموں کی نسبت (جس کا روکنا یا چمک
 صلہ میں منہرا دینا اسلئے نا واجب ہے کہ اُن سے صرف فاعل ہی کو نقصان
 پہنچتا ہے۔ اور جن میں مداخلت کرنی آزادی کے لحاظ سے مناسب نہیں)
 یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب ایک خاص فعل کی فاعل کو جائز طور پر گناہی
 چل رہے تو کیا دوسروں کو بھی اس امر کی اجازت چل ہو نی چاہئے
 کہ وہ لوگوں کو اس فعل کی ترغیب دیں؟ اس سوال کا جواب کچھ آسان
 نہیں ہے۔ ہر شخص دوسرے کو ایک خاص فعل کی ترغیب دیتا ہے اسکا

یہ فعل ایسا نہیں جس کا اثر صرف اسی کی ذات پر محدود ہو۔ ترغیب دینا یا نصیحت کرنی یہ ایسے فعل ہیں جن کے اثر متعدی بہ غیر میں اور اس لئے یہ افعال سوسائٹی کے زیر اختیار ہونے چاہئیں۔ لیکن تھوڑے غور سے ہمیں معلوم ہوگا کہ اگرچہ اس قسم کے معاملات شخصی آزادی کی حد میں نہیں آتے تاہم جن دلائل شخصی آزادی کا اصول قائم ہے انہیں کے لحاظ سے ان معاملات میں آزادی دینا بھی واجب ہے۔ اگر ذاتی معاملات میں ہر ایک کو یہ اجازت ہو کہ وہ بوناسب سمجھے کرے اور خود نفع و نقصان کا متحمل ہو تو ہر ایک کو اس امر کی بھی آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ دوسرے اسی قسم کے معاملات میں مشورہ بھی کر لے۔ ایک دوسرے کی رائے سننے کسی کو کچھ صلاح دے کسی سے کچھ مشورہ لے + جب ہمیں یہ اجازت ہے کہ ہم ایک خاص فعل کریں تو ہمیں یہ بھی اختیار ہونا چاہئے کہ ہم دوسروں کو اس کام کے کرنے کی صلاح دے سکیں + لیکن وقت اس حالت میں ہے کہ جب صلاح دینے والا اپنی نصیحت سے ذاتی فائدہ اٹھائے اور جس فعل کو سوسائٹی اور سلطنت برا سمجھتی ہے اسکو لوگوں میں پھیلانے سے معیشت یا اور کسی طرح کا منافع ذاتی حاصل کرے۔ پھر بے شک اس معاملہ کی ایک نئی اور پیچیدہ صورت ہو جائیگی۔ پھر ہم کو غور کرنا ہوگا کہ اگر ایسے شخصوں کو آزادی دیجائے تو ایک فرقہ قائم ہو جائے گا۔ جن کو مطالب

اغراض ان امور کے نقیض ہونگے۔ جو باعث بہبودی عام سمجھے جاتے ہیں۔ اور جن کی معاش ایسے کاموں پر ہی منحصر ہے۔ جنہیں صلاح و فلاح عام کا برہم زن کہنا چاہئے + سوال یہ ہے کہ اس حالت میں سیونٹی کو دخل دینا چاہئے یا نہیں۔ مثلاً زنا کاری و قمار بازی کی اجازت تو لوگوں کو ہونی چاہئے۔ لیکن کیا لوگوں کو اتنی آزادی بھی ہونی چاہئے۔ کہ وہ قمار بازی یا زنا کاری کے لئے ایک مکان مستر کریں۔ اور لوگوں کو اُس میں جمع کریں + جن دواصولوں کا ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے اُن میں سے دونوں کا اطلاق اس معاملہ پر کسی حد تک ہو سکتا ہے۔ دونوں پہلوؤں پر دلائل پیش کی جاسکتی ہیں + آزادی کے حق میں یہ دلیل بیان ہو سکتی ہے کہ جو فعل اصل میں جرم نہیں ہے۔ اُسکو ذریعہ حصول معاش بنانا یا اُس سے ذاتی فائدہ حاصل کرنا اُسے جرم نہیں بنا دیتا۔ اگر ایک خاص حالت میں کسی فعل کی اجازت یا ممانعت ہو تو سب حالتوں میں اُسکی اجازت یا ممانعت ہونی چاہئے + علاوہ برین اگر وہ اصول جن کے ثابت کرنے کے لئے ہم نے اس قدر خامہ فرسائی کی ہے صحیح ہیں تو سوسائٹی کو (من الجماعت) یہ خست یا نہیں کہ وہ افعال ذاتی میں سے کسی فعل کو جسکے نتائج فاعل تک ہی محدود نہ ہو تطمعی طور پر مذموم قرار دے۔ جن باتوں کو وہ بُرا سمجھے اُس سے باز رکھنے کے لئے ترغیب دینے کی وہ مجاز ہے۔ لیکن اس فعل پر

آبادہ کرنے کے لئے ترغیب دینا ویسا ہی ہے جیسا اس کام سے باز رکھنے کے لئے درغلانا + سوسائٹی کی رائے میں زنا کاری و قمار بازی کے نتائج بُرے ہیں۔ اگرچہ اسکا اثر صرف فاعل پر ہی ہوتا ہے تاہم سوسائٹی کو اختیار ہے کہ وہ لوگوں کو ان کاموں سے بچے رہنے کے لئے ترغیب دے لیکن ویسی اور وٹکو بھی اجازت چاہئے کہ وہ لوگوں کو ان کاموں میں پھنسنے کے لئے درغلانیں + برخلاف اسکے لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ سوسائٹی یا گورنمنٹ اس امر کی مجاز نہیں کہ تقرر سنز یا تدارک انسداد جرم کے لئے حکماً اس امر کا فیصلہ کر دے کہ افعال ذاتی میں سے یہ کام اچھے ہیں۔ اور یہ بُرے۔ تاہم سوسائٹی کو اختیار ہے کہ وہ بعض افعال کے نیک و بد ہونے کو مشتبہ سمجھو + اسکے تسلیم کرنے کے بعد ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اگر سلطنت یا سوسائٹی لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریک و ترغیب سے بچانے کی کوشش کرے جن کے صلاح و مشورہ بے غرضانہ نہیں ہو سکتے۔ (جسکے ذاتی مطالب و اغراض ایک ایسے کام کی اعانت سے حاصل ہوتے ہیں جسے سلطنت تو بُرا سمجھتی ہے لیکن جسے وہ علانیہ طور پر ذاتی اغراض کے لئے ترقی دینا چاہتے ہیں) تو بُرا نہیں ہے + یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سوسائٹی کے اس انتظام سے کسی طرح کا نقصان متصور نہیں۔ کہ لوگ جہاں تک ممکن ہو اپنی مرضی سے اور اپنے سید : پرست : بن کر بعض باتوں کو پسند یا

نا پسند کریں۔ خواہ اُس میں انکی دانائی پائی جائے یا بیوقوفی۔ اور حتی الوسع ان پر خود غرضی صلاح کاروں کے بہکانے کا اثر نہ ہونے پائے۔ اسلئے گو وہ قوانین جو بعض قسم کی کھینڈوں کے مانعیت کے لئے جاری کئے جائیں نا جائز ہیں اور اگرچہ سب لوگوں کو اختیار ہونا چاہئے کہ وہ اپنے گھر میں یا اپنے دوستوں کے گھر نہیں یا کسی ایسی جگہ میں جو انہوں نے اپنے جذبہ سے مقرر کی ہو۔ اور جہاں حضرت ممبروں کو یا ان کے دوستوں کو ہی آنے کی اجازت ہو جو اکھیلین۔ تاہم قمار خانوں کے کھولنے کی اجازت جس میں عام لوگ بلا روک ٹوک آسکیں نہیں ہونی چاہئے۔ یہ سچ ہے کہ اس قسم کی مانعیت سے کچھ اثر پیدا نہیں ہوتا اور افسران پولیس کو خواہ کتنے ہی ظالمانہ و جاہلانہ اختیارات دیئے جائیں قمار خانے کئی بہانوں سے رکھے جاتے ہیں۔ لیکن قمار بازوں کو اس بات پر مجبور کرنا کچھ مشکل نہیں۔ کہ وہ اپنے سب کاروبار پوشیدہ طور پر جاری رکھیں۔ تاکہ کسی کو سوائے ان لوگوں کے جو ایسے مقامات کے تلاشی ہوں اس معاملہ کی خبر ہی نہ ہو۔ اس سے زیادہ سوسائٹی کی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ یہ دلائل جو میں نے ابھی بیان کئے ہیں بہت معقول ہیں۔ پھر بھی مجھے اس بات کے تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ آیا ان دلائل سے سعین کو سزا دینا اور مجرم کو رہا کر دینا سببی برائصاف ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ یعنی کشتوں کو جو برائے

کرنا یا قید کرنا اور زانی سے باز پرس نہ کرنی قمار باز کو سزا دینی لیکن اس شخص کو جو قمار خانہ رکھے مستوجب سزا قرار دینا مناسب ہے یا نہیں + خرید و فروخت کے معاملات میں انہیں دلائل کے رو سے دخل اندازی کرنی نامناسب ہے۔ ممکن ہو کہ جو چیز خریدی جائے یا بیچی جائے اعتدال سے زیادہ لوگوں کے استعمال میں آئے۔ اور بیچنے والوں کا اسی ہدف ہے کہ لوگوں کو اس افراط کی جانب مائل کریں۔ لیکن اس دلیل سے (میکلا) کا مفید ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگرچہ شراب فروشوں کا اس میں فائدہ ہے کہ لوگ شراب کو بڑے طور سے اور حد اعتدال سے زیادہ استعمال میں لائیں۔ تاہم شراب کے جائز استعمال کے لئے فروشوں کا ہونا ضروری ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اتفاقاً وہ پرہیزگاری کے دور کرنے اور مے خوری کے پھیلانے میں شراب فروشوں کا فائدہ ہے۔ اور اس لئے سلطنت مجاز ہو کہ بعض قیود مقرر کرے اور مے فروشوں سے ضمانتیں طلب کرے۔ لیکن سوائے اس دلیل کے جو ابھی بیان کی گئی کسی اور بنا پر ان لوگوں کو لئے بعض قیود مقرر کرنی یا ان سے ضمانت طلب کرنی انکی جائز آزادی پر دست اندازی کرنی ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ جس مانع سلطنت ان افعال کی اجازت دیتی ہے جنہیں صرف یہ فعل کے حق میں ہی نہایت مقرر سمجھتی ہے۔

تو یہ مناسب ہی یا نہیں کہ لوگوں کو انہیں کاموں سے باز رکھنے کے لئے کسی نہ کسی طرح کنایہ مانعت کرے۔ مثلاً یہ مناسب ہی یا نہیں کہ شراب زیادہ گران کر دی جائے یا شراب خانوں کی تعداد محدود کرنے سے شراب کی خرید میں دقت پیدا کی جائے۔ اس سوال کا جواب مختلف امور کے لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے۔ مسکرات پر اس غرض سے محصول لگانا کہ ہر ایک آسانی سے شراب نہ خرید سکے کسی حد تک ایسا ہی ہے جیسا کہ فروخت منشیات کی مانعت لگی کر دینا۔ یہ دونوں ایک ہی اصول پر مبنی ہیں۔ اگر فرق ہو تو صرف اتنا کہ حالت اول میں اتنی سخت بندش نہیں جتنی کہ دوسری حالت میں ہو۔ پس عاصف ظاہر ہے کہ اگر صورت اول قرین انصاف ہو سکتی ہو تو صورت دوم بھی جائز ہے ورنہ دونوں نہیں۔ قیمت گران کر دینی ان لوگوں کو خریدنے سے منع کرنا جو جن کی آمدنی اتنی نہیں کہ اُس گران نرخ پر وہ خرید سکیں اور جسکی حیثیت اس قابل ہے اُن پر ایک خاص قسم کے مذاق کے لئے تادان مقرر کرتا ہے۔ آمدنی میں سے خرچ ضروریات کو وضع کرنے کے بعد جو باقی رہے اُسکو جس طرح جی چاہے صرف کرنا انسان کا ایک ذاتی معاملہ ہے۔ تفریح کا خاص طریقہ اختیار کرنا ہی ایک ایسا معاملہ ہے جس سے دوسروں پر کسی طرح کا اثر نہیں پہنچتا۔ ان باتوں کا فیصلہ

افراد کی عقل و فکر پر ہی موقوف رکھنا چاہئے ۔ ان خیالات کی بادی نظر
یہ معلوم ہو گا کہ ترقی محال کیلئے بھی مسکرات پر ہی خصوصیت کے ساتھ محصول
لگانا ناجائز ہے۔ لیکن یہ یہ یاد رہے کہ ترقی آمدنی سلطنت کے لئے محصول
لگانا ایک امر ناگزیر ہوگا۔ بہت سے ملکوں میں یہ ضروری ہو کہ بہت سا
روپیہ صریحاً محصول کے طور سے وصول نہ ہو بلکہ خزانہ میں اس طرح سے
داخل ہو کہ لوگوں کو کچھ معلوم ہی نہ ہو ۔ پس اشیاء کے استعمال پر
تاوان مقرر کر دینا سلطنت کے لئے لازم و لابد ہے۔ جس کا نتیجہ یہ
ہو گا کہ بعض شخص ان اشیاء کو بالکل استعمال نہ کر سکیں گے ۔ اس لئے
محصول لگانے سے پہلے یہ سوچ لینا واجب ہو کہ کن چیزوں کی لوگوں
کو سب کم ضرورت ہے۔ اور ان چیزوں پر محصول لگانا جن کا حد اعتدال
سے زیادہ استعمال کرنا حقیقت میں مضر ہو اور یہی بہتر ہے۔ پس مسکرات
پر اس حد تک محصول لگانا کہ جو سلطنت کے زیادہ سے زیادہ اخراجات کے
لئے کافی ہو اور اسی نہیں بلکہ نہایت مناسب ہوگا۔

اس سوال کا جواب کہ ان اشیاء کی فروخت کے لئے چند شخص
ہی معتمد ہونے چاہئیں جن کے سوا کسی اور کو بیچنے کا اختیار نہ ہو۔ کئی
طرح سے دیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ قید مختلف اغراض سے مقرر کی جاسکتی
ہوگا۔ سب مقامات جہاں عوام کی آمد و رفت ہو وزیر خاٹ پورس

ہونے چاہئیں ان مقامات کی حفاظت جہاں ارتکاب جرایم کا اندیشہ ہو اور بھی ضروری ہو۔ اسلئے یہ مناسب ہو کہ سکرآت کی فروخت کا اختیار (خصوصاً جب کہ خریدنے والے فروخت کی جگہ ہی ان چیزوں کو استعمال کریں) چند شخصوں کو ہی جن کی نیک چلنی مشہور ہو یا جن کے چال چلن کی ضمانت لیا جاسکے دیا جاسکے + یہ بھی واجب ہو کہ میخانوں کے ایک وقت مقررہ پر کھلنے اور بند ہو جانے کی نسبت ضروریات حفاظت عامہ قواعد مستعمل ہوں۔ اور اگر میفروش کی غفلت یا نالائقی سے بار بار حفاظت عامہ میں خلل پہنچے یا میخانہ ارتکاب جرایم کی سازش کا مقام بن جائے تو اس شخص سے شراب فروشی کا اختیار چھین لیا جائے + اس سے زیادہ قیود مقرر کرنا میری نسبت میں اصول کے لحاظ سے قرین انصاف نہیں۔ میخانوں کی تعداد کو محدود کرنا اس غرض سے کہ ہر ایک کو آسانی سے شراب بہم پہنچ سکے اور لوگوں کو بے خوری کی ترغیب نہ ہو قرین انصاف نہیں۔ کیونکہ اس طرح چند آدمیوں کی بے اعتدالی کے خوف سے بہت سون کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے + علاوہ بریں یہ حالت صرف اُس قسم کی سوسائٹی کے لئے شایان ہو جس میں پیشہ ورون کی جماعت نااتون اور وحشیوں کا ایک گروہ خیال کیجائے اور جہاں اسے صاف طور پر

ایسا سلوک ہو جیسا کہ بچوں سے ہوتا ہے اور سوسائٹی انہیں آئندہ
 حقوق آزادی کے مستحق بنانے کے لئے اپنی زیر نگرانی رکھے۔ اور اس
 غرض سے کہ اُن میں نیک و بد کی تمیز پیدا ہو جو بڑے کاموں سے بچتی
 رہے۔ کسی آزاد ملک میں بھی مزدوروں اور مختور دن کی جماعت
 سے اس اصول پر سلوک کرنے کا دعویٰ نہیں کیا جاتا اور جب تک کہ
 انہیں آزاد بنانے اور اُن پر آزادانہ طور پر حکومت کرنے کی تمام گوشیشیں
 عمل میں نہ آجائیں اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اُن پر اسی طرح کی
 حکومت ہو سکتی ہے جیسے بچوں پر اس وقت تک کوئی شخص جو آزادی
 کی قدر کرتا ہے اُن سے اس قسم کا سلوک جاری رکھنا پسند نہ کرے گا۔
 اس پچھلی بات کے بیان سے ہی معلوم ہو گا کہ یہ خیال کرنا بالکل لغو
 اور فضول ہے کہ کبھی کسی حالت میں بھی حکموں کو آزاد بنانے اور اُن پر
 آزادانہ طور سے حکومت کرنے کی سب کو ششیں عمل میں آچکی ہیں۔
 شراب کے معاملہ میں قواعد مذکورہ بالا سے زیادہ قیود مقرر کرنی شخصی
 حکومت میں جس کی غرض لوگوں کی حالت کو سدھارنا ہو) روا رکھی جاسکتی
 ہیں۔ ہمارے ملک کا آزادانہ طرز حکومت ان اختیارات کے عمل میں
 لاپے کی اجازت نہیں دیتا جس کے ذریعہ سے لوگوں کو ان قیود کا خیال
 رکھنے پر مجبور کرنا اور انہیں ایک طرح کی اخلاقی تعلیم دینا ممکن ہو اس

قسم کے قواعد مقرر کرنے کا خیال یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے مانجے مروجہ قانون میں بہت سی مناقص باتیں پائی جاتی ہیں آزادانہ دہر حکومت میں لوگ شخصی حکومت کے بہت سے اصول پھیلا کر چاہتے ہیں جس مضمون کے ابتدائی حصہ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ذاتی معاملات میں جن کا اثر دوسروں پر نہ ہو شخصی آزادی روادار کھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر چیڈرف اور اس قسم کے معاملات میں جن کا اثر صرف انہیں تک محدود ہو بعض کاموں کے کرنے کا اتفاق کر لین تو جائز ہے + اگر سب لوگوں کا ارادہ جنہوں نے اتفاق کیا ہے قائم رہے تو کچھ وقت نہیں ہی لیکن چونکہ انکا ارادہ ان معاملات میں ہی جن میں صرف انہیں کی ذات کا تعلق ہو بدل سکتا ہے۔ اسلئے واجب ہے کہ وہ پہلے سے ایک عہد نامہ کر لیں۔ جب عہد نامہ ہو جائے تو یہ مناسب ہے کہ عموماً وہ سب اپنے عہد پر قائم رہیں + لیکن ہر ایک ملک کے قانون میں اس قاعدہ کے بعض مستثنیات بھی ہیں۔ صرف اس قسم کے معاہدہ ہی منع نہیں ہیں جن سے ایک تیسرے شخص کے حقوق میں خلل آتا ہو۔ بلکہ بعض اوقات شرائط عہد نامہ کا متعاہدین کے ہی حق میں مضر ہونا انہیں اپنا عہد پورا کرنے سے بری الذمہ کر دیتا ہے + مثلاً ہمارے ملک میں اور بہت سے جذب ملکوں میں وہ عہد نامہ جس سے ایک شخص اپنے آپ کو

غلام کے طور پر بیچ دے یا کسی شخص کو اس امر کا اختیار دے کہ وہ جب چاہے اُسے بیچ دے۔ ناجائز نہ ہے۔ متعاہدین کو اُسکے پورا کرنے کے لئے نہ تو قانون اور نہ رائے جمہور مجبور کرتی ہے + اپنی زندگی کو برصغیر خود دوسرے کے ہاتھ میں بیچ دینے کے اختیار کو ناجائز قرار دینے کی وجہ صاف ظاہر ہے + جو کام ایک شخص اپنی رضا مندی سے کرے۔ (بشرطیکہ اُس سے دوسروں کو ایذا نہ پہنچے) اُس میں دخل نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اُس شخص کی آزادی کا خیال رکھنا مناسب ہے۔ ایک شخص کا برصغیر خود کسی فعل کو پسند کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اُس فعل کا خواہشمند ہے۔ یا بہر حال اُسے وہ فعل ناگوار نہیں + اُسکو اجازت دینی کہ وہ اُس کام کو جس طرح چاہے کر لے۔ اسی میں اُسکا فائدہ ہے + لیکن اپنے تئیں بیچ دینے سے وہ آزادی سے دست بردار ہوتا ہے۔ اور سوائے اپنے تئیں بیچ دینے کو اور سب معاملات میں آزادی فعل سے محروم ہوتا ہے۔ پس وہ اس حالت میں اُس مدعا کو نظر انداز کرتا ہے۔ جس کے لحاظ سے اُسکو خود مختاری دی جاتی ہے یعنی وہ آزاد نہیں رہتا + لوگوں کو اس غرض سے آزادی دینا کہ وہ اپنے آپ کو برباد نہ کرے جس حالت میں چاہیں رکھیں۔ بہت سی دلیلوں سے مناسب ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اپنے تئیں رضا مندی سے غلام بنا دینے کا اختیار

دنیا انہیں دلائل سے نا واجب ثابت ہوتا ہے۔ اصول آزادی یہ نہیں چاہتا کہ کسی شخص کو آزاد نہ رہنے کی آزادی دیجائے۔ آزادی سے مراد ہونے کی اجازت دنیا آزادی دنیا نہیں ہے * ان دلائل کا اطلاق جن کی صحت غلامی کے مسئلہ میں اس قدر صریح و صاف ہے اور بہت سی باتوں پر بھی ہو سکتا ہے۔ انہیں دلائل کے رو سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ کوئی معاہدہ اس قسم کا نہیں ہونا چاہئے جسکی پابندی متعاہدین پر تمام عمر کے لئے لازمی ہو لیکن انسانی زندگی کی ضروریات کے لحاظ سے ہمیں بعض اوقات آزادی سے دست بردار ہونا تو نہیں بلکہ آزادی کی خاص حدود منظور کرنی پڑتی ہیں * اسلئے ان دلائل کے اطلاق کی جوابی بیان کی گئی ہیں ایک حد مقرر ہے * مگر اصول کے رو سے جسکے بموجب ذاتی معاملات میں (جن کا اثر دوسروں پر نہ ہوتا ہو) اتفاق کرنے والوں کو ہر طرح کی آزادی فعل دینا روا ہے یہہی ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ذاتی معاملات میں باہمی معاہدہ کر لیا ہے اختیار ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو شرائط عہد نامہ کے پورا کرنے سے بری کر دیں * علاوہ اسکے کہ متعاہدین اپنی مرضی سے ایک دوسرے کو بری الذمہ کر دینے کے مجاز ہیں کوئی عہد نامہ اس قسم کا نہیں (سوائے انکے جو روپیہ جائد

کے بارہ میں ہوں) جس میں متعاہدین کو شرایہ عہد نامہ کے واپس لے لینے کا اختیار دینا مناسب ہو۔ بیرون ولہم روان ہبلٹ اپنے اس عمدہ مضمون میں جس میں سے میں تھوڑا سا اخذ کر چکا ہوں یہہ رائے بیان کرتے ہیں کہ اُن معاہدوں کا پورا کرنا جن سے ایک شخص اپنے تئیں خاص قسم کے ذاتی تعلقات میں پھنسائے یا خاص قسم کی خدمات بجالانا منظور کرے محدود و مقررہ معاوضے بڑھکر لازمی نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس قسم کے اُس ضروری معاہدہ کے انفساخ کو لئے جسے شادی کہتے ہیں اور جسکی خصوصیت یہہ ہے کہ اگر فریقین باہم خوش نہ ہوں تو اُس معاہدہ کا اصل مدعا ہی سلب ہو جاتا ہے صرف یہہ ہی ضروری ہونا چاہئے کہ فریقین میں سے کوئی اُس معاہدہ سے اپنی تین بری کرنے کی خواہش کھلے طور پر ظاہر کر دے۔ تعلقات گندائی کا مضمون اس قدر ضروری اور پیچیدہ ہے کہ اس پر ایک جملہ معترضہ کے طور پر بحث نہیں ہو سکتی اور میں اس پر صرف اُسی حد تک اپنا خیال ظاہر کرونگا جہاں تک کہ اصول زیر بحث کی توضیح کے لئے ضروری ہو۔ بیرون ہبلٹ کا مضمون مختصر اور عام طور کا تھا اسلئے اُس نے اسی پر اکتفا کی کہ مقدمات پر بحث کئے بغیر صرف اپنا نتیجہ ہی ظاہر کر دے۔ ورنہ وہ بے شک تسلیم کرتا کہ اس سوال کا ایسی سادہ دلیلوں سے

فیصلہ کر دینا جن کا بیان اُس نے کیا ہے مناسب نہیں + جب ایک شخص اپنے وعدوں سے یا برتاؤ سے دوسرے کو اس امر پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اُس سے خاص قسم کی امیدیں رکھے اور اُن امیدوں کے بھروسہ پر ایک خاص طرح کی زندگی اختیار کرے تو اُس شخص پر فریق ثانی کے حق میں نئے فرائض کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگرچہ بعض اس قسم کے امور کا پیدا ہو جانا ممکن ہے جو حلقہ لحاظ سے اُن فرائض کو نظر انداز کرنا مناسب معلوم ہو۔ تاہم انکا بالکل خیال نہ رکھنا کسی حالت میں جائز نہیں سمجھا جاسکتا۔ علاوہ برین اگر متعاہدین کے باہمی تعلق سے اس قسم کے نتائج پیدا ہو جائیں جنکا اثر ایک فریق ثالث پہ بھی ہو۔ اگر اُس تعلق سے فریق ثالث کی ایک خاص حالت ہو گئی ہو یا بحالت شادی فریق ثالث کا وجود ظہور میں آجائے تو متعاہدین کی طرف سے فریق ثالث کے فائدہ کیلئے بعض فرائض کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے + متعاہدین کے تعلق باہمی کے قائم رہنے یا ٹوٹ جانے سے اُن فرائض کے ادا کرنے پر یا بہر حال انکے ایک خاص طور سے ادا کرنے پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے + اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا (اور نہ میں تسلیم کرتا ہوں) کہ فریق نارضا مند کو خواہ کتنی ہی تکلیف ہو ان فرائض کے لحاظ سے معاہدہ کا قائم رکھنا اور شرائط معاہدہ کا پورا کرنا ہر حالت میں واجب ہے۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں

کہ عہد نامہ توڑ دینے سے پہلے ان سب باتوں پر غور کرنی ضروری ہے
 و آن ہمبولٹ کی یہ رائے ہو کہ ان باتوں کے لحاظ سے شرائط عہد نامہ
 کے واپس لینے کی آزادی میں قانوناً کچھ فرق نہیں آنا چاہئے
 میری یہ رائے ہو کہ طلاق دینے کی لوگوں کو قانوناً ویسی ہی اجازت
 رہے جیسی کہ اب ہے۔ اور ان باتوں سے جو اور بیان کی گئی ہیں کچھ
 بہت فرق نہ آئے۔ لیکن میری دہشت میں اسور مذکورہ بالا کو نظر انداز
 کرنے میں اختلافاً یعنی نہ راجحہ اسے بہر اہم احمد بقا نہ ہوگا۔
 ہر ایک کے لئے اس قسم کے فعل پر آمادہ ہونے سے پہلے جس سے دوسرے
 کے مطالب و اغراض پر اتنا اثر پہنچے ان تمام باتوں کا خیال کر لیا واجب
 ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا پورا لحاظ نہیں رکھتا تو قوانین اختلافی کے
 لحاظ سے اس بے انصافی کا وہ جواب دہ ہے۔ میں نے یہ باتیں اس
 غرض سے بیان کی ہیں کہ عام اصول آزادی کی اچھی طرح سے توضیح ہو
 اسلئے نہیں کہ انکا بیان اس خاص سوال کے فیصلہ کے لئے ضروری ہو جس
 پر مجموعہ اس طرح سے بحث کی جاتی ہے کہ گویا بچپن کی یہودی اور مسرت
 کا خیال رکھنا ہر طرح سے ضروری ہو اور باغ آدمیوں کی مسرت کا خیال
 کچھ ہی ضروری نہیں۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ چونکہ کوئی عام اصول مسئلہ موجود

نہیں ہے۔ ایسے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ آزادی ایسے موقعوں پر جہاں
 نہیں دینی چاہیے دیکھائی ہے۔ اور جہاں دینی چاہئے نہیں دیکھائی
 آجکل یورپ میں جن معاملات کو جائز آزادی کا محل سمجھا جاتا ہے اور
 جن میں لوگوں کی مداخلت بہت ناگوار ہے۔ انہیں میں آزادی دینا
 میری رائے میں بالکل نامناسب ہے + ایک شخص اپنے ذاتی معاملات
 میں جو چاہے کرے۔ لیکن جب وہ کسی دوسرے کے نجی کوئی کام کرنا
 تو اسکا یہہ عذر پیش کرنا کہ اس کا کام میری کام ہے اور اسی قسم کی دوسری
 کا طالعہ ہو نا جو اسے ذاتی معاملات میں حاصل ہے۔ ورنہ نہیں +
 اگرچہ سلطنت کو ہر ایک کے ذاتی معاملات میں اسکی آزادی قائم رکھنے
 کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ لیکن جس حالت میں کسی کو دوسروں پر اختیار
 دیے جائیں تو سلطنت کے لئے لازم ہے کہ وہ انکی خود نگہداشت
 اختیارات کو ناجائز نہ پر عمل میں نہ آنے دے۔ خانگی معاملات میں
 جو اختیارات ایک شخص کو دوسرے پر حاصل ہوتے ہیں انکی نگہداشت
 سے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ انہیں معاملات کے حسن انتظام پر
 مسرت انسانی بہت منحصر ہے + لیکن ان میں گورنمنٹ کچھ دخلت
 نہیں کرتی۔ جتنا جبر جو چاہئے کرے + جو بابرانہ اختیارات خاندان
 کو اپنی بیویوں پر حاصل ہیں اس پر ہم کچھ لکھنا نہیں چاہتے کیونکہ ان

نقائص کا یہی علاج ہے۔ کہ بیویوں کے حقوق باقی سب لوگوں کے مساوی کئے جائیں اور قانون انکی محافظت بھی اُسی طرح سے کر دیا جائے اور وہ کی کرتا ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں۔ علاوہ برین جبکہ اس جبر و ظلم کے حامی صاف کہتے ہیں کہ ہم اس بے انصافی کی حمایت کچھ اپنی آزادی قائم رکھنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ اپنا استحکم و جبر حال رکھنے کے لئے۔ تو اس بارہ میں بہت خامہ سرائی فضول ہے۔ جس قسم کا سلوک والدین کا بچوں سے روا رکھا جاتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آزادی کے اصولوں کو نہ سمجھنے کی سلطنت اپنے واجب فرائض ادا نہیں کر سکتی۔ والدین کو ان اختیارات میں جو انہیں بچوں پر حاصل ہیں لوگوں کی مداخلت اس قدر ناگوار ہے۔ کہ گویا اولاد حقیقت میں والدین کا جزو بدن ہی ہے۔ اپنے ذاتی معاملات میں بھی لوگوں کی دس اندازی اتنی ناگوار نہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ لوگ آزادی کی اتنی استعداد نہیں کرتے جتنی استحکم و جبر کی۔ خود آزاد رہنا اتنا نہیں چاہتے جتنا دوسروں پر حکومت کرنا۔ تعلیم ہی کی مثال لے لو۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ رعایا کو ایک خاص درجہ تک تعلیم حاصل کرنے کو لئے مجبور کرنا سلطنت کا فرض ہے۔ مگر ہر ایک اس دعویٰ کے بیان کرنے یا تسلیم کرنے سے ڈرتا ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ والدین کا دلاور آجکل کے قانون و

رواج کے بموجب باپ کا) بہت بڑا فرض ہے کہ ایک شخص کو عدم سے
وجود میں لانے کے بعد۔ اُسے اس قسم کی تعلیم دین کہ جس سے وہ اپنا کام
دنیا میں بخوبی چلا سکے اور ان فرائض سے سبکدوش ہو سکے جو دوسروں
کے فائدہ کے لئے اس پر واجب الادا ہیں۔ لیکن جس حالت میں سب
بالاتفاق مانتے ہیں کہ تعلیم دنیا باپ کا فرض ہے اس ملک میں کوئی بھی
یہ سننا نہیں چاہتا کہ باپ اس فرض کے ادا کرنے کے لئے مجبور کرنا چاہے
چہ چلے کہ اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں ش
کرے اور اخراجات کا خود متحمل ہو۔ مفت کی تعلیم سے فائدہ اٹھانا ہی
اسی کی مرضی پر موقوف کیا جاتا ہے۔ اب تک لوگ اس بات کو نہیں
مانتے کہ اگر کوئی شخص اولاد کی پرورش اور خصوصاً تعلیم و تربیت کو سامان
بہم نہیں پہنچا سکتا۔ تو اُسکا صاحب اولاد دنیا ایک اخلاقی حیم ہے جس
سے بچہ کا اور سوسائٹی کا نقصان ہوتا ہے۔ اور اگر والدین تعلیم و تربیت
کا فرض ادا نہ کریں۔ تو سلطنت کے لئے واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو
انہیں ذاتی مصارف سے ان فرائض کے ادا کرنے پر مجبور کرے۔
اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ تمام رعایا کو تعلیم و تربیت کے لئے مجبور کرنے
کا اختیار گورنمنٹ کو ہے تو اس امر کے فیصلہ میں کچھ دقت پیش نہ آئیگی
کہ وہ تعلیم کس طرح کی ہو اور کس طریقے سے دی جائے۔ اب کل ان

فروعات پر بڑے جوش سے بحث ہوتی ہے۔ اور اس میں رائے دینے والوں کے کئی فریق ہیں جو محنت و وقت اشاعت تعلیم میں صرف ہونا چاہتے ہیں وہ ان فضول باتوں میں ضیاع ہوتا ہے + اگر گورنمنٹ ارادہ کرے کہ ہر ایک بچہ کو تحصیل تعلیم پر مجبور کیا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک خاص قسم کی تعلیم کے سامان ہی ہتیا کر دے + یہ اختیار والدین کو ہی دینا چاہئے۔ کہ بچوں کو کس جگہ اور کس طرح تعلیم دی جائے۔ گورنمنٹ کی طرف سے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ غریب بچوں کی تعلیم کی فیس ادا کر دینے میں مدد ملے۔ اور یتیموں اور مفلسوں کے تمام اخراجات ہتیا جائیں + بے شک گورنمنٹ کا اپنی مرضی کے مطابق سب کو خاص طرح کی تعلیم دینا خالی از اعتراض نہیں۔ لیکن جو معقول اعتراض گورنمنٹ کی طرف سے طرز تعلیم کی ہدایت کی نسبت ہو سکتا ہے وہ اس امر پر عاید نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ لوگوں کو کسی نہ کسی طرح کی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کرے ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے + میں اس بات کا بہت مخالف ہوں کہ قوم کی تعلیم کا ایک حصہ کثیر سلطنت کے ہاتھ میں ہو یعنی جس طرح کی تعلیم سلطنت چاہے اُنکو دے۔ جن دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حریت طبعی مخالف رائے و اختلاف اوضاع و اطوار کا قیام ضروری ہے۔ انہیں سے تعلیم کے مختلف طریقوں کا جاری رہنا بھی

ضروری ثابت ہوتا ہے + سلطنت کا اپنی مرضی کے موافق ایک خاص طرح کی تعلیم دنیا لوگوں کے اوضاع و احوال کو ایک ہی سانچے میں ڈھالنے کا ذریعہ ہے۔ اور چونکہ گورنمنٹ لوگوں کو اُس سانچے میں ڈالنا چاہیگی جو سلطنت کے زور آور حصہ کو منظور ہو (وہ زور آور حصہ خواہ ایک مطلق العنان پادشاہ پر ہی محدود ہو خواہ پادریوں کے فرقہ یا ریسوں اور ولتمنڈن کی جماعت یا نسل موجودہ کے گروہ کثیر پر مشتمل ہو)۔ تو جس قدر گورنمنٹ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگی اُسی قدر لوگوں کے دلوں پر ایک قسم کا تسلط قائم ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ اُن لوگوں پر بحالت اسخواف و گریز جبر کرنا قانوناً بھی جائز ہو جائیگا + اگر ایک خاص طریقہ تعلیم جس کی ترمیم و تنسیخ گورنمنٹ کے اختیار میں ہو جاری ہو۔ تو اس سے یہ غرض ہونی چاہئے کہ کئی طریقوں میں سے اس ایک کا بھی تجربہ کیا جائے۔ اور اگر باقی کے سب طریقے ناقص ہوں تو یہ طریقہ جو گورنمنٹ کی طرف سے جاری ہو لوگوں کے لئے ایک نمونہ و معیار کے طور پر ہو۔ تاکہ اوروں کو اُسکی پیروی کا موقع ملے۔ البتہ وہ سوسائٹی اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے جس کی حالت ایسی پست ہو کہ جب تک گورنمنٹ خود تعلیم کا ذمہ نہ اٹھائے وہ از خود نہ تو مدرسہ قائم کر سکے اور نہ اُنکے قائم کرنے پر آمادہ ہو۔ اس حالت میں البتہ گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ

مدرسوں اور یونیورسٹیوں کا کام اپنے ذمہ لے۔ کیونکہ تعلیم سے محروم رکھنے کی نسبت سلطنت کا اپنی مرضی سے خاص طرح کی تعلیم دینا بہتر ہو۔ اسی طرح سے حرفت و صنعت یا تجارت کے کارخانہ قائم کرنے کا ذمہ اٹھانا ایسے ملکوں میں جہاں لوگ خود ان کاموں کو اپنی اولوالعزلی سے نہ کر سکیں گورنمنٹ کے لئے واجب ہوگا۔ لیکن اگر کسی ملک میں ایسے شخصوں کی کافی تعداد موجود ہے جو زیر نگرانی گورنمنٹ تعلیم کے سامان بہم پہنچا سکتے ہیں تو وہی شخص اس قابل ہونگے کہ وہ گورنمنٹ کی مدد یا نگرانی کے بغیر قوم کی ضروریات کے مطابق تعلیم دین چسں حالت میں گورنمنٹ یہ قانون جاری کر دے کہ سب کے لئے تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔ اور مفلسوں اور غریبوں کے لئے اخراجات تعلیم اپنے پاس سے دے۔ تو ان لوگوں کو جو قومی تعلیم کا ذمہ اٹھانینگے اخراجات ضروری کے لئے کافی وہیم پہنچ جائیگا۔ اور بہت سے لوگ اس قسم کے مل جائینگے جو قومی تعلیم کا بیڑا اٹھا سکیں۔

قانون کے ذریعہ سے سب لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کرنے کا ذریعہ صرف یہی ہے۔ کہ سب بچوں کے لئے چند امتحانات مقرر کئے جائیں جن میں وہ چھوٹی عمر سے شامل ہونے لگیں۔ ہر ایک بچہ کا ایک خاص عمر میں اس غرض سے امتحان لیا جائے

کہ آیا وہ لکھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی بچہ لکھ پڑھ نہ سکے تو باپ پر بشرطیکہ وہ ایک معقول غز پیش نہ کر سکے کسی قدر جرمانہ کیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو وہ جرمانہ اُس کی مزدوری سے وصول کیا جائے اور بچہ کو باپ کے خرچ پر مدرسہ میں بٹھلایا جائے + امتحان کو لئے مضامین ہر سال بڑا دیئے جائیں تاکہ سب لوگوں کے لئے ایک خاص حد تک تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا اور انہیں یاد رکھنا ضروری ہو۔ لازمی ہو + اس ادنیٰ امتحان کے علاوہ جس میں شامل ہونا سب کے لئے لازمی ہو اور مضامین میں اس قسم کے امتحان ہی ہونے چاہئیں جن میں شامل ہونا یا نہ ہونا لوگوں کے لئے ایک اختیاری امر ہو۔

ان امتحانوں میں جو لوگ ایک خاص درجہ تک کمال ظاہر کریں انہیں سند اتبہی ملنی چاہئیں + اگر ہم یہ چاہیں کہ گورنمنٹ ان ذریعوں سے لوگوں کی راپوں کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے نہ پائے تو اعلیٰ امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے امیدواروں کو صرف واقعات اور علوم یقینی کی واقفیت ہی طلب کی جائے + زبان دانی کا امتحان ضروری ہی ہو کیونکہ زبانوں سے واقفیت حاصل کرنا حصول علوم کا ذریعہ ہے۔ دینیات اور پوٹینکس ایسے مضامین ہیں جن کے مسائل پر ہمیشہ لوگوں کا اختلاف رہتا ہے۔ امتحانات اس طرح

ہونے چاہئیں کہ ایسے مضامین میں امیدواروں سے خاص اپون
یا سائل کے صحیح یا غلط ہونے کی نسبت سوال نہ کیا جائے۔ بلکہ
انکا صرف ایسی باتوں سے واقف ہونا ضروری سمجھا جائے کہ اس
قسم کی رائیں فلان فلاسفہ یا مصنف یا فلان فریق کی ہیں + اس
طریقے سے آئندہ نسل کے لوگ سائل متنازعہ میں زمانہ حال کے
لوگوں کی نسبت کچھ بُری نہیں ہونگی۔ خواہ وہ چرچ کی پارٹی میں
شامل ہوں خواہ فریق مخالف کی رکن ہوں۔ جیسے وہ اب ہیں ویسے
ہی رہیں گے۔ گورنمنٹ کو صرف اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ
تعلیم یافتہ ہو جائیں خواہ انہیں سچ کی پارٹی کے اصولوں کی
تلقین ہو خواہ فریق مخالف کے سائل کی + اگر لڑکے کو والدین
چاہیں کہ اُنکے بچہ کو مذہبی تعلیم ہی اُسی مدرسہ میں ہو جہاں باقی کی
تعلیم ہوتی ہو تو کوئی امر اس بات کا مانع نہیں ہونا چاہئے +
گورنمنٹ کی یہہ کوشش کہ لوگوں کی رائے سائل متنازعہ میں ایک
خاص طرف مائل ہو بہت بُری ہے۔ لیکن اس امر کے دریافت
کرنے کی کوشش کرنا کہ آیا ایک شخص اس درجہ کا علم رکھتا ہو
یا نہیں جس سے اُسکی رائے ہر ایک معاملہ میں قابل توجہ ہو گورنمنٹ
کے لئے واجب ہو اور اگر کسی شخص میں اس قسم کی لیاقت ہو تو

امتحانات کے بعد سندت کے ذریعہ سے اسکی تصدیق کرنی بھی لازم ہے * علم فلسفہ کا طالب علم اگر لوگ * اور کینٹ کی راویوں سے واقف ہو جائے۔ اور امتحان کے ذریعہ سے اپنی علمیت کی تصدیق کرا سکے تو بہ نسبت ناواقف رہنے کے بہتر ہی خواہ ان لوگوں میں سے کسی ایک کی رائے کو وہ تسلیم کرے۔ خواہ دونوں کو مسائل کو نہ مانے * دہریہ کا اصول دین عیسوی میں امتحان لینا کسی طرح سے قابل اعتراض نہیں۔ بشرطیکہ اس سے یہ نہ پوچھا جائے کہ آیا وہ ان مسائل میں اعتقاد رکھتا ہے یا نہیں * مگر میری رائے میں اعلیٰ درجہ کے علوم کے امتحانات بالکل اختیاری ہونے چاہئیں۔

فٹ نوٹ * جان لوگ انگلستان کا ایک مشہور فلاسفر جو ۱۶۳۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۰۱ء میں مر گیا۔ یہ انگلستان میں ان فلاسفروں کا سرگروہ تھا جو مقام معلومات انسانی کی بنا (کیا ذہنی اور کیا خارجی) تجربہ پر رکھتے ہیں اور اسی معلومات ذہنی کا وجود نہیں مانتے جو بغیر تجربہ کے ہو پیدایش کے ساتھ ہی حاصل ہوں * مترجم

فٹ نوٹ * ایمپتھول کینٹ۔ جرمنی کا ایک مشہور فلاسفر ہے۔ اسکے مسائل لوگ کے مسائل سے کسی قدر متضاد تھے۔ یہ فرقہ انقائہ کا سرگروہ تھا۔ اسکی رائے میں عقل انسانی کئی معلومات بغیر کسی قسم کے تجربہ کے حاصل ہوئی ہیں بلکہ اس نے یہاں تک بیان کیا ہے۔ کہ قوت مد کے ہر ایک فعل میں جو معلومات خارجی یا ذہنی سے متعلق ہو اس قسم کی معلومات کا وجود لازمی ہے جو بغیر تجربہ کے حاصل ہوئے ہیں۔ اور جو عقل انسانی کی ذات سے لازم و لازم کی نسبت رکھتی ہیں ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۴۷ء میں مر گیا * مترجم

گوئنت کو یہ اختیار دینا کہ وہ بعض شخصوں کو جنہوں نے یہ اعلیٰ امتحانات پاس نہ کئے ہوں کسی پروفیشن میں داخل نہ ہونے دے ہرگز مناسب نہیں۔ میسر ہی دہشت میں مدرسہ کے عہدہ کیلئے ہی کسی خاص قسم کے اعلیٰ امتحانات کی قید نہیں ہونی چاہئے اور میں ولیم وان ہمبولٹ کی اس رائے سے بالکل اتفاق کرتا ہوں کہ ڈگری کو پلویا (سندات) جن سے ایک شخص کی علمی ایاقیت یا کسی فن کے کمال کی تصدیق ہوتی ہو ان لوگوں کو ملین جو امتحانات مقررہ میں شامل ہوں اور کامیابی حاصل کریں۔ لیکن کسی عہدہ کے امیدواروں یا کسی فن کے ختمیہ کرنے والوں میں سے ان لوگوں کو جنکے پاس یہ سندرات موجود ہوں اور وہ انکی نسبت صرف اتنا ہی مستزاد فائدہ حاصل ہونا چاہئے کہ انکی ایاقیت کی تصدیق بہت قابل اہتبار ہو۔

آزادی کے اصول کو نہ سمجھنے سے صرف یہی نقصان نہیں کہ دربارہ تعلیم اولاد کو حق میں بعض فرائض کا ادا کرنا والدین کا اخلاقی فرض نہیں سمجھا جاتا۔ اور قانوناً انکو مجبور نہیں کیا جاتا (دران حالیکہ اخلاقاً مجبور کرنیکی ایک معقول وجہ ہوتی ہے)۔ اور قانوناً مجبور کرنا یہی بہت سی حالتوں میں کہنی وجوہات سے جائز ہے بلکہ اور بہت سی باتوں میں یہی والدین کے فرائض کی توضیح نہیں کہ جاتی + ایک شخص کو عدم سے وجود میں لانا ہی بڑی ذمہ داری کا کام ہے +

اس ذمہ داری کا اٹھانا۔ یعنی ایک شخص کو زندگی عطا کرنی (خود) وہ رنج و کلفت سے بھری ہو یا آرام و راحت (اس حالت میں کہ جب معمولی سامان آرام و راحت کے اُس کے لئے ہتھیانہ ہوں اُس شخص کو نقصان پہنچا نہ ہو۔ جس ملک میں آبادی بکثرت ہو یا کثرت آبادی کا اندیشہ ہو وہاں بہت تھوڑی تعداد سے زیادہ اولاد پیدا کرنا جس سے معمول کی تعداد بڑھ جائیگی اور اُس کے روزیہ میں منسرق آجائیگا۔ مزدوری پیشہ لوگوں کو بہت نقصان پہنچا نہ ہو۔ اور انکا قصور وار نہ ہو۔ وہ قوانین سلطنت کے جائز اختیارات کے مطابق ہی وضع کئے گئے ہیں جنکے رو سے بعض ممالک یورپ میں شادی کرنی اُس وقت تک منع ہے جب تک کہ فریقین بیہ نہ ثابت کر سکیں کہ جائداد اور روپیہ کے لحاظ سے اُنکی حیثیت اس قسم کی ہے کہ وہ ایک گنبد کے ضروری اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ ان قوانین کا جاری کرنا قرین مصلحت ہو یا نہ ہو (کیونکہ اس بات کا فیصلہ مختلف ممالک کے خاص حالات اور لوگوں کے خواص و طبایع پر منحصر ہے) لیکن انکی نسبت یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ان سے لوگوں کی آزادی میں ناجائز دست اندازی ہوتی ہے۔ اس قسم کے قوانین کے ذریعہ سے جو مداخلت سلطنت کی طرف سے ظہور میں آتی ہے اُس سے یہ غم نہ ہوتی ہے کہ ایک فعل بد کا جس سے دوسروں کو

ایسا چاہیے۔ نہ انداز دیا جائے۔ اس مسئلہ میں لوگوں کو اگر قانہ نا
 سزا دیا تو یہ سزا نہ ہو تو سوسائٹی کی طرف سے لعن و طعن ضرور
 ہونی چاہئے + لیکن آجکل کے لوگوں میں جس قسم کے خیالات آزادی
 کی نسبت جاری ہیں انکے بموجب کسی کے ذاتی افعال میں جن سے دوسروں
 کا کچھ تعلق ہو۔ ناجائز دست اندازی تو لوگ منظور کر لیتے ہیں۔ لیکن ایک
 شخص کو ایک خاص فعل سے روکنا جس کا وہ خواہشمند ہو اور انہیں کرتے
 و آن حالیکہ اُسکو نہ روکنے کا نتیجہ صاف نظر آتا ہو۔ یعنی یہ کہ انکی اولاد
 مصیبت و تکلیف کی عمر بسر کرے گی اور دوسروں کو جو چیز اُسکے فعل کا اثر
 پہنچ سکتا ہے نقصان پہنچے گا + جب ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی کی
 قدر دانی اور بقدری لوگوں سے عجیب طرح ظہور میں آتی ہے اور دونوں
 حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی رائے
 میں گویا دوسروں کو ایذا پہنچانی کا حق انسان کو حاصل ہے۔ اور دوسروں
 کو رنج پہنچائے بغیر اپنے آپ کو خوش رکھنے اور اپنی مسرت میں سعی
 کرنے کا کوئی حق نہیں +

اس مسئلہ کے متعلق کہ گورنمنٹ کی مداخلت کی کیا حد چاہیے
 سوال پیدا ہوتے ہیں جن پر ابھی تک ہم نے بحث نہیں کی ہے۔ اگرچہ ان
 سوالات کا اس کتاب کے مضمون سے چند ان تعلق نہیں ہے لیکن وہ

اس سے بائقی فیصلہ بھی نہیں بین۔ ان سوالات کی بحث میں گورنمنٹ کی مداخلت کو اصل آزادی کے لحاظ سے ناجائز قرار نہیں دیا جاتا۔ انکی بحث سے یہہ غرض نہیں کہ لوگوں کو بعض کاموں سے باز رکھنا چاہئے یا نہیں بلکہ اس امر کا فیصلہ کرنا مقصود ہے کہ آیا گورنمنٹ کا بعض کاموں میں مدد دینا مناسب ہے یا نہیں۔ سچا اسکے کہ بعض کاموں کا کرنا لوگوں کی مرضی پر موقوف کیا جائے جنہیں خواہ وہ فرداً انجام دین خواہ چند آدمیوں کے باہمی اتفاق سے آیا یہہ واجب ہے یا نہیں کہ گورنمنٹ بعض کام لوگوں کے فائدہ کو لئے خود کرے یا لوگوں سے کسی نہ کسی طرح انجام دلائے۔

جب گورنمنٹ کی مداخلت سے لوگوں کی آزادی میں خلل نہ آئے تو یہہ مداخلت تین صورتوں میں ناجائز قرار دیا جاسکتی ہے اور اسپر تین طرح کے اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ کہ اگر رعایا خود بہ نسبت گورنمنٹ کے کسی کام کو اچھی طرح سے انجام دیکے تو گورنمنٹ کی مداخلت ناجائز ہے۔ خواہ کوئی معاملہ ٹھوپی شخص یا سکو اچھی طرح سے انجام پر پہنچائے گا جس کے مطالبہ اغراض اس سے متعلق ہیں۔ کوئی غیر اس کام کو اچھی طرح نہیں کر سکتا۔ اس کے بموجب حرفت و صنعت کے معاملات میں قانونی مداخلت یا سلاطنت

کی دخل دہی جس کا رواج کچھ زمانہ گذرا کثرت سے تھا بہت بڑی ہر
لیکن مضمون زیر نظر کے اس حصہ پر پولیٹیکل اکائی والوں نے اکثر خیالات
ظاہر کئے ہیں اور اس کا ہمارے مضمون سے کچھ خاص تعلق نہیں ہے +
دوسرا اعتراض ہمارے مضمون سے زیادہ تر متعلق ہے +

بہت سے قومی اور ملکی امور اس قسم کے ہیں جنہیں افسران سرکاری
افراد قوم کی نسبت زیادہ خوبی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن
افراد قوم کا اپنی کوشش سے انہیں انجام دینا قومی تعلیم کا ایک عمدہ ذریعہ
ہے۔ اور بہتر ہے کہ انہیں کی بہت پران کاموں کو بھی چھوڑا جائے +
اس سے انکی طبیعت میں مصروف رہنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ اپنی عقل سے
کام لینا پڑیگا۔ اور ان مضامین سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرنی پڑگی
جو معاملات زیر بحث سے علاقہ رکھتے ہوں + جیومی کے ذریعہ سے
کسی معاملہ میں فیصلہ طلب کرنے کا اصول یہی ہے۔ لوکل کمیٹیوں اور
میونسپل کمیٹیوں سے اور ایسی انجمنوں سے جو لوگوں نے خود اپنی بہت
سے قائم کی ہوں علاوہ اور فوائد کے یہ فائدہ عظیم ہی متصور ہیں +
یہ باتیں آزادی کے سوال سے ایسا تعلق نہیں رکھتیں جیسا ترقی و
تعلیم کے مسائل سے قومی تعلیم کے ان وسائل پر جو اہل مدینہ کی تربیت کے
ذریعہ اور ایک آزاد قوم کے لئے پولیٹیکل تعلیم کے روزمرہ برتاوے میں

کسی اور موقع پر بحث کی جائیگی + انکے ذریعہ سے لوگ شخصی اور ذاتی معاملات کے فکر اور خیال داری کے خود غرضانہ تفکرات سے نکل کر قومی مقاصد کو سمجھنے اور قومی معاملات کا انتظام کرنے کو عادی اور صلاح و صلاح عام کو مد نظر رکھنے کی خواہش ہو جاتے ہیں۔ جس سے قومی اتحاد بڑھتا ہے + بغیر اسکے کہ لوگوں میں اس قسم کی عادات پیدا کی جائیں اور انہیں یہ اختیارات دیئے جائیں ایک آزاد سلطنت کے قواعد عمل میں آنا محال ہے۔ چنانچہ ان ملکوں میں جہاں رعایا کو کافی آزادی اس قسم کے معاملات میں حاصل نہیں ہے پولیٹکل آزادی اکثر چند روزہ ہی ہوتی ہے۔ ان ملکوں کے حالات دیکھنے سے ہماری رائے کی توضیح ہوگی + لوکل معاملات کا انتظام اُس مقام کے لوگوں سے ہی سرانجام پانا اور حرفت و صنعت کے بڑے بڑے کارخانوں کا ملک کے لوگوں میں سے ایسے شخصوں کی ہمت سے جاری رہنا جو برصائے خود روپیہ کی مدد میں اس خیال سے بھی قابل تعریف ہے کہ مختلف طرح کے کام ظہور میں آئیں اور ہر ایک طرح کی ترقی وقوع پذیر ہو (جیسا کہ اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں بیان ہوا) جو کام گورنمنٹ کرے گی وہ سب جگہ یکساں ہونگے خلاف اسکے افراد قوم کے کام اور اس قسم کے انجمنوں کے کام جن میں لوگ برصائے خود شامل ہوئے ہوں اس طرح کے ہونگے کہ ان سے نئے نئے تجربہ بہترین

آئیے گورنمنٹ سے یہی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ اُسکے ذریعہ سے وہ نتائج جو مختلف طریقہ کے تجربوں سے حاصل ہوئے ہیں لوگوں میں پھیلائے جائیں اور گورنمنٹ کا فرض یہ کہہ دینے کے لئے کہ وہ اپنی اور کسی کو کسی طرح تجربہ نکرانے سے ہر ایک سچا کرنا لے کر دوسرے کے تجربہ سے فائدہ پہنچائے۔

تیسری اور بہت بڑا اعتراض گورنمنٹ کی مداخلت کو خلاف
یہ ہے کہ اس سے خواہ مخواہ گورنمنٹ کی اختیارات وسیع ہوتی ہیں جس سے بڑا نقصان متصور ہے۔ گورنمنٹ کے موجودہ فرائض کی تعداد بڑھانے سے لوگوں کی امید ہم پر گورنمنٹ کا اثر اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور قوم کے تمام اولو العزم آدمی ہر ایک بات میں گورنمنٹ کے یا اس کے رفیق کے جو اپنے ہاتھ میں اختیارات سلطنت لینا چاہے دست نگر ہو جاتے ہیں اگر سڑکوں یا ریلوے کا بنانا کمپنیوں اور خیرات خانوں کا کھولنا یا یونیورسٹیوں کا قائم کرنا گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہی ظہور میں آئے۔ اگر میونسپل کمپنیوں اور لوکل بورڈوں کے کام موجودہ فرائض سلطنت کو علاوہ گورنمنٹ کے ہی اختیار میں ہوں۔ اور ان تمام محکموں کے ملازمین کو سڑکوں سے ہی تنخواہ ملے اور وہ اپنی ہر ایک طرح کی ترقی کے لئے گورنمنٹ کے ہی دست نگر ہوں۔ تو لوگوں کو خواہ کیسی ہی آزادی پر پس کبھی نہ

حاصل ہو اور وضع قوانین میں کتنا ہی دخل کیون نہ ہو اصلی آزادی
 کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی اگر سب ملکی اور قومی کام گورنمنٹ کے ذمہ
 ہوں تو منتظمان سرکاری جس قدر اچھے اور لائق چُنے جائیگے اور حاشہ کیلئے
 نہایت لائق شخصوں کے ہم پہنچنے کا جتنہ انتظام کیا جاوے گا اتنا ہی زیادہ
 نقصان ہوگا + کچھ عرصہ سے انگلستان میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ
 سول سروس کیلئے لوگ مقابلہ کے امتحان سے چُنے جائیں تاکہ اعلیٰ درجہ
 کے ذہین اور تعلیم یافتہ شخص جو موجود ہوں ان عہدوں کے لائق حاصل
 ہوں + اس تجویز کی تائید و تردید میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ محضین
 کی بہت بڑی دلیل جس پر بہت زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ سرکاری نوکروں
 کی آئندہ کی بیدین روپیہ اور حیثیت کے لحاظ سے ایسی آل ویز نہیں ہوں
 کہ اعلیٰ اسراعے درجہ کو ذہین شخص جنہیں کسی خاص پروفیشن کو اختیار
 کرنے میں زیادہ فائدہ کی امید ہے سرکاری نوکری کے لائق حاصل
 ہو سکیں۔ پس انکی رائے میں امتحان مقابلہ سے بھی اعلیٰ درجہ کے
 لائق شخص حاصل نہیں ہو سکیں گے + اعلیٰ سے اعلیٰ لیاقت والوں کا
 زمرہ ملازمان سرکاری میں داخل ہو جاتا تو ایک بہت بڑا نقص ہو۔ اور
 اگر یہ دلیل جو ابھی بیان کی گئی ہو امتحان مقابلہ کی تجویز پیش کرنے والے
 اس غرض سے بیان کرتے کہ ہماری تجویز سے یہ خرابی جسکا اندیشہ

ہو سکتا ہی پیدا نہ ہوگی۔ تو کچھ عجب نہ تھا۔ تعجب تو یہ ہے کہ اس تجویز کو محض
یہہ دلیل پیش کرتے ہیں + اعلیٰ لیاقت والوں کا شامل نہ ہو سکا اس
مقابلہ کا نقص نہیں۔ بلکہ اس تجویز کے نقص رفع کرنے کا ایک ذریعہ
اگر کسی طرح سے ملک کے اعلیٰ درجہ کے ذہین شخصوں کا۔ زمرہ ملازمان
سرکاری میں شامل ہونا ممکن ہو تو جس تجویز سے یہہ مدعا قابل حصول ہوگا
اسکا عمل میں آنا خیر خواہان قوم کے لئے باعث فکر و تردد ہونا چاہئے +
اگر سوانحی کا ہر ایک کام جسکے لئے اعلیٰ درجہ کے وسیع خیال اور ذہین
شخصوں کے باہمی اتفاق سے کوشش کرنیکی ضرورت ہو گورنمنٹ کے
ہاتھ میں ہو۔ اور اگر مستزاد برین سرکاری عہدوں پر ہمیشہ نہایت لائق
شخص ہی مستزاد ہوں تو سوائے ایسے عالموں اور فاضلوں کو جن کی توجہ
محض قیاسی معاملات پر ہی رہے جن کا کاروبار انسانی سے کچھ تعلق نہیں
مبذول ہو۔ اور سب اہل لیاقت و ذہانت ملازمت سرکاری میں داخل
ہو کر ایک جتہ بنالین گئے عوام و خواص کو ہر ایک معاملہ میں انکا دست
ہونا پڑیگا۔ عام آدمیوں کو ہر ایک بات میں انکے حکم و ہدایت کا منتظر بنا
ہوگا۔ اور لائق آدمیوں کو اپنی ذاتی ترقی و مفاد کے لئے انہیں کا
منہہ دیکھنا پڑیگا + اس حالت میں ہر ایک اولوالعزم شخص کی یہی خواہش
ہوگی کہ وہ اس جماعت میں شامل ہو کر عروج حاصل کرے + ایسی

حالت انتظامی میں صرف یہی نہیں ہوگا کہ وہ لوگ جو سرکاری ملازمین
 ہیں ملازمانِ سرکاری کے اختیار کو روکنے اور ان کے کاموں پر اعتراض کرنے
 کے ناقابل ہونگے۔ کیونکہ انہیں نہ تولیافت حاصل ہوگی اور نہ تجربہ
 بلکہ اگر کسی اتفاق سے کوئی حاکم یا حاکمون کا کوئی گروہ جس میں قومی صلاح
 کا جوش پایا جائے عروج حاصل بھی کرے تو وہ ملک کی انتظامی حالت
 میں کوئی ایسی اصلاح عمل میں نہیں لاسکے گا جس سے اس جماعت کو ذاتی
 اغراض کو صدمہ پہنچے + یہہ افسوسناک حالت سلطنت روس کی ہوا
 اس امر کی تصدیق ان لوگوں کے بیانات سے ہوتی ہے جن کو اس سلطنت
 کے حالات کو مشاہدہ کا موقع ملا ہے + زار بذات خود اس قسم کی
 جماعت افسران کے سامنے جو اسکے ملک میں موجود ہو بالکل بد دست پایا
 ہو۔ زار کو اختیار ہے کہ وہ افسردن میں سے کسی کو جلا وطن کر دے
 لیکن وہ اُن کے بغیر یا اُن کی رائے کو خلاف حکومت نہیں کر سکتا +
 اس جماعت کو زار کا ہر ایک حکم پھیر دینے کا اختیار ایک طرح سے
 حاصل ہے۔ کیونکہ اگر وہ اُس کے حکم کو عمل میں نہ لائیں تو زار کا حکم بے سود
 ہو + جن ملکوں میں تہذیب زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔ اور جہاں کے لوگوں کی
 طبیعت مائل بہ فساد ہوتی ہے وہاں اس قسم کی جماعت افسران کے
 وسیع اختیارات کا اور بھی بُرا اثر ہوتا ہے + ایسے ملکوں کے لوگ اگر

اس امر کے عادی ہون کہ وہ ہر ایک کام گورنمنٹ ہی سے انجام دلائیں یا خود کوئی کام گورنمنٹ کی اجازت یا استمراج کے بغیر کریں۔ تو عموماً گورنمنٹ ہی کو تمام خرابیوں کا جو اُن پر نازل ہوں جواب دہ سمجھتے ہیں۔ اور جب کوئی خرابی اس قسم کی عاید ہو جسے جھیلنے کی وہ تاب نہ لاسکیں تو وہ گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کر دیتے ہیں اور سلطنت میں انقلاب پیدا کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی اور شخص افسر اعلیٰ بن کر اس قسم کی جماعت افسران کے لئے احکام جاری کرنے کی واسطے طیار ہو جاتا ہے لیکن وہ جماعت اسی طرح قائم رہتی ہے اور اصل خرابی دور نہیں ہوتی +

اُن قوموں کی جو اپنے معاملات کا خود انتظام کر سکتی ہیں اور یہی حالت ہوتی ہے + مثلاً فرانس میں بغاوت یا فساد کے ہر ایک موقع پر اس قسم کے لوگ مل سکتے ہیں جو اس جنگ عالم میں کسی نہ کسی گروہ کے سرغنہ بن سکیں اور موقع پر کام آنے والی کوئی نہ کوئی تدبیر نکال سکیں۔ کیونکہ فرانس میں قوم کا حصہ کشمیر اپنی کچھ زندگی۔ فوجی کام سیکھنے میں گزارا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اچھے معزز عہدوں پر ممتاز ہو جاتے ہیں + فوجی معاملات میں جو حال فرانس کے لوگوں کا ہے وہ یہی کیفیت بعینہ امریکا والوں کی تمدن کے معاملات اور انتظام سلطنت کے بارہ میں ہے + اگر امریکا والوں کی گورنمنٹ ڈٹ بھی جائے تو وہ اس قابل ہیں کہ خود

اپنے لئے ایک عمدہ گورنمنٹ بنالین۔ اور اسکا انتظام معقول طور پر پیش سلوبی کے ساتھ چلائین + ہر ایک آزاد قوم کی یہی حالت ہونی چاہئے۔ اور جو قوم یہی قابلیت رکھتی ہے وہ ضرور آزاد ہو جائیگی + اگر کوئی شخص یا جماعت اس قابل موجود بھی ہو کہ وہ سلطنت کو خست یارات اپنے ہاتھ میں لے سکے تو ایسی قوم کبھی اپنے تئیں اس شخص یا گروہ کے محکوم ہونے نہیں دیگی + افسروں کی کوئی جماعت ایسی ہو ہی نہیں سکتی جو ایسی قوم کو کبھی کسی امر پر اسکی مرضی کے خلاف مجبور کر سکے + لیکن جس ملک میں یا جس قوم میں ہر ایک امر افسروں کی ایک جماعت کو وسیلہ سے ہوتا ہو وہاں قوم کوئی ایسا فعل جو اس جماعت کے خلاف مرضی ہو نہیں کر سکتے + ایسے ملک کے انتظامی قوانین کی ساخت اس طرز پر ہے کہ ملک کے ذہین اور تجربہ کار آدمیوں کا تمام گروہ دوسروں پر حکومت کرنے کے لائق ہو۔ اور قوانین ملکی کا یہ مدعا بہ ہیئت مجموعی جہد و جہد حاصل ہو جائے سب فرقوں کے لائق اور چیدہ آدمی حاکمون کے اس گروہ میں شامل ہونے اور انہیں جسی تعلیم حاصل کرنیکے لئے جس قدر زیادہ دستیاب ہونگے۔ اُسی قدر سب لوگ (بیان تک کہ اس خاص گروہ میں شامل ہونے والے بھی) ہر ایک امر میں محکوم و پابند ہوتے جائینگے + کیونکہ حاکمون کے اس گروہ میں سے ہر ایک شخص اپنی جماعت کا ایسا ہی مطیع ہے۔ اور قواعد کا ایسا ہی پابند

ہو جیسا محکوموں کا گروہ حاکمون کا غلام ہو + فرقہ جسٹس کا ہر ایک متفرد اپنے فریق کا نہایت درجہ تک تابع و محکوم ہے۔ اگرچہ اس فرقہ کے قیام سے انہیں افراد کا ناندہ بحیثیت مجموعی متصور ہو +

یہ بھی یاد رہے کہ تمام لائق اور چیدہ آدمیوں کا حاکمون کی عمت میں شامل ہونا خاص اس جماعت کی عقلی اور ذہنی ترقی پر بڑا اثر پیدا کرے گا + چونکہ اس جماعت کو سب لوگ ایک خاص طرز حکومت کو جاری رکھنے کیلئے چند قواعد مقررہ کے پابند ہیں جنہیں وہ بدل نہیں سکتے۔ تو انکی حالت آخر کار یہاں تک پہنچ جائیگی۔ کہ یا تو وہ بے سوچ سمجھے ان قواعد کی پابندی کئے جائینگے اور لکیر کے فقیر بنے رہینگے۔ یا کسی ایسی اصلاح جاری کرینگی کوشش کرینگے جن کا خیال انہیں کسی کے دل میں گذر ہی لیکن جسکے عمدہ نتائج کو اچھی طرح آزمانے کا انہیں موقعہ نہیں ملے + ان خرابیوں (یعنے لکیر کے فقیر بنے رہنا اور بغیر کامل تجربہ کو بے سوچ سمجھے نئی باتیں جاری کرنا) کے دور کر نیکا جو بظاہر ایک دوسرے کو متضاد معلوم ہوتی ہیں یہی طریق ہو کہ علاوہ ملازمین سرکاری کو اور لوگ بھی ایسے لائق موجود

فٹ نوٹ * رومن کی تعلات مذہب کو ایک فرقہ کو جسٹس کہتے ہیں جبکی بنیاد مذہب میں قائم ہوتی تھی۔ اس سے اصل غرض یہ تھی کہ مختلف ملک کو غیر مذہب والوں کو عیسائی کیا جائے + یہ مقصد چوپ کی منظوری سے قرار دیا گیا تھا۔ اور اس فرقہ کو ہر ایک ممبر پر اس مدعا کو حصول کشیش کا فرض تھا + قواعد کی پابندی اسے بہت تشدد کو ساتھ کرائی جاتی تھی + مقررہ حجر

ہوں جو ان پر نکتہ چینی کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں + ایسے وسائل کا موجود ہونا ضروری ہو۔ جن سے لوگ بلا دھارت کو منٹ امور سلطنت پر رائے زنی کرنے کی قابلیت رکھ سکیں۔ اور جنکے ذریعہ سے لوگوں کو اپنی رائے صحیح طور پر قائم کرنے کے لئے اس قسم کے تجربہ کا موقع ملے جو امور صلیبے وسیع معاملات کیلئے درکار ہو + اگر ہم یہ چاہیں کہ ہمارے ملک میں لائق افراد کا رکن جو امور انتظامی میں ہر طرح کی صلاحیت ایجاد کر سکیں قابلیت رکھیں ہوں موجود ہوں۔ اور انہیں جاری کرنے پر آمادہ بھی ہوں۔ تو ہمیں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ امور جن سے لوگوں کی سلطنت کے کام کو خود جاری رکھنے کی قابلیت پیدا ہو اور ترقی پائے جاوے۔ ایک ہی چیز گروہ کے اختیار میں نہ ہوں +

اس میں کسی کو کلام نہیں کہ انفرادی کو بہ نسبت عوام کا زیادہ اختیارات ہونے چاہئیں یہ کوئی نہیں چاہتا کہ ایک قوم کا سرزور ایک جیسے اختیارات رکھے۔ ایک گروہ منتظموں کا یہی ایسا ہونا چاہئے جو ان مراعات کا تذکرہ کرے جسے ہمسوا منافی کو صدر سپینچے کا اندیشہ ہو۔ ایسے شخصوں کا لائق اور زمین ہونا بھی ضروری ہے لیکن اس کا دریافت کرنا کہ جسے بیکراہ اقارب کو اختیارات دینے سے نقصان پہنچا ہے۔ (یہ نقصان زیادہ ہوتا ہے اور فائدہ کم) بہت مشکل ہے +

ایک محدود کردہ کو جس میں لائق اور ذہین شخص شامل ہوں بہت عام لوگوں کے زیادہ اختیارات دینے سے جو فوائد پیدا ہو سکتے ہیں انہیں حاصل کرنا اور ان نقصانوں سے بچ رہنا جو اس چیدہ گردہ کو بہت سے معاملات میں خستہ یا ردی سے یا اس میں لائق شخصوں کے شامل کر لینے سے پیدا ہوتے ہیں۔ فن ماہروائی کا ایک بہت مشکل عقدہ ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسکے حل کر کے لٹری بہت سی باتوں کا خیال کر لیا جائے اور جسکے لئے کوئی قاعدہ کلیتہً ا رہنمائی دیا جاسکتا ہے لیکن میرے خیال میں ایک عام اصول جسکا لحاظ رکھنے سے ہم نقصان سے بچ سکتے ہیں اور فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یعنی ایک معیار جسکے ذریعہ سے ہم سب سے اہم و تجاویز کو جو اس مشکل عقدہ کشائی کے لئے کام میں آسکتی ہیں پرکھ سکتے ہیں ان الفاظ میں ادا ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو تھوڑی تھوڑے اختیارات دینا اور تھوڑے سے آدمیوں کو بہت سے اختیارات تفویض نہ کرنا اس حد تک جائز ہے جہاں تک کہ ان خستہ یا ردی کا بخوبی عمل میں آنا ایک وقت طلب امر نہ ہو کیونکہ اگر معمولی اور جزوی اختیارات کو ہی بہت سے حصے کو جائیں اور انی باتوں کا اختیار بھی کسی ایک شخص کو نہ دیا نہ ہو بلکہ بہت سوں کو بہت مجموعی دیا جائے تو اکثر جزوی باتوں کا عمل میں آنا ہی مشکل ہو جائیگا۔ لیکن انہیں ادا کرنے اور جزوی معاملات کی

نسبت ہدایات جاری کرنے اور مختلف طرح کی باتوں کے پھیلاؤ یا لوگوں کے تجربوں سے عام آدمیوں کو آگاہ کرنے کا اختیار ایک چیدہ گروہ ہی کو ہونا چاہئے۔ مثلاً امورات متعلقہ مینویپل کمیٹی کے اختیار (جیسا کہ نیا انگلینڈ میں ہے) بہت سے آدمیوں میں منقسم ہونی چاہئیں جنہیں مختلف حصوں کے لوگ اپنی مرضی سے انتخاب کریں۔ لیکن علاوہ انکو معاملات مختص المقام کے ہر ایک شاخ کی نگرانی کیلئے ایک چیدہ گروہ مقرر ہونا چاہئے۔ اس گروہ کا کام یہ ہوگا کہ وہ ہر طرح کے تجربات و معلومات کو جو اس معاملہ کو متعلق غیر مالک یا امصار کو لوگوں کی کارروائی سے حاصل ہوئے ہیں ہر شہر کے لوگوں میں پھیلاؤ اور پولیٹیکلس۔

(سیاست من) کے عام اصولوں کو بھی لوگوں میں ترویج دیں۔ اس چیدہ گروہ کو ہر جگہ کی کارروائی سے آگاہ رہنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ اس کا خاص فرض یہ ہوگا کہ جو معلومات ایک جگہ کے تجربہ سے حاصل ہوں وہ دوسرے مقاموں میں پھیلائے۔ جس جماعت کا کام یہ ہوگا کہ وہ صرف لوکل معاملات کی نگرانی کرے۔ اسکی رائون اور اس کے خیالات میں ایک طرح کے تعصب کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ برخلاف اسکے جو جماعت سب کمیٹیوں کی کارروائی کی نگران ہے اور کسی ایک شہر کی کارروائی کی خاص طور پر جواب دہ نہیں۔ اسکے خیالات وسیع

ہونگے اور اس میں تعصب نہیں پایا جائیگا۔ اسکی نصیحت ان معاملات میں زیادہ تر قابل اطاعت ہوگی۔ لیکن یہ خیال رہے کہ اس جماعت کے اختیارات اس سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں۔ کہ وہ ہر شہر کی جماعت انتظامی یعنی لوکل کمیٹی ہی ان قواعد کی پابندی چاہے جو اسکی ہدایت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان معاملات میں جبکا ذکر قواعد متفرق میں ہو لوکل کمیٹیوں کو اپنی عقل و فکر پر ہی چوڑ دینا اور انہیں ان لوگوں کو سامنے جو ابہرہ قرار دینا جنہوں نے اُنکو انتخاب کیا ہے مناسب ہے۔ وضع قانون ان قواعد کو مرتب کریں جبکا لحاظ رکھنا جماعت انتظامی پر لازمی ہو اگر اس جماعت میں سے کوئی افسران قوانین کو توڑے تو اس سے عام قوانین ملکی کے مطابق پریش ہو۔ وہ جماعت جو اس تمام کارروائی کی نگران ہو اس امر کا خیال رکھے کہ وہ امین مترتبہ پر بخوبی عمل ہوئے ہیں۔ ۱۔ اگر لوکل کمیٹی کا کوئی ممبران پر بخوبی عمل نہ کرے تو وہ اُسے (جیسا کہ مناسب ہو) یا تو عدالت کے سپرد کرے یا ان لوگوں کی اجازت حاصل کر کے جنہوں نے اُسکو انتخاب کیا ہے عہدہ سے موقوف کر دے افسران متعلقہ چوڑا جوڑ کو پورٹریٹ کی نگرانی کے ویسے ہی

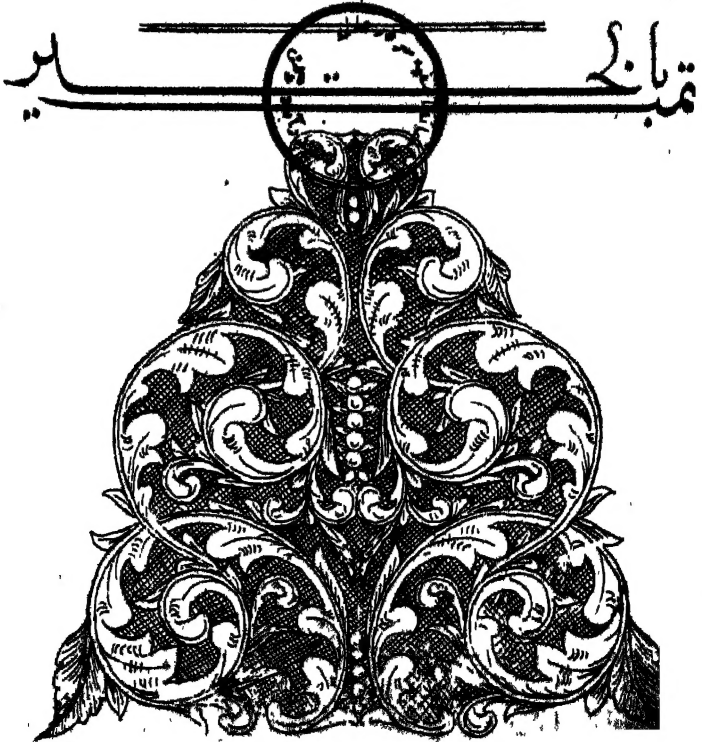
فٹ نوٹ * یہ اس ورد کا نام ہے جو محتاجین اور سیکینوں کے لئے مذہب کرنے اور غیرت بنانے

کا انتظام جاری کر کے لڑتا ہے۔ * مستر تعجب

اختیارات میں جیسے میں نے ابھی بیان کئے اس حد سے زیادہ جو اختیارات اس بورڈ کو حاصل ہیں وہ خاص حالات میں اور ایسے معاملات میں جو خاص مقامات سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ جن کا اثر ایک تمام گروہ پر ہوتا ہے یا تنظیمی کی عادات رفع کرنے کے لئے مناسب اور ضروری ہیں + کیونکہ کسی خاص مقام کے لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے شہر کو خانہ افلاک بنالین اور ہستہ آہستہ اور شہر وں تک ہی اپنی مصیبت کا اثر ڈالیں اور مختوروں کی جماعت کی اخلاقی و جسمانی حالت کو بگاڑ دیں + جبر کرنے اور خود قانون بنانے کا جو اختیار افسران متعلقہ چور کا جو رڈ کو حاصل ہے (لیکن جسے وہ عام رائے کی مخالفت کی وجہ سے بہت کم استعمال میں لاتے ہیں) وہ ایسے ضروری قومی معاملہ میں نامناسب نہیں۔ لیکن یہی اختیارات ان لوگوں کو دینا جو صرف معاملات مختص المقام کی نگرانی پر مامور ہوں جائز نہیں + ایک ایسے بورڈ کا سکلر کی طرف سے قائم ہونا جو ہر شہر کے لوگوں کو ضروری معاملات میں اطلاع دیتا رہے اور انکا نگران رہے ایک انتظامی معاملہ کو لئے ضروری ہے + گورنمنٹ کو اس قسم کا اختیار جس سے

افراد قوم بین سنی و کوشش کا مادہ پھیلے اور ان میں ترقی کی صورت نظر آئے جس میں زیادہ ہو اسی میں بہتری ہو۔ خرابی تب پیدا ہوتی ہے جب گورنمنٹ بجائے اسکے کہ لوگوں کو خود بھی کرنے پر مائل کرے اور ان کے قوائے عقلی سے کام لے خود انکی جگہ کام کرنے لگے یا انہیں نصیحت ملقین کرنے۔ ضروری معاملات میں اطلاع دینے اور مناسب موقعوں پر سرزنش کرنیکے بجائے ان کے افعال میں مستبد قائم کرے یا انہیں کاروبار سے غلیجہ کر دے اور انکا کام خود کرے۔ سلطنت کی عظمت و شہرت آخیزین جا کر افراد پر ہی منحصر ہے۔ اور جو سلطنت افراد کی عقلی اور پولیٹیکل ترقی کو محض اس خیال سے نظر انداز کرے کہ بعض فردی معاملات میں گورنمنٹ خود اس قدر قوم کی نسبت کسی قدر زیادہ عہدگی کے ساتھ انتظام کر سکتی ہے اور اس قدر کو اس غرض سے پست ہمت اور ناقابل بنائے کہ جن کاموں کی طرف گورنمنٹ انہیں مائل کرنا چاہے (خواہ وہ کام مفید ہی ہوں) وہ انکی طرف باآسانی مائل ہو سکیں۔ تو اس گورنمنٹ کو مسلم ہو گا کہ پست ہمت اور ناقابل اس قدر ذریعہ سے بڑے بڑے کام بھی انجام نہیں پاسکتے۔ سب کاموں کا باآسانی اور بلا اعتراض انجام پانا آخر کار گورنمنٹ کو

کچھ فائدہ نہ پہنچائیگا اس طرح سے قوم میں انتظام کی قابلیت پیدا
 نہ ہوگی۔ اور اسے کارگو رنٹ کا انتظام بھی نہ چل سکیگا۔
 کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے اسی انتظام کا جاری
 رہنا بغیر اسکے ممکن نہیں کہ افراد قوم میں کچھ
 قابلیت پاجائے۔ اور جب گورنمنٹ
 فراس قابلیت کے پیدا کرنے
 کی پرواہ ہی نہ کی تو انتظام کب جاری رہ سکتا ہے؟



TO THE

HON'BLE SIR CHARLES AITCHISON,

K. f. S. I. f. I. F. I. P. P. P. P.

AS a sincere though inadequate tribute to his learning,
strong individuality, moral courage, liberal views
and many other virtues which were
manifested in every scheme
of his administration,

THIS BOOK IS DEDICATED BY
THE TRANSLATOR.

AN URDU TRANSLATION
OF
JOHN STUART MILL'S ESSAY
ON LIBERTY,

BY
DIWAN NARENDRA NATH, M. A.,
Fellow of the Punjab University

COPY RIGHT RESERVED.

Subject:

PRINTED AT THE NEW IMPERIAL PRESS, BY SAYYAD HASAN ALI SHAH.

1887.